

رمز جنون

قسط 11

تحریر نور آصف

دود و جنازے ان کے سامنے کفن میں لپٹے پڑے تھے
مگر خاندان سے کوئی نہیں آیا تھا کبیر خان کا کوئی بھی
فون نہیں اٹھا رہا تھا سب ان سے تعلق توڑ چکے تھے۔

ایک دو نے فون اٹھایا بھی مگر کبیر خان کی بات مکمل
ہونے سے پہلے انھیں لعن طعن کرتے وہ فون رکھ چکے

تھے
وہ اس وقت درد و کرب کی تفسیر بنے تھے۔ وہ خود کو ان
دو دو جنازوں کا قصور وار سمجھ رہے تھے۔ شازمہ اپنے
ہوش کھو بیٹھی تھی۔

لاشوں کو کفن پہنا دیا گیا تھا۔ کبیر خان کا بہت پرانا ملازم
جس کا کوئی نہ تھا وہ کفن سلائی کرتا تھا۔ ان ہی کی طرح
اب ضعیف تھا جس نے انھیں کفن سلائی کر دیے
تھے۔

کبیر خان نے دوبارہ کسی کو اطلاع کرنے کی کوشش
نہیں کی تھی نہ وہ ان کی طبیعت ایسی تھی وہ کسی کو

اطلاع کرتے مزید لعن طعن گالیاں سنتے۔ جو خاندان
والے لعنت ملامت کر کے کئے تھے وہ آکر کرتے بھی

کیا آخر؟؟؟

فارس خان اپنے گاڑڈز اور سارے ملازموں کو رات
سے چھٹی دے چکا تھا۔ اس وقت وہ لوگ تن تنہا اس
بڑی سی حویلی میں موجود تھے۔ رات کی سیاہی شدت

پکڑ گئی تھی۔ باہر موسلا دھار تیز طوفان آیا ہوا تھا۔
آندھیوں کے جکڑ چل رہے تھے۔ آریان خانزادہ
پتھرائی آنکھوں سے فارس خان اور ایشال کو دیکھ رہا
تھا۔ اس کے چہرے پر پڑے فارس خان کے خون کے
چھینٹے جم چکے تھے۔ رشنا کا بلکتا روتا ہوا چہرہ ایک بار
پھر سے سسکیاں بھرتا کارپٹ پر ہی سوچا تھا۔

کبیر خان اپنے ناتواں بدن کو سنبھالتے یکدم اٹھے تھے۔
داخلی دروازے کی طرف بڑھتے ان کا ناتواں وجود
لڑکھڑایا تھا جسے دیکھتے آریان خان زادہ بھاگ کر ان کی
طرف بڑھتے انھیں تھام لیا تھا۔ کبیر خان کی بوڑھی
آنکھوں سے اشک رواں جاری ہوا تھا۔ وہ آریان

خانزادہ کا ہاتھ تھا مے آہستگی سے داخلی دروازے کی
طرف بڑھے

آریان خانزادہ ان کا ہاتھ تھا مے باہر کی طرف بڑھا وہ
حیران تھا کبیر خان کہاں جا رہے ہیں؟؟۔ مگر وہ سوال
نہ کر سکا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ جیسے اس کی آواز اس کے

حواص سلب کر چکے تھے۔۔ یہاں تک کہ اس کا ایک

آنسو نہ بہا تھا یکدم وہ پتھر سا جیسے ہوا تھا۔

وہ لوگ طویل کارپورچ عبور کر کے باہر پہنچے تو شدید

طوفان باہر برپا تھا۔ درخت اکھڑ گئے تھے۔ موسلا دھار

بارش کبیر خان کے ناتواں وجود اور دس سالہ آریان

خانزادہ کو بھگو چکی تھی۔ آریان خانزادہ کو تو سردی تک

کا احساس نہ ہو رہا تھا۔ وہ کبیر خان کے لرزتے وجود کو

سنہجالتے گیٹ سے باہر نکل گیا تھا۔

کبیر خان کے قدموں کا رخ مسجد کی طرف تھا۔ وہ ان کا

ہاتھ پکڑے خاموشی سے چل رہا تھا۔

مسجد میں داخل ہوتے بہت سے لوگوں نے انھیں

عجیب نگاہوں سے دیکھا تھا۔ رائینہ خان نے جو کیا اس

کی خبر یہاں کے چھوٹے طبقے سے لے کر بڑے طبقے
تک پہنچ گئی تھی۔ سب کے لبوں پر کل سے رائینہ خان
کے گناہ کا ہی تذکرہ تھا جس سب کے قصور وار فارس
خان اور کبیر خان تھے جو بغیر تھے۔ جو اپنی بیٹی بہن
کی تربیت نہ کر سکے تھے۔ اس کی جوانی کو نہ سنبھال

سکے۔ مسجد میں ہی بہت سے افراد کبیر خان کو دیکھتے
کانوں کو ہاتھ لگا رہے تھے۔

ان لوگوں کے بے رحم مدھم الفاظ آریان خان زادہ تک
بخوبی پہنچ رہے تھے۔ اس کی سبز پتھرائی آنکھوں میں
خون اتر رہا تھا۔

کبیر خان سب کی باتوں کو نظر انداز کرتے مسجد کے امام
کی طرف بڑھے۔

کبیر خان کو دیکھتے وہاں کے امام نے اپنی نگاہیں پھیریں
تھیں۔

کبیر خان ان کے سامنے صف پر جھکے سر کے ساتھ بیٹھ
کے۔ آریان خانزادہ بھی ان کے ساتھ خاموشی سے

بیٹھ گیا تھا۔

کبیر خان نے مدھم آواز میں مسجد کے امام کو فارس
خان اور ایشال خان کے خود کشی کرنے کے بارے میں

بتاتے ان کا جنازہ پڑھنے کو کہا۔

مسجد کے امام خود کشی کا سن کر شاکد ہوئے تھے۔

دوسرے پل ان کے چہرے پر ناگواری چھائی تھی۔

آریان خانزادہ حیرانگی سے مسجد کے امام کی طرف دیکھ
رہا تھا۔ جن کے چہرے پر سرخی کے ساتھ انتہائی
ناگواری اور سرد پن تھا۔

خودکشی کرنا اسلام میں حرام م ہے۔ یہ کیسے کر سکتا ہے
تمہارا بیٹا اور پوتی؟؟ امام صاحب بھڑک اٹھے تھے۔

جانتا ہوں امام صاحب !! آپ جنازہ پڑھوادیں تو مہربانی
ہوگی۔ کبیر خان عاجزانہ لہجے میں گڑ گڑائے۔
بہت ہی بزدل نکلا تمہارا بیٹا اور پوتی !! انہوں نے خدا
کی دی ہوئی زندگی کا کفرانِ نعمت کیا۔ تم جانتا ہے خدا
کے نزدیک اس کی سزا کیا ہے؟؟ خود کشی کرنے والوں

پر خدا کا سخت عذاب ہے۔ ایسا لوگوں کا مغفرت ہمیں
جو خدا کا دیا ہوا انمول زندگی کا خود ہی جان لے لے
امام صاحب کی اونچی آواز پر وہاں موجود اکاد کا جو لوگ
تھے سب وہ متوجہ ہوئے تھے۔ مسجد میں چہ مگوئیاں
ہونی شروع ہو گئی تھیں۔

جانتا ہوں یہ گناہ ہے۔ جانتا ہوں میرے بیٹے اور پوتی
نے غلط کیا۔ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مگر
جنازہ تو پڑھو انا ہے ناں۔ انھیں سپرد خاک تو کرنا ہی
ہے۔ کبیر خان سر جھکائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے
تھے۔ آریان خان زادہ یہ سب کچھ حیرانگی سے سنتا سب
کے کو اپنی سبز آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ کہاں دیکھا تھا

کسی کو اپنے دادا کبیر خان اور فارس خان کے سامنے سر
اٹھاتے ہوئے۔ اپنی بہن اور باپ کے لیے کبیرہ گناہ
بزدل جیسے لفظ اس کے اندر آگ سے لگا کئے تھے۔ وہ
تڑپ کر رہ گیا تھا۔

یہ تم نے کیسا تربیت کیا اپنی اولاد کا کبیر خان؟؟ تمہارا
بیٹی نے اتنا نیک لوگوں کے ساتھ کیا کیا؟؟ ہمارا ہاں

بچپن کا ملنی نکاح ہوتا ہے۔ ہمارا علاقہ کا ہر جوان لڑکی
تمہارا بیٹی کا کر توت دیکھ کر یہی سوچے گا ہم بھی یہی
سب کچھ کرتا ہے۔ فارس خان کا خود کو مارنے سے اچھا
تھا تمہارا بیٹی کا جان لے لیتا۔ امام صاحب کے چھتے
لفظوں پر آریان خان کی سبز آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا
رہی تھی۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچتی جا رہی تھیں۔

وہاں کھڑے لوگ بھی اب امام صاحب کی ہاں میں ہاں
ملانا شروع ہو گئے تھے۔

ہم کو معاف کرنا، ہم یہ جنازہ نہیں پڑھوا سکتا۔ خود کشی
کرنا والوں پر جب اللہ ترس نہیں کھاتا تو ہم گناگار انسان
کیسے ترس کھا سکتا ہے۔ ہم خود کشی کرنا والوں کا جنازہ
نہیں پڑھواتا۔ امام صاحب رکھائی سے جواب دیتے منہ

موڑ چکے تھے۔ کبیر خان اپنا جھکاسر ہلاتے ہوئے زمین
سے اٹھے تھے۔ آریان خانزادہ بھی ان کے ساتھ اٹھتا
خاموشی سے ان کا کانپتا ہاتھ پکڑ کر آگے مسجد کے گرم
کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

بہت ہی بغیرت لکلا یہ فارس خان! مسجد کے صحن میں
آتے ہی آریان خانزادہ کی سماعتوں میں کسی کی آواز پڑی

تھی۔

آریان خانزادہ کے قدم ٹھہرے تھے۔ وہ اپنی مٹھیاں
بھنچتے ہوئے جھکا تھا اپنے پیروں کے پاس پڑا پتھر اٹھا کر
آریان خانزادہ نے مڑتے ہوئے اپنے پیچھے کھڑے
انسان کے سر پر دے مارا تھا۔ اس کے سر سے خون کا
فوارہ چھوٹا تھا وہ بلبلا تے ہوئے چیخا اٹھا۔

مسجد میں کھڑے کچھ افراد غصے سے آریان کی طرف
بڑھے تھے۔

اگر تم لوگوں نے ایک بھی قدم بڑھایا میں یہ سارے
پتھر تم لوگوں کے سروں پر دے ماروں گا۔ وہ زمین
سے اور بھی پتھر اٹھاتے چلتا تھا۔

چلو آریاں!! اکبیر خان نے یہ دیکھتے اس کا ہاتھ سختی سے
تھاما۔

لے کر جاؤ اس کو یہ بھی بڑا ہو کر اپنا بڑوں کے نقش
قدم پر چلے گا۔ وہاں کھڑے کسی نے نفرت امیز
نگاہوں سے کہا تھا۔ فارس خان کے مرنے کے بعد اکبیر

خان کار عب و دبدبہ ختم ہو چکا تھا۔ سب ان کا ساتھ
چھوڑ چکے تھے۔

اب تو صرف سامنے لاغر سا کپکپاتا وجود نظر آ رہا تھا اور
دس سالہ بچہ جس کا کوئی نہ تھا۔

آریان خانزادہ سب کو خون اتری آنکھوں سے گھورتے
مسجد سے نکل آیا تھا۔

کچھ نوجوان مسجد سے نکلتے بھاگتے ہوئے کبیر اور آریان
خانزادہ کے ہم قدم ہوئے تھے۔

ہم پڑھوائیں گے جنازہ!! ان چند جوانوں نے کبیر خان
کی طرف دیکھتے کہا تھا۔

کبیر خان ان کی طرف نم آنکھوں سے عاجزی سے
دیکھا تھا۔

آریان خانزادہ کی سبز آنکھوں سے پہلی مرتبہ آنسو بہے
تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بے دردی سے وہ آنسو صاف
کر گیا تھا۔

حویلی کے پیچھے جنگل میں برستی بارش میں چند نوجوان
لوگوں کے ساتھ برستی بارش میں ایشال خان اور

فارس خان کی نماز جنازہ پڑھوائی گئی تھی۔
آپ لوگ صبح تک انتظار کر لیں ہم اور لوگوں کو اکٹھا کر
کے یہاں کے نزدیکی قبرستان میں انھیں دفنادیں گے۔
اس طوفانی بارش میں کوئی نہیں ائے گا۔ ایک بیس
بایس سال کے لڑکے نے کبیر خان کے کندھے پر ہاتھ
رکھتے نرمی سے کہا۔

اس کی ضرورت نہیں!!! میں جان چکا ہوں کوئی نہیں
آئے گا اگر کوئی آئے گا بھی تو ہمیں بے بسی کا احساس
دلانے! میرے بچوں کے گناہ یاد کروانے!! بہت کچھ
ہو چکا ہے اب مجھے اپنے پوتے کو قاتل نہیں بنانا۔
کبیر خان نے آریان خانزادہ کی طرف دیکھتے کہا جس کی
سبز آنکھوں میں صرف خون کی لالی تھی۔

خود کشی بہت برا فعل ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کا سب سے برا انجام ہے۔ اس فعل کی معافی نہیں۔ اللہ آپ کے بچوں پر رحم فرمائے۔ اللہ ان کا یہ گناہ معاف فرمائے ان کے لیے اگلے جہاں میں آسانیاں پیدا فرمائے۔ جتنا ہو سکا ہم آپ کی مدد کریں گے۔ ایک

نوجوان سنجیدگی سے بولا تو کبیر خان جنازوں کی طرف
دیکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔

وہ سب نوجوان ایک دوسرے کی طرف دیکھتے وہاں
سے چلے گئے تھے۔

کبیر خان اپنے آنسو صاف کرتے خاموشی سے آگے
بڑھتے ایک درخت کے پاس پڑے قبر کھودنے کے

آزار پکڑے پاس ہی نرم جگہ کی کھودائی کرنے لگے۔
آریان خانزادہ برستی بارش میں سرخ آنکھوں سے کبیر
خان کو لرزاتے ہوئے کھودائی کرتے دیکھ رہا تھا۔
وہ اپنی سرخ نم آنکھیں مسلتا کبیر خان کی طرف بڑھا
تھا۔

آہہ۔۔۔۔۔ زمین پر پڑی کینٹی اٹھا کر اس نے چیخے

ہوے پوری قوت سے زمین پر ماری تھی۔

اب وہ چیختے ہوئے وہ نرم جگہ کھودتا جا رہا تھا۔ کبیر خان
مستل روتے ہوئے قبر کھود رہے تھے۔

نہیں چھوڑوں گا تمہیں رائینہ خان!! جان سے مار
ڈالوں گا تمہیں وہ نرم جگہ پر ضرب لگاتے حلق کے بل

چیختا تھا۔

آریان خانزادہ کے لفظ سنتے کبیر خان کے ہاتھ شدت سے لرزے تھے۔ وہ روتے ہوئے اپنے ناتواں وجود سے ضربیں لگاتے جا رہے تھے۔

جان سے مار ڈالوں گا تمہیں رائینہ خان!! وہ برستی بارش میں چیختا جا رہا تھا۔ ہر ضرب پر اس کی آواز پہلے

سے بلند ہوتی۔ کبیر خان کا بدن پہلے سے بھی زیادہ
کپکپتا جا رہا تھا۔

آریان خانزادہ اور کبیر خان قبروں کے پاس پتھرائی
کیفیت میں بیٹھے تھے۔ طوفان شدت اختیار کرتا جا رہا
تھا۔

نہیں چھوڑوں گاراہینہ خان تمہیں! نہیں چھوڑوں گا
تمہیں حاکم خان۔ سانسوں کو چھین لے گا تم دونوں
کے ناپاک وجود سے آریان خانزادہ!! وہ برستی بارش
میں آسمان کی طرف دیکھتے خون اشام درندے کی مانند
مسلسل چیخ رہا تھا۔

کبیر خان آریان کی چخیں سنتے مسلسل رو رہے تھے۔

رائینہ خان تمہیں ایسی موت دوں گا تم ایک ایک
سانس کے لیے مجھ سے بھیک مانگو گی۔ وہ ابھی بھی چیخ
رہا تھا۔ اس کی خوفناک چیخیں سنتے کبیر خان کا دل بند ہو
رہا تھا۔

کبیر خان نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا جہاں شدید درد
شروع ہو چکا تھا۔

وہ دل پر ہاتھ رکھتے فارس خان کی قبر پر گر چکے تھے۔
دادا جان!!! آریان خانزادہ چیختے ہوئے انھیں تھام گیا
تھا۔

آری وعدہ کرو تم میری رائینہ کو کچھ نہیں کہو گے۔ وہ
ٹوٹے لفظوں سے بولتے آریان کے ہاتھ اپنے کپکپاتے
ہاتھوں میں جکڑ گئے۔

دادا جان!! کبیر خان کی اکھڑتی سائیں دیکھتے آریان

بدحواس ہوا۔

وعدہ کرو آریان تم حاکم خان اور رائینہ خان کو کچھ نہیں
کہو گے۔ میری رائینہ کو اس کی زندگی جینے دو گے۔ وہ
منت کرتے گڑ گڑائے تھے۔

دادا جان۔ آریان ہچکیوں سے رونے لگا تھا۔

میرے بچے اس مٹی تلے سو گئے ہیں۔ رائینہ میری جان
کا ٹکڑا ہے۔ وہ بہت معصوم ہے اسے معاف کر دو۔
اسے جینے دینا تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔ وہ اپنے کپکپاتے
ہاتھ اس کے آگے جوڑ گئے تھے
دادا جان!! رائینہ کی فکر ہے میری نہیں۔ سب چلے
گئے کیسے زندہ رہوں گا میں۔ آریان کے آنسو کبیر خان

کے چہرے پر گر رہے تھے۔

تمھاری۔۔۔ مورے۔۔۔ ہے۔۔۔ اور۔۔۔ تمھارا۔۔۔

بھائی۔۔۔ بھی۔۔۔ آنے۔۔۔ والا۔۔۔ ہے۔۔۔ فارس۔۔۔

نے۔۔۔ مجھے۔۔۔ بتایا۔۔۔ تھا۔۔۔ تمھارا۔۔۔ ایک

اور۔۔۔ بھائی۔۔۔ آنے۔۔۔ والا۔۔۔ ہے۔۔۔ وہ۔۔۔

سب۔۔ ہوں۔۔۔ گے۔۔۔ بکھارے۔۔۔ پاس۔ وہ

دل پر ہاتھ رکھتے بمشکل بول رہے تھے۔

بابا نہیں! آپ نہیں میں کیا کروں گا دادا جان؟؟ وہ

بلک بلک کر رو پڑا تھا۔

رائینہ۔۔۔ حاکم۔۔۔ کو۔۔۔ کچھ۔۔۔ نہیں۔۔۔ کہو

۔۔۔ گے۔۔۔ تم! تم۔۔۔ پلٹ۔۔۔ کر نہیں۔۔۔ دیکھو

گے۔۔۔ میری۔۔۔ بیٹی۔۔۔ کی۔۔۔ طرف۔۔۔
وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے آخری ہچکی لیتے دم توڑ کے
تھے۔

قسم کھاتا ہوں وعدہ کرتا ہوں کچھ نہیں کہوں گارا اینہ
خان کو۔ نہیں پلٹ کر دیکھوں گا حاکم اور را اینہ کی
طرف۔۔۔ وہ ان کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے چینا

دادا جان۔۔۔ ان کے سینے پر جھکتے وہ ان کے دل کی
دھڑکنیں چیک کرتے ہوئے چیخ پڑا تھا۔ برستی بارش
میں اس کی خوفناک چیخیں اس جنگل میں گونجتے جنگل کو
مزید خوفناک بنا رہی تھیں۔

مورے!! وہ کبیر خان کے بے جان وجود کو وہیں
چھوڑتے گرنے پڑتا رہتا ہوا اندر آیا تھا۔ شازمہ خان کی
چینیں سنتے وہ ان کے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھا۔
وہ پیٹ پر ہاتھ رکھتے دروازے سے چنچ رہی تھیں۔
مورے!! وہ جلدی سے ان کی طرف بڑھا۔

آری۔۔۔ کسی۔۔۔ کو۔۔۔ بلاؤ۔۔۔ وہ درد سے

بلبلاتے ہوئے بمشکل بولیں۔

کس کو مورے کس کو بلاؤں؟؟۔ آریان خان نے

روتے ہوئے پوچھا۔

کسی عورت کو بلاؤ!! گاؤں میں کوئی تو ہوگا اس کو بلاؤ۔

آری مجھے یہ بچہ چاہیے۔ مجھے فارس خان کی آخری نشانی

چاہیے۔ وہ ٹوٹے بکھرے لفظوں سے بولتی درد سے چیخ
پڑی تھی۔

آریان خانزادہ انھیں تڑپتے دیکھتے بھاگتے ہوئے باہر کی
طرف بڑھا۔

وہ اب اونچی نیچی سڑکوں پر گہری رات میں برستی بارش
میں بھاگ رہا تھا۔ جہاں ان کی حویلی تھی اس پاس کوئی

گھر نہ تھا۔

کافی آگے جا کر پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے گھر تھے۔

اس کا ایک دوست شیرون خان رہتا تھا دور پہاڑوں پر

ایک چھوٹے سے گھر پر۔۔۔۔۔ وہ بھاگتے اس پہاڑ پر

چڑھ رہا تھا۔

وہ دن کے وقت اس کے گھر نہیں جاتا تھا۔ راستہ ہٹن
تھا اور یہ جگہ ایسی ہے یہ مشہور تھا وہ آج برستی بارش
اور گہری رات میں اس خطرناک پہاڑ بنا کسی خوف کے
چڑھ رہا تھا۔

اس نے وہاں پہنچتے ہوئے روتے ہوئے شیرون خان کا
دروازہ کھٹکٹایا۔ وہ پاگلوں کی طرح دروازہ کھٹکٹا رہا

تھا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد شیرون خان کے باپ سمندر خان
نے دروازہ کھول دیا تھا۔

کااا!! وہ میری مورے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ
کہہ رہی تھی کسی عورت کو بلا کر لاؤ۔ وہ ہاتھ جوڑتے
ان کے پیروں میں پڑ چکا تھا۔ جس طرح مسجد کے امام

نے ان کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ وہ ڈر گیا تھا یہ لوگ
بھی ویسے ہی سلوک کریں گے۔ وہ اپنی مورے کو
نہیں کھو سکتا اب۔

ارے بیٹا تم ایسے کیوں کر رہا ہے؟؟؟ ہم چلتا ہے
تمہارے ساتھ۔۔ سمندر خان نے آریان خان کو اپنے
پیروں سے اٹھایا۔

خانم چادر اوڑھو!! کسی عورت کو تمہارا مدد کا ضرورت
ہے۔ سمندر خان نے اونچی آواز میں کہتے آریان
خانزادہ کو سینے سے لگایا۔
جی خان!! اندر سے آتی نسوانی آواز پر آریان خانزادہ کی
ہچکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔



آریان خانزادہ سمندر خان کے ساتھ شازمہ کے کمرے
کے باہر کھڑا تھا۔ اندر سے شازمہ کی چنجیں سنائی دے
رہی تھیں۔

پہلی بار اس کی مورے کے کمرے کے باہر کوئی غیر مرد
کھڑا تھا۔ اس جگہ پر فارس خان کو کھڑا ہونا چاہیے تھا۔
آریان خانزادہ شازمہ کے کمرے کے باہر زمین بیٹھ گیا

پتہ نہیں کیوں اسے سمندر خان سے بھی خوف محسوس
ہوا تھا؟؟۔۔۔ کسی پر اعتبار نہ رہا تھا۔ وہ دس سال سال
سے جیسے تیس سال کا آریان خانزادہ بن چکا تھا۔
اندر سے اب چنچیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ آریان خانزادہ
خوفزدہ ہوتے بند دروازے سے ٹیک لگاتے آنکھیں
میچ کیا۔ نجانے اب کس کی موت ہوئی تھی؟؟۔

دروازہ کھلنے پر وہ جلدی سے کھڑا ہوا۔ آریان خانزادہ
نے خالی خالی نظروں سے شیرون کی مورے کی طرف
دیکھا تھا۔

تمہارا مورے کی حالت بہت خراب تھا۔ نہ اس کا پاس
وقت تھا۔ ہم سے جو ہوا وہ ہم نے کیا۔ تمہارا بھائی ہوا
ہے۔ شیرون کی مورے کے لفظ سنتا وہ اپنی خالی سرخ

آنکھوں کو ایک ہاتھ سے بے دردی سے مسلتے کمرے
کی طرف بڑھا۔

مردہ پیدا ہوا ہے تمہارا بھائی!! شیرون کی مورے کے
لفظ سنتے وہ درد و کرب سے آنکھیں میچ گیا تھا۔

مورے۔۔۔ مورے۔۔۔ زندہ ہے۔۔۔ آریان
خانزادہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

ہاں مکھارا مورے بیہوش ہو گیا ہے مگر زندہ ہے۔
شیر وں کی مورے کے لفظ سنتا وہ ہنسا تھا۔
سمندر خان اور اس کی بیوی نے اسے حیرانگی سے ہنستے
ہوے دیکھا۔
وہ زمین پر بیٹھتا ہنستا چلا گیا تھا۔

رات کے آخری حصے میں وہ سمندر خان کے ساتھ کھڑا
پھر سے دو قبریں کھود رہا تھا۔۔۔ بارش آج رک ہی
نہیں رک رہی تھی۔۔

آہستہ۔۔ ہر ضرب کے ساتھ اس کی چیخ بلند ہوتی تھی۔
اس طوفانی بارش میں اس کی چیخیں گونجتی اس جنگل کو
ہلا کر رکھ رہی تھی۔ ہر ضرب کے ساتھ اس کے وجود

میں رائینہ خان اور حاکم خان کے لیے نفرت بڑھتی جا
رہی تھی۔

اس کی چیخوں سے بہتے دریا میں عجب سی موجیں اٹھتی
طلا تم برپا کر رہی تھیں۔ پہاڑوں سے ٹکراتی آریان
خانزادہ کی چیخیں اس گھنے جنگل سے ٹکراتی بہت

خوفناک لگ رہی تھیں۔

حال!!

آہہ۔۔۔۔۔ آریان خانزادہ پہاڑ پر کھڑا شدت سے چیخ
رہا تھا۔ اس کی سیاہ سینڈولسپینے سے نچڑکی تھی۔ اس کے
سلکی بالوں سے پسینے کی بوندیں جڑ رہی تھیں۔

وہ بیس سال بعد بھی بھی اس درد میں جی رہا تھا جب
جب حاکم خان اور رائینہ کے نام اس کی سماعتوں سے
نکراتے وہ پاگل ہو جاتا تھا۔

زرمش کے لفظ اسے سماعتوں میں سنائی دیتے پاگل کر
رہے تھے۔ اس ناپاک وجود کے لیے بھی نفرت
بڑھتی جا رہی تھی

ہے درد یہ میرا
وہ کیوں اسے ہے چھو رہا
وہ سگریٹ انگلیوں میں دبائے ایک پتھر پر بیٹھے گہرے
کش لینے لگا۔

شازمہ رشنا خان اور آریان خانزادہ کو لے کر کیل فورنیا
اپنے اکلوتے بھائی کے پاس چلی گئی تھیں۔ ان بیس

سالوں میں آریان خانزادہ ایک دوبار شازمہ اور رشنا
کے ساتھ حویلی آیا تھا۔ شازمہ خان کو یہاں فارس
خانزادہ اور ایشال کی یادیں کھینچ لاتی تھیں۔ وہ مجبوراً
انہیں یہاں لے کر آتا تھا۔

مگر شازمہ رشنا خان کو یہ آج تک پتہ نہ چلا تھا۔ آریان
خانزادہ ان کے بغیر بہت بار پاکستان آچکا ہے۔ وہ چاہ

کر بھی اس حویلی کو چھوڑ نہیں پایا تھا جہاں کبیر خان
فارس خان ایشال خان کی یادیں تھیں۔ و
اس نے پلٹ کر حاکم خان اور رائینہ خان کی طرف
نہیں دیکھا تھا۔ اس کا ایک بیٹا حیدر خان ہے اسے
صرف یہ معلوم تھا۔ تھوڑی بہت معلومات تھیں اس
کے پاس !!! مگر اس کے علاوہ اس نے کبھی رائینہ خان کا

پتہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنا بدلہ بھول گیا تھا مگر وہ درد نہیں
بھولا تھا جو اسے آج بھی سونے نہیں دیتا تھا۔
زر مش خود اس کے پاس آئی تھی۔ وہ راینہ خان کی بیٹی
ہے وہ پاگل ہو گیا تھا۔ اس ناپاک وجود سے اسے آج
بھی نفرت تھی بے انتہا نفرت تھی اسے دیکھتے اسے چار
چار قبریں یاد آتی تھیں۔ اپنا بدلہ یاد آتا تھا کیونکہ وہ بدلہ

صرف راکھ کی چنگاریوں میں دبا تھا۔ وہ دبا ہی رہتا تھا
بہتر تھا۔ وہ راکھ کی چنگاریوں کو ہوا دے کر چلی گئی
تھی۔ اب آگ بھڑک رہی تھی جس میں سب کا جسم
ہونا رہتا تھا۔

جس طرح فارس خان اور کبیر خان کی عزت نیلام ہوئی
تھی۔ حاکم خان کو وہ وہی درد دینا چاہتا تھا۔ عزت کے

خوف سے خود کشتی کر لینا۔ آسان موت دینی ہوتی تو وہ
کب کا دے چکا ہوتا۔

حیدر خان کی قبر زر مش کی قبر رائینہ خان کی قبریں وہ
حاکم خان کے ہاتھوں کھدوانے کا خواہش مند تھا۔
آہہہ۔۔۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتے کرب سے چیخا۔
!! ان سے بدلہ لو آریان فارس خانزادہ!! مجھ سے بدلہ

کیوں؟؟ میرے ساتھ یہ ظلم کیوں؟؟ کمھارے اندر تو
اس پاک فارس خانزادہ اور شاذمہ کا خون ہے۔ پھر اس
پاک خون کا بھرم کیوں نہیں رکھ پار ہے؟؟۔
اس کے لفظوں نے اس کے اندر عجب سی نفرت کے
آلاؤ اس کے اندر دوڑا دیے تھے۔ آریان خانزادہ کی
سبز آنکھوں میں خون کی لالی اتنی ہی گہری تھی جو آج

سے بیس سال پہلے تھی۔

!! مان لو اگر میری رگوں میں دوڑتا خون ناپاک ہے تو

تمہارے اندر بھی خاندانہ خون نہیں ہے پھر !!

تمہارے اندر بھی ناپاک خون ہے۔ تم بھی میری طرح

ناپاک وجود ہو !!

سامنے مت آنا میرے ناپاک وجود!! ورنہ مکھاری قبر
میں خود کھودوں گا۔ تم نفرت ہو آریاں خانزادہ کی۔
نفرت بھرا جنون!! وہ آسمان کی طرف دیکھتے چیختے

ہوے ہنساتھا

سگریٹ کے گہرے کش لیتا وہ ہنس رہا تھا۔ بے تحاشا
ہنس رہا تھا۔

حیدر خان اور زر مش کے جانے بعد حاکم خان اپنے
کمرے میں گھپ اندھیرا کیے راکنگ چٹیر پر جھولتے
ہوئے سلکار سگائے لبوں سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کی
آنکھوں سے بہتے آنسو اس وقت اس کے عارض پر گر

رہے تھے۔

کپکپاتے لب صرف رائینہ ہی پکار رہے تھے۔ وہ
مستسل اس ایک نام کا ورد کیے ہوئے تھا۔

بیس سالوں سے وہ اک آگ میں جل رہا تھا۔ عشق کی
آگ جو اس کے وجود کو کرچی کرچی کیے ہوئے تھی۔
یادوں کے دیپ جلتے اسے بیس سال پیچھے اس رات

میں لے گئے تھے جب وہ اسے اندھیری برستی بارش
دلہن کے لباس میں اپنے بنگلے واپس لے کر آیا تھا۔

حاکم خان نے رائینہ خان کو اپنی بے رحم قربت سے
آزاد کیا وہ سسکتے ہوئے کمبل خود پر لیٹے رخ پلٹ گئی
تھی۔ حاکم خان نے اٹھ کر بیٹھتے سائیڈ ڈرار سے

سگریٹ کیس اور لایٹر نکالتے لبوں میں دبایا۔
وہ اپوے وجود کو ڈھانپتے سگریٹ کے کش لینے لگا۔
وہ اس وقت گرے ٹراؤزر میں ملبوس شرٹ لیس تھا۔
حاکم خان نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے رائیہ خان پر
ایک نگاہ ڈالی۔ وہ کمبل میں دہکی ابھی بھی سسکیاں بھر
رہی تھیں۔ حاکم خان نے لب بھینچتے اس کی سسکیاں

سنی تھیں جو اسے بے چین کر رہی تھیں۔ حاکم خان نے
اشتعال سے سگریٹ زمین پر پھینکتے اس کے کندھے پر
ہاتھ رکھتے اسے ایک جھٹکے سے سیدھا کیا۔

اس کا زرد متورم چہرہ دیکھ کر حاکم خان کے دل کو کچھ
ہوا تھا۔ رورو کر اس کی آنکھیں متورم تھیں۔ چہرہ بے
حد زرد ہو رہا تھا۔ لبوں پر اس کا قہر برپا تھا۔ جو اس کی

شدت سے خون چھلکارہے تھے۔ حاکم خان نے تڑپتے
ہوے اس کے لبوں پر اپنی زبان کا مرہم رکھا۔ رائینہ
خان کا نازک وجود شدت سے کپکپانے لگا تھا۔ حاکم
خان اس کے اوپر آتے نرمی سے اس کے چہرے کے
ایک ایک نقوش پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔ رائینہ خان
اپنی آنکھیں میچے ہوئے تھی۔

کچھ دیر پہلے اس کی جنونی قربت سے اس کا نازک بدن
لرز رہا تھا۔ حاکم خان کے لمس سے جتنا خوف محسوس ہو
رہا تھا۔ اتنی ہی نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

حاکم خان کے لب اس کے پورے وجود پر بے حد نرمی
سے سرایت کر رہے تھے۔ جہاں جہاں اس نے اپنی
جنون خیزیاں رقم کی تھیں۔ وہاں وہ اپنی زبان کا گیلیا

مرہم رکھ رہا تھا۔

رائینہ خان ساکت سی اب چھت کو دیکھ رہی تھی۔

حاکم خان اوپر سے نیچے اس کے ٹھنڈے بدن کو اپنے

گیلے لمس سے دہکانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ حاکم خان

کے لب اب اس کے نازک پیروں پر اپنا لمس بکھیر

رہے تھے۔ وہ بہت بار اس کے پیروں میں جھکتے اس

کے پیروں کو ہاتھ لگاتے شوز پہناتا تھا۔

اسی فریب میں تو وہ آئی تھی۔ پہاڑوں سے بھی بارعب

عالیشان مرد اس کے پیروں میں جھکتا تھا۔ اسی فریب

نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا؟؟۔ رائینہ خان کی

آنکھوں سے گرم سیال بہتا اس کے چہرے کو جھلسا رہا

تھا۔ یہ پرکشش سحر انگیز مرد ابھی بھی اس کے پیروں

پر جھکے اپنا لمس عطا کرتے اس پر باور کروا رہا تھا کہ وہ اس
کے لیے کتنی معتبر ہے۔ مگر رائینہ خان کو اپنا وجود
صرف ایک کھلونا لگ رہا تھا۔
حاکم خان کا لمس زہریلے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہو
رہا تھا۔

حاکم خان اسے بے حد نرمی سے چومتا نیچے سے اوپر

آتے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا۔
آج پتہ چلا مرد اپنی من پسند عورت کے آگے کیوں
جھکتا ہے۔؟؟ جس عورت سے عشق ہو اس سے اپنی
اپنی طلب پوری کر کے بھی وہ پیاسا ہی رہتا ہے۔ وہ
گھمبیر آواز میں بولتے اس کے اس کی متورم آنکھوں پر
باری باری لب رکھ گیا۔

یہ کیسی پیاس ہے رائینہ جو بجھ نہیں رہی؟؟ یہ کیسی
آگ ہے رائینہ جو دہکتی جا رہی ہے۔ یہ میں کن عذابوں
سے گزر رہا ہوں رائینہ جو تمہارے لبوں سے کسی غیر
مرد کا نام سنتے میں مر رہا ہوں۔ وہ بھاری آواز میں
بولتے رائینہ خان کے عارض نر می سے انگلیوں سے
سہلا رہا تھا۔

عون!! رائینہ آہستگی سے عون کا نام دہراتے ہوئے
آنکھیں میچ گئی تھی۔ اس کے لبوں سے عون کا نام سنتے
حاکم خان کا پورا وجود شعلوں کی مانند دہکا تھا۔
عون۔۔۔ عون۔۔۔ عون۔۔۔ وہ مسلسل آنکھیں میچے
عون کا نام دہرائے جا رہی تھی۔ وہ اسے افیت دے
رہی تھی اور وہ جانتے بوجھتے افیت محسوس کر رہا تھا۔

حاکم خان نے اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے اس
کے لبوں پر جھکے اپنے دانت گاڑھے۔ رائینہ خان کے
لبوں سے سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔

حاکم خان اس کے لبوں پر قہر ڈھا کر پیچھے ہوا اس کے
نچلے لب پر اس کی شدت کا گہرا کٹ تھا۔ وہاں ننھی ننھی
خون کی بوندیں آن ٹھہریں تھیں۔

وہ آنکھیں میچے بیڈ شیٹ اپنی مٹھیوں میں جکڑے اپنی
سسکیوں پر قابو پائے ہوئے تھی۔ حاکم خان لب بھینچے
اظطرابی انداز میں اس کے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا وہ اس
کے اوپر سے تیزی سے اٹھتا کمرے کے دروازے کی
طرف بڑھا۔

عون خانزادہ!! عون خانزادہ!! اس کے لبوں سے عون

کانام پھر سے سنتے حاکم خان نے مٹھیاں بھینچتے اپنے
اندراٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ حاکم
خان کی آنکھوں میں خون کی لالی گہری ہوئی تھی۔ وہ
مسلسل اس کی غیرت کو جیسے لٹکا رہی تھی۔ وہ روتی
پیٹتی اسے گالیاں دیتی وہ برداشت کر لیتا۔ مگر وہ مسلسل
اپنے منگیتر کا نام لے رہی تھی۔ جو حاکم خان کی غیرت

اور مردانہ آنا پر کاری وار ثابت ہو رہی تھی۔ یہ عورت
اس کا عشق تھی اگر وہ اس کا عشق نہ بھی ہوتی اس کی
عزت تو تھی وہ پھر بھی اس کے لبوں سے کسی غیر مرد کا
نام نہ سن سکتا تھا۔ مگر یہاں تو وہ اس عورت سے جنونی
عشق کر بیٹھا تھا وہ اس کے لبوں سے عون خانزادہ کا نام
سن کر جس آگ سے گزر رہا تھا یہ وہ وہی جانتا تھا۔ کچھ

دیر پہلے وہ اس عون خانزادہ کی رکھیل بننے کا کہہ چکی
تھی۔ اب مسلسل اپنے لبوں سے اس مرد کا نام دہرا
رہی تھی جو اس سے عشق کرتا تھا۔

حاکم خان اپنی مٹھیاں بھینچے خود پر ضبط کرتا باہر کی طرف
بڑھا۔ وہ مزید اس نازک وجود کو سزا نہیں دے سکتا تھا
نہ وہ سزا سہنے کے قابل تھی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ اس

عورت سے وہ عشق نہ کرتا ہوتا وہ اس کو دوسرا سانس
لینے کا موقع نہ دیتا۔ وہ اس کے لبوں سے کسی غیر مرد کا
نام سنتے اس کی سانسیں بے رحمی سے گھونٹ دیتا۔ وہ
سر جھٹکتے دروازے کی طرف بڑھا۔

کیسے غیرت مند مرد ہیں آپ حاکم خان؟! ہم پٹھانوں
میں مرد کہاں اپنی عورت کے لبوں سے کسی غیر مرد کا

نام سن سکتا ہے؟؟۔ وہ بھی اس مرد کا نام جو اس عورت
کا سابقہ منگیترا عاشق رہ چکا ہو۔ وہ استھرائیہ انداز میں
بولتے بیڈ پر پڑے سنگل کمبل کو اچھی طرح خود پر لپیٹتے
بیڈ سے اٹھی تھی۔ حاکم خان کی شدتیں سہتے اس کی
ٹانگوں میں سکت نہ تھی کہ وہ اپ دو قدم بھی چل بھی
سکتی۔ پورے وجود میں درد کی کھیسیں اٹھ رہی تھی۔

جیسے بھاری چٹان یا کسی ٹرک نے اس کا وجود چل دیا
ہو۔

وہ چکرائے وجود کے ساتھ لرزتے کھڑی تھی۔
تم ہی بتادو پھر اپنی عورت کے لبوں سے کسی غیر مرد کا
نام سنتے پٹھان مرد کیا کرتے ہیں؟؟ حاکم خان نے اس
کے کپکپاتے وجود کو اشتعال بھری نگاہوں سے گھورا۔

موت دے دیتے ہیں۔ اپنی پسل کی تمام گولیاں اپنی
عورت کے سینے میں اتار دیتے ہیں۔ وہ حاکم خان کی
طرف دیکھتے استہزائیہ ہنسی تھی۔
حاکم خان خود پر قابو پاتے اسے سرخ آنکھوں سے گھور
رہا تھا۔

کس موڑ پر لے آئے ہیں آپ مجھے کہ موت سے بھی

ڈر نہیں لگ رہا حاکم خان!!! اسی زندگی کے خوف سے
عمون خان زادہ کہ جھوڑ کر آپ کے پاس آئی تھی۔ آج
آپ کو ہی موت دینے کو کہہ رہی ہوں۔ وہ درد و کرب
سے حاکم خان کی طرف دیکھتے بہتے آنسوؤں سے
مسکرائی تھی۔

اس کی بات پر حاکم خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر

معدوم ہوئی تھی۔

خدا کا ڈر ہے مجھے ورنہ خود کی جان ضرور لے لیتی۔ دادا
جان کہتے ہیں زندگی خدا کی امانت ہے۔ اسے ہم کسی
صورت چھین نہیں سکتے۔ چاہے جتنی بھی تکلیفیں آ
جائیں۔ وہ کبیر خان کے لفظ یاد کرتے شدت سے رو دی
تھی۔

نہیں دادا نہیں بابا جان کہتے ہیں۔ میرے بابا کبیر خان
ہیں۔ لالا بابا نہیں ہوتے یہ لالانے ثابت کیا ہے۔ وہ
مجھے اپنی بندوق سے مار رہے تھے۔ اب میں لالا کو کبھی
بابا نہیں کہوں گی۔ جتنا بھی مناسب گے کبھی بابا نہیں
کہوں گی۔ میں صرف اپنے بابا کو بابا کہوں گی۔ رائینہ
خان فارس خان کو یاد کرتے اب شدت سے رو رہی

تھی۔

میں سب ٹھیک کر دوں گا راینہ میری جان!! میں
تمہارے بابا لالا کو منالوں گا۔ حاکم خان اس کی طرف
بڑھتے اس کے کپکپاتے وجود کو نرمی سے تھام گیا۔
کیسے کیسے حاکم خان؟؟ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس نے حاکم
خان کی طرف دیکھتے ہچکی بھری تھی۔

آپ نے تو کہا تھا نکاح کا رشتہ پاک ہوتا ہے۔ جب آپ
مجھ سے نکاح کریں گے تو کسی کو کوئی اعتراض ہی نہ ہوگا
مگر وہاں تو سب مجھے زندہ زمین میں دفنانا چاہتے تھے۔
کیوں جھوٹ بولا مجھ سے؟؟ کیوں نہیں بتایا نکاح کا
رشتہ تب تک پاک نہیں ہوتا۔ جب تک اس میں لڑکی
کے ولی اس کے باپ لالا کی رضامندی شامل نہ ہو۔ وہ

حاکم خان کے سینے پر ہاتھ رکھتے رو پڑی تھی۔ لمبل
زمین بوس ہوا تھا۔ اپنی حالت دیکھتے وہ چکراتے ہوئے
حاکم خان کے سینے میں سمائی تھی۔ حاکم خان جھکتے
ہوئے کمبل اٹھاتے ہوئے اپنے اور اس کے گرد اوڑھ
کیا تھا۔

وہ روتے ہوئے گلابی آنکھوں سے اسے ہچکیاں بھرتے

ہوے دیکھ رہی تھی۔

کیوں کیا مجھ پر یہ ظلم؟؟ بچپن سے جس نے جو کہا وہ مان
لیا۔ لالانے کہا تم میری بیٹی ہو مان لیا کہ رائینہ، فارس
خان کی بیٹی ہے۔ بڑے ہونے پر پتہ چلا میرے بابا کبیر
خان ہیں یہ بات بھی مان لی۔ اب لالا اور بابا کہتے ہیں
میں ان کی بیٹی نہیں۔ وہ رورہی تھی بلکہ رہی تھی۔

ایشال نے کہا رائینہ تم بہت معصوم ہو۔ یہ بات بھی مان
لی۔ اب وہ کہتی ہے تم شاطر ہو۔ عون نے کہا وہ نکاح
کے بعد مجھ پر میری سانسیں تنگ کرے گا کیونکہ وہ مجھ
سے نفرت کرتا ہے۔ یہ بات بھی مان لی۔ اب المیر کہتا
ہے عون مجھ جیسی بے وفا عورت سے عشق کرتا ہے۔
آپ نے کہا کہ آپ مجھ سے عشق کرتے ہیں وہ بھی مان

لیا۔ پھر آپ نے کہا آپ میری خوبصورتی پر مر مٹے۔
ایشال کہتی ہے آپ نے مجھ سے بدلہ لیا۔ کیا سچ ہے
بتائیں مجھے کس کا یقین کروں؟؟ میرا دل کر رہا ہے آپ
پر یقین کروں۔ بھول جاؤں جو کچھ ہوا۔ مگر ناپاک وجود
غلیظ وجود وہ گالیاں وہ طعنے مجھے ابھی بھی سنائی دے رہی
ہیں حاکم خان!!! وہ چغیں ایشال کی سسکیاں سنائی دے

رہی ہیں مجھے حاکم خان!! وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے
بلک رہی تھی چیخ رہی تھی تڑپ رہی تھی ہڈیاں ہورہی
تھی۔۔ حاکم خان اسے خود میں نرمی سے بھینچ گیا۔

میرے بابا میرے دادا جان کی جھکی آنکھیں مجھے مار رہی
ہیں حاکم خان!! میرے آری کی نفرت مجھے کاٹ رہی
ہے حاکم خان!! میرے دادا جان کا گڑ گڑانا مجھے بے

موت مار رہا ہے۔ جب وہ میرے بابا جان کے آگے
میری زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے حاکم خان۔ وہ
اس کے سینے میں سمائے ہدیائی چنچ رہی تھی۔ حاکم خان
کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ اب سخی سے اسے خود میں بھینچ
کیا تھا۔

جا کہ بتائیں فارس خان کو میں انھیں ہی بابا کہوں گی۔ وہ

میرے بابا صرف وہ ہیں۔ ایشال میری بہن ہے۔ میں
صرف اپنے آری کی پھوپھو ہوں۔ کبیر خان کو بتائیں وہ
میرے دادا ہی رہیں گے۔ نہیں کہوں گی انھیں بابا!!
چاہے وہ جتنی مرضی محبت کر لیں مجھ سے۔ خدا کے
لیے حاکم خان مجھے سب کچھ لوٹا دیں۔ مجھے لے چلیں
میری حویلی!! مجھے لے چلیں میری ایشال کے پاس۔

اس کی سسکیاں مجھے مار ڈالیں گی۔ وہ شدت سے روتے
ہوئے چیخی تھی۔

میں لے تسمیں لے چلوں گا میری جان!! میری
زندگی!! وہ نرمی سے اس کے کندھے چومتے بول رہا
تھا۔

آپ جھوٹے ہیں حاکم خان!! آپ ایک فریب ہیں

جس کے جھانسنے میں آکر میں نے سب کچھ تباہ کر دیا۔
طلاق دے دیں مجھے خدا کا واسطہ ہے۔ مجھے عون کے
پاس جانے دیں۔ وہ مجھے اپنائے گا تو سب مجھے معاف کر
دیں گے۔ رائینہ خان کے لبوں سے عون کا نام سنتے
حاکم خان کی آنکھوں میں پھر سے سرخی چھائی تھی۔
دیں طلاق مجھے اگر آپ ایک پٹھان مرد ہیں تو ورنہ میں

آپ کے نکاح میں ہوتے بھاگ کر اس عون کے پاس
چلی جاؤں گی جو ذلت میرے گھر والوں کو سہنی پڑی
وہ آپ کو سہنی پڑے گی۔ وہ بلکتے ہوئے چیختی تھی۔
اب تم نے مزید بکواس کی تمھاری بوٹی بوٹی کر کے چیل
کوؤں کو کھلا دوں گا راتینہ حاکم خان!! حاکم خان اس کی
کردن دبوچ گیا تھا۔ کمبل زمین بوس ہوا تھا۔

عشق کرتا ہوں تم سے تمھاری ہر بات سہ لوں گا مگر
بغیرت نہیں بنوں گا کہ تم عون عون پکارو گی میں ہر بار
تمھارے لبوں کو صرف سزا دوں گا۔ موت مانگ رہی
تھی مجھ سے! دوں گا موت تمہیں مگر ایسی کہ روح
کانپ جائے گی تمھاری۔ وہ اس کی گردن بے رحمی
سے دبوچتے غرایا۔ وہ اس کی گرفت میں بشکل سانس

لے پار ہی تھی۔ حاکم خان بے رحم بنا کی اس کی سانسیں
کھینچ رہا تھا۔ وہ مزید عوں کا نام برداشت نہیں کر سکتا
تھا۔ جو اسے ایسی افیت دے رہے تھے جس کا کوئی
مد اوہ نہ تھا۔ ستر گنا زیادہ تپش لیے وہ بھڑکیلی آگ میں
وہ جل رہا تھا جیسے !!

تمہیں چھوڑوں گا یا طلاق دوں گا یہ بھول جاؤ تم اب !!

اور تم اس کمرے سے بھی میری اجازت کے بغیر نہیں
نکل سکتی۔ یہ فارس خان کی حویلی نہیں جہاں سے تم
آسانی سے نکل آئی۔ یہ حاکم خان کی پناہیں ہیں اس کی
حویلی!! یہاں سے تم ایک قدم باہر نہیں نکال سکتی۔
زندہ رہو گی میری بن کر! تمہارے بغیر اب حاکم خان
سانس لینے کا بھی نہیں سوچ سکتا۔ مگر حاکم خان کے

زندہ رہتے ہوئے تم پر کسی کی ایک نگاہ پڑ جائے یہ موت
سے زیادہ تکلیف دہ ہے میرے لیے۔۔ وہ عون اب تا
قیامت تک تمہارا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اب بلکہ دنیا کا کوئی
مرد تمہاری پرچھائی تک نہیں دیکھ سکتا سمجھی تم۔ وہ
اس کی گردن چھوڑتے غرایا تھا۔
وہ اسی لمحے اپنے ہوش کھوتے زمین بوس ہوئی تھی۔

رائینہ!! حاکم خان اسے زمین پر گرتا دیکھتے بدحواس
ہوتے اسے تھام گیا تھا۔

حاکم خان نے اس کے بیہوش وجود کو اپنی بانہوں میں
تھامتے بیڈ پر جلدی سے لٹایا۔

اس کے برہنہ وجود پر کمبل اوڑھاتے حاکم خان نے
جبرے بھینچتے سرخ آنکھوں سے اسے بے بسی سے

دیکھا۔

حاکم خان کی آنکھوں میں سرخی کی شدت کے ساتھ نمی
بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ تو اسے پہلی ملاقات میں بے حد
پیاری لگی تھی اس کی معصومیت دل پر وار کر چکی تھی۔
ایشال خان تو اٹریکشن تھی۔ عشق تو رائینہ خان سے ہوا
تھا۔ 33 سال تک وہ اسی عشق کی تلاش میں گھاٹ

گھاٹ کا پانی پیتا رہا مگر کوئی عورت دل کو نہ بھاسکی۔
ایشال کی ضد طنطنہ اس کے قریب لے کر گئی تھی۔ مگر
رائینہ کی خوبصورتی پہلی نظر میں ہی دل کو عجب سے
طریقے سے چھو گئی تھی

اور اب ان کچھ گھنٹوں میں اس پر باور ہو گیا تھا وہ اس
کے لیے کیا معنی رکھتی ہے؟؟۔ اب وہ کیسے اسے جانے

دے سکتا تھا۔ اگر اس کے گھراوالے سے اپنا لیتے تو وہ
شاید اسے جانے دے دیتا۔ مگر اسے کوئی نہیں اپنائے گا
وہ جانتا تھا۔ مرد کی فطرت وہ اچھی طرح جانتا تھا چاہے
وہ بھائی ہو باپ ہو یا پھر عاشق وہ اپنی عزت پر سمجھوتا
نہیں کرتا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے مگر اس عورت پر
رحم نہیں کھاتا۔

وہ عیون کے پاس جانے کی بات کر رہی تھی۔ عیون
خانزادہ بدلے کی آگ لیے اب اس نازک معصوم وجود
کو صرف برباد ہی کر سکتا تھا کوئی اب اسے آباد کرے یا
بر باد وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا بھلا؟۔ کوئی اسے
سوچے بھی کہاں گوارا تھا اب؟ وہ اس پر جھکا اسے گہری
نم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ حاکم خان کی آنکھوں سے

آنسو اس کے زرد چہرے پر گرے تھے۔
عشق کرنے کا خواشمند مرد آج عشق کی اذیتوں سے
اچھی طرح واقف ہو چکا تھا کہ بدلہ لینے والا کم ظرف
مرد اتنا خود غرض اور ظالم نہیں ہوتا۔ جتنا عشق کرنے
والا مرد ظالم اور خود غرض ہوتا ہے۔ وہ رورہا تھا بے
تحاشا رورہا تھا۔

وہ جانتا تھا یہ معصوم نازک وجود اب اس کی قید اس کی
پناہوں میں پھڑپھڑا کر زخمی ہو جائے گا۔ مگر کبھی اس
کی پناہوں سے رہائی حاصل نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ
حاکم خان رائینہ خان کے بچے کچھ پرکاٹ دینے کا ارادہ
رکھتا تھا۔ اس معصوم وجود کے وہ نازک زخمی پر تھس
نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے وہ اڑان بھرتے اس سے

دور جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

حاکم خان لاونج کے صوفے پر بیٹھا سگریٹ جلائے اس
کا سلگتا دھواں اپنے اندر اتار رہا تھا۔ دوسری رات
شروع ہو چکی تھی۔ اسے ہوش آچکا تھا مگر وہ کچھ بھی

کھانے پینے کو تیار نہ تھی۔۔ مجبوراً اسے لیڈی ڈاکٹر کو بلوا
کر اسے ڈرپ لگوانی پڑی تھی۔

وہ ابھی بھی ہوش و خرد سے بیگانہ اندر پڑی تھی اور وہ
کل سے بنا کچھ کھائے سگریٹ پر سگریٹ پی رہا تھا۔ کل
کی طرح آج بھی بارش زوروں پر تھی۔
وہ اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا مگر افیت یہ تھی کہ وہ سوچ رہا

تھا اگر وہ سب یہ نہ کرتا تو رائینہ خان اس کا نصیب کیسے
بنتی؟؟ وہ یہ سوچ کر ہی جل اٹھتا مراٹھتا تھا آج وہ اس
کے پاس نہ ہوتی تو اس عوں خانزادہ کے پاس اس کی
بانہوں میں ہوتی۔

آہہ! حاکم خان سیدھے ہوتے چیختے ہوئے ایش ٹراٹھا
کر سامنے لگی وال مرر پر مارتے ہوئے اپنے گھنے بالوں

کو مٹھیوں میں بے دردی سے جکڑ گیا۔

اسی اثناء میں حاکم خان کا بہت ہی وفادار پرستل گارڈ

فیاض خان اندر داخل ہوا تھا۔

تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟؟ حاکم خان نے خود

پر قابو پاتے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سرد

لہجے میں پوچھا۔

فیاض خان اس وقت مکمل طور پر بھیگا ہوا تھا۔

خان صاحب!! سننے میں آیا ہے فارس خان اور بی بی کی
بہن نے خودکشی کر لی ہے۔

یہ کیا کہہ رہے ہو؟؟ فیاض خان کی خبر پر وہ شاکڈ ہوا
صوفے سے اٹھا تھا۔

جی خان صاحب! یہ خبر سچ ہے بی بی جی کی حویلی میں دو

موتیں نہیں چار موتیں ہوئی ہیں۔

چار اموات کس کی؟؟ حاکم خان کے لب بے آواز
پھڑ پھڑائے تھے۔

کبیر خان اور شاید اس کے دس سالہ پوتے آریان
خانزادہ کی۔ سننے میں آیا ہے فارس خان کے بیٹے کی
موت ہوئی ہے۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا!! فیاض خان

کے لفظ سنتے حاکم خان کے قدم لڑ کھڑائے تھے۔
وہ گہرے سانس لیتا صوفے پر بیٹھتے اپنی قمیض کے بٹن
کھولنے لگا۔ سانس جیسے بند ہوئی تھی۔

میری بات سنو!! آج کے بعد میرے بنگلے میں اس
بات کا ذکر نہیں ہوگا۔ کسی صورت ذکر نہیں ہوگا۔ اس
بنگلے کے اندر اب کوئی داخل نہیں ہوگا۔ آج کے بعد تم

بھی میری اجازت کے بغیر اندر نہیں آؤ گے۔ حاکم
خان صوفے سے اٹھتے ہوئے سرد سپاٹ لہجے میں
غرایا۔

جی خان صاحب! وہ مودبانہ انداز میں سر جھکائے بولا
تھا۔

ایک عورت کا بندوبست کرو بلکہ دو عورتوں کا بندوبست

کروجن کا تعلق سوات سے نہ ہو۔ وہ پرویشٹنل گارڈز

ہوں ویل ٹرینڈ ہوں۔ جب میں یہاں نہ ہوں وہ

چو پیس گھنٹے بی بی جی کی حفاظت کر سکیں۔ کل تک

بند و بست ہو جانا چاہیے۔۔ حاکم خان کے حکم پر وہ سر

ہلاتا چل گیا تھا۔

حاکم خان نے گہرا سانس لیتے اپنے کمرے کے بند

دروازے کو دیکھا۔ حاکم خان کی پیشانی غرق آلود ہوئی
تھی۔

وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے اپنا سر ہاتھوں
میں تھام گیا تھا۔

رائینہ خان کو وہ کسی قیمت پر خود سے دور نہیں کر سکتا
تھا۔ اب تو دل شدت سے لرز نے لگا تھا۔ وہ اسے کھو

دے گا۔ اسے ذرا بھی خبر ہو گئی وہ اپنے تمام رشتوں کو
کھو چکی ہے۔ وہ یہ سن کر شاید اپنی سانسیں کھو دیتی۔
حاکم خان کو وہ ہمیشہ اپنے پاس چاہیے تھی۔ وہ اس کے
بغیر اب جی نہیں سکتا تھا۔

حال

حاکم خان رانگ چٹیر پر جھولتے آج بھی رو رہا تھا۔ اس
کے آنسوؤں کے رازدار یہ اندھیرا اور اس کی تنہائی تھی

وہ آج بھی اس معصوم سی راینہ خان کو بھولانہ تھا۔
جس معصوم سی راینہ خان کا اس نے قتل کر دیا تھا۔
راینہ خان! وہ دل پر ہاتھ رکھے چیخ رہا تھا رو رہا تھا۔

باہر کھڑی رقیہ خانم حاکم خان کی چیخو پکار میں رائینہ
خان کا نام سننے کرب سے آنکھیں میچ گئی تھیں۔ بیس
سالوں سے وہ یہ نام سننے آرہی تھیں۔ نہ صرف اس نام
سے بلکہ اس خوبصورت چہرے سے بھی رقیہ خانم کو
نفرت تھی۔ جب اسے حاکم خان کے ساتھ حویلی کی
انیکسی میں دیکھا تھا۔

جو حاکم خان اس کے قریب مہینوں بعد آتے احسان کرتے کچھ ہی دیر میں اپنی ضرورت پوری کرتے اپنا رخ پلٹ لیتا تھا۔ وہ کسی دوسری عورت کے لیے اتنا جنونی تھا۔ اپنے شوہر کی قربت اس کی بانہوں میں رقیہ خانم نے اپنی آنکھوں سے اس عورت کو برہنہ دیکھا تھا۔ حاکم خان پاگلوں کی طرح اس عورت کو اوپر سے

نیچے چوم رہا تھا۔ اپنی محبت کا دیوانہ وار اظہار کرتے
گڑ گڑا رہا تھا۔ اس کے پیروں تک کو وہ عقیدت سے
چوم رہا تھا۔

وہ چپکے سے انیکسی کا دروازہ ایکسٹرا چابی سے کھولتے اندر
داخل ہوئی تھی۔ جوانہوں نے اس اندھیرے میں
کھڑکی سے دیکھا تھا وہ آج بھی انھیں سونے نہیں دیتا

تھا۔ حاکم خان رابینہ خان پر مرتا تھا جان دیتا تھا۔ وہ
پاگل تھا رابینہ خان کے لیے۔ حاکم خان جنونی انداز
میں اس عورت پر شدتیں ڈھارہا تھا۔ وہ تو باہر کھڑے
ٹائم ہی گنتی رہی تھی۔ قربت کی گھڑیوں میں حاکم خان
کا کچھ لمحوں کا وقت ملتا تھا اور اس عورت کے پاس حاکم
خان کا وقت ٹھہر سا گیا تھا۔

حاکم خان کا ایک ایک لفظ اس رائینہ خان کی سسکیاں
رقیہ خانم کا وجود جلا گئی تھی۔ وہ رات وہ یاد نہیں کر پاتی
تھی۔ وہ اپنے شوہر کے روائس کی آخری حد دیکھتے چپکے
سے وہاں سے چلی آئی تھی۔

مگر رقیہ خانم آج تک سمجھ نہیں پائی تھیں حاکم خان
جس عورت کے لیے اتنا جنونی تھا اتنا پاگل تھا اسے اس

حویلی میں آخر نو کرانی بنا کر کیوں لایا تھا۔

حاکم خان جیسا نڈر مضبوط انسان جو کسی سے ڈرتا نہیں

تھا وہ رائے خان کو نو کرانی بنا کر کیوں لایا؟! وہ چھپ

چھپ کر ہر رات اور دن کا بھی بیشتر حصہ رائینہ کے

ساتھ کیوں گزارتا تھا؟!۔ وہ آج تک یہ راز جان نہ

سکی تھی جس عورت کے لیے حاکم خان نے اپنی جوانی

تن تنہا گزار دی۔ ان بیس سالوں میں اپنی ضرورت ان
سے بھی پوری نہیں کی اس عورت کو وہ سر عام اپنا نام
کیوں نہ دے سکا تھا۔ وہ نہ تب ان کی حاکم خان کے
نزدیک وقعت تھی نہ آج!! زر مش سے نفرت اور
رائینہ خان سے اپنا رشتہ چھپانا وہ آج تک سمجھ نہ پائی
تھی۔

رقیہ خانم وہ قیامت رات یاد کرتے اپنے آنسو بے دردی
سے صاف کرتے اپنا بھاری بھر کم وجود سنبھالتے وہاں
سے چلی گئی تھی۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 12

چھ مہینے بعد!!

شہرام خانزادہ نے اپنے آفس میں اپنے سامنے بیٹھی
زر مش کو دیکھا تھا۔ جو آف وایت سوٹ میں اس کے

سامنے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔
شہرام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی پچھلے گردن
سہلائی۔

اس کے ہاسپٹل میں تمام ڈاکٹر زویل ایجوکیٹڈ
ایکسپریسینڈ تھے۔ فرشتے کی بھرپور سفارش پر اسے
اپنے ہسپتال میں زر مش کو ہائر کرنا پڑ رہا تھا۔ جس

کی mbbs کی ڈگری کمپلیٹ ہونے میں ڈھائی
سال رہتے تھے۔ وہ اس وقت نرس کے لیے بھی
eligible نہ تھی۔ وہ اسے کیا پوسٹ دے شہرام
خان کو سمجھ ہی نہیں پارہا تھا۔ فرشتے کی پر زور سفارش
پر آج زر مش اس کے سامنے آفس میں بیٹھی تھی۔
فرشتے سے ہی اسے پتہ چلا تھا کہ حیدر خان زر مش کو

اس کی ڈگری کمپلیٹ نہیں کرنے دے رہا۔ حیدر
خان ایسا کیوں چاہتا تھا؟؟۔ شہرام خان سمجھتا تھا۔
زر مش کی گمشدگی کے متعلق وہ جانتا تھا۔ حیدر خان
اپنی بہن کو لے کر بہت لمبی ہو رہا تھا یہ سب کچھ
فرشتے سے اسے معلوم ہوا تھا۔ زر مش کو حیدر خان
گھر سے باہر نکلنے نہیں دے رہا تھا۔ ان پانچ مہینوں

میں زر مش جس ٹروما میں تھی۔۔ وہ ابھی تک نکل
نہیں پائی تھی۔

وہ راتوں کو اٹھ کراٹھ کر ڈرجاتی تھی۔ کسی سے بات
نہیں کرتی تھی۔ زر مش کے سیشن ہو رہے تھے۔
زر مش کے ڈاکٹر کے مطابق اس کا باہر نکلنا لوگوں

سے ملنا ضروری تھا۔ ورنہ وہ وہ اس phase سے
کبھی نکل نہیں پائے گی۔

ٹھیک ہے مس زر مش!! آپ آج سے ڈاکٹر ماہین کو
اسسٹ کریں گی۔ مگر آپ lab coat نہیں پہنے
گی۔ نہ آپ کو یہاں ڈاکٹر کہہ کر پکارا جائے گا۔ آپ
صرف ڈاکٹر ماہین کی اسسٹنٹ ہوں گی۔ آپ کسی بھی

پیشنت کا چیک اپ نہیں کریں گی۔ جو ڈاکٹر ماہین
بولیں گی وہ آپ کریں گی! سمجھیں آپ ہاوس جاب
کر رہی ہیں۔ آپ تمام سینئر ڈاکٹرز کی نگرانی میں ہر
کام کریں گی۔ ہر ایک بات کی ان سے پرمیشن لیں گی
اذاٹ کلیر!! شہرام خان نے جبرے بھینچتے بمشکل
خود پر قابو پایا۔ مگر چاہ کر بھی وہ اپنا لہجہ نرم نہ کر پایا

تھا۔ یہ سب اس کے اصولوں خلاف تھا۔ ہمدردی
سفارش سے اسے سخت نفرت تھی۔
زر مش نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا
او کے جائیں یہاں سے!! شہرام خان نے جھنجھلاتے
ہوئے غصے سے اپنے سامنے پڑی فائل اٹھا کر غصے سے
زمین پر پھینکی تھی۔

زر مش کرسی پر بری طرح اچھلی تھی۔ شہرام خان
نے اسے سر دنگا ہوں سے گھور کر دیکھا۔ وہ شہرام
خان کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے کرسی سے اٹھتی
کمرے سے نکل گئی تھی۔

شہرام خان نے لب بھینچتے کرسی سے ٹیک لگائی۔
حیدر خان کی اسے سمجھ نہیں آتی تھی پہلے رقیہ خانم کی

وجہ سے فرشتے کو اگنور کیا تھا۔ اب زر مش کو لے کر
اتنا ٹمچی ہونا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کیا اب وہ زر مش
کی وجہ سے فرشتے کو اگنور کرے گا؟!۔ شہرام خان
کرسی سے ٹیک لگائے جبرے بھینچتے سوچ رہا تھا۔
فرشتے کو لے کر شہرام خان بہت پریشان ہو رہا تھا۔ وہ
جب سے حیدر خان کے پاس گئی تھی۔ تب سے

صرف ایک مرتبہ ہی حویلی آئی تھی وہ بھی حیدر خان
اسے رات کو آکر لے گیا تھا۔ ارحام خانزادہ نے
فرشتے کے محلے سے سب کو دور رہنے کو کہا تھا۔ ورنہ
شہرام خان کو لگتا تھا اس حیدر خان سے اس کے سب
سے زیادہ حساب کتاب رہتے تھے۔

فون رنگنگ پر شہرام خان نے موبایل سکریں پر
فرشتے کا نمبر دیکھ جلدی سے کال رسیو کرتے کان
سے لگایا تھا۔

السلام علیکم ہنہ ° برہہ بی؟ شہرام کرسی سے ٹیک
لگائے پشتوں میں خوشگورایت سے بولا۔
ٹھیک ہوں لالا!!! فرشتے نے جواب کہا۔

لالا وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ ادھوری بات چھوڑتے خاموش ہو
گئی تھی۔

تمہارا کام ہو گیا ہے زر مش ہسپتال جو این کر سکتی
ہے۔ وہ اس کی خاموشی پر جلدی سے بولا تھا۔
تھینکیو لالا!!! فرشتے کی بات پر شہرام سیدھا ہوتے
مسکرایا تھا۔

دراب زراب کیسے ہیں؟؟ حیدر خان مکھارے ساتھ
ٹھیک ہے۔ شہرام خان نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
جی لالا!!! وہ آہستگی سے بولی تھی۔

ارحام لالا ادھر نہیں۔ مگر تمہارا شہرام لالا ادھر ہے۔
تم اکیلی نہیں ہو۔ اپنا خیال رکھنا۔ شہرام خان سنجیدگی
سے کہتے فون بند کر چکا تھا۔

شہرام خان کرسی سے ٹیک لگائے پیپروٹ کو گھماتے
ہوئے زر مش کے متعلق سوچتے ہوئے لب بھینچے
ہوئے تھا

در خزنئی خانزادہ بھاری قدموں سے عنایتیہ کے کمرے
میں داخل ہوا۔ وہ کمرے میں کہیں نہیں تھی۔

در خزنئی خانزادہ واش روم کی طرف بڑھا۔ لاک کھلا
ہونے کی وجہ سے اس نے ہینڈل پر دباؤ ڈالتے دروازہ
کھولا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

وہ مرر کے سامنے کھڑی باتھ روب گاؤن پہنے ہوئے

اپنے بال ڈرائیر سے خشک کر رہی تھی۔

در خزنئی نے اسے گہری گرم نگاہوں سے اوپر سے نیچے
تک دیکھا تھا۔ عنایتیہ کی نظر در خزنئی خانزادہ پر پڑی تو
اس کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ اسے گہری گرم
نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ عنایتیہ نے مرر میں در خزنئی
خانزادہ کا عکس دیکھا وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس

تھا۔

در خزنئی خانزادہ کو دیکھتے اپنی گالوں کی تپش پر قابو وہ
در خزنئی کی طرف بڑھتے اس کے کندھوں سے شال
اتارتے اپنے وجود پر لپیٹ گئی تھی۔ در خزنئی خانزادہ
نے اس کی حرکت پر اسے اشتعال بھری نگاہوں سے
گھورا۔

عنائیہ کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھتے وہ اسے
کلانی سے جکڑے دیوار میں پٹختے اس کے وجود سے
شال اتارتے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا۔
عنائیہ نے غصے سے سلگتے اسے خود سے دور کرنا چاہا
تھا۔ وہ اس کی کلاسیاں جکڑے دیوار کے ساتھ پین
کرتے اس کی گردن کو نرمی سے چومنے لگا۔ عنائیہ

کے گال دھک کر انار بولے تھے۔ بدن پر لرز اٹاری
ہوا تھا۔ اسے کلام آئے ہوئے نو مہینے ہوئے تھے۔ وہ
اسے مکمل اگنور کیے ہوئے تھا۔

اس کے پاس آنا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھتا تک
نہیں تھا۔ کتنی بار اس کی پیش قدمی پر بھی وہ اسے سختی
سے دھتکار چکا تھا۔ اپنا کمرہ الگ کیے اس سے دور رہتا

تھانہ اسے باہر جانے دیتا تھا۔
چھوڑیں مجھے در خزی!! عنائیہ نے اس کے چٹانی وجود
کو دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی۔
کیوں چھوڑوں؟؟ وہ اسے کندھوں سے جکڑتے
سلیب پر لٹاتے اس پر جھکتے اس کی کلاںیاں سختی سے
جکڑ گیا۔

آئندہ خود کو مجھ سے مت چھپانا۔ کمھارے
خوبصورت بدن تک رسائی حاصل ابھی نہیں کی مگر
یہ بدن بہت بار دیکھ چکا ہوں۔ اس لیے اس طرح کی
حرکتیں کر کے مجھے مجبور مت کرو میں تمہیں اپنی
پسندیدہ حالت میں لاتے ہوئے تمہیں اپنے سامنے
بٹھا کر گھنٹوں دیکھوں۔ در خزئی کی ذومعنی بے باک

بات پر عنایتِ سرخ گلاب ہوئی تھی۔

در خزنئی خانزادہ اس کے خوبصورت نقوش کو گہری
نگاہوں سے دیکھتے اس کی کلائیاں آزاد کرتے اس کے
اوپر سے اٹھتے اسے کمر سے جکڑے اپنے مقابل کھڑا
کر گیا۔ اب وہ نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ
کھڑی تھی۔

ابھی بہت کم عمر اور نازک ہو تم!! میری باتوں پر
تمھاری یہ حالت ہو جاتی ہے مجھے سہن نہیں کر سکو گی
تم!! میں تمھارے لیے نرم ہو سکتا ہوں مگر میری
شدتیں بہت جان لیوہ ہوں گی تمھارے لیے!! وہ
اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے سنجیدگی سے بولتے
دروازے کی طرف بڑھا۔

اٹھارہ سال کی ہونے والی ہوں۔ صرف دو مہینے رہ
کے در خزئی!! جب آپ کے نکاح میں آئی تھی تب
میں چھوٹی تھی مگر اب اتنی چھوٹی بھی نہیں۔ وہ
بولتے ہوئے در خزئی خانزادہ کے پلٹنے پر خاموش ہوئی
تھی۔

جانتا ہوں تمہاری عمر کتنی ہے؟؟ مجھے بتانے کی

ضرورت نہیں۔۔ تم پر رحم کھا رہا ہوں۔ شکر مناؤ تم!
میرے قریب آتے تمہارے لیے بہت مشکل ہو
جائے گی۔ در خزنئی کی بات پر اس نے اسے معتبج
نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ اس کے قریب کیوں نہیں
آتا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی۔

میں نے تمہارا یہاں کے کالج میں داخلہ کروا دیا

ہے۔۔ کل سے تم کالج جاؤ گی۔ در خزن کی بات پر اس
نے بے یقین ہوتے اسے دیکھا۔

مگر ایک بات یاد رکھنا مائی سوین!! وہ اس کی طرف
سر دنگا ہوں سے دیکھتے بڑھا۔

عنایتیہ نے اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے تھے۔

وہ اسے کمر سے تھام کر اپنے قریب کر گیا تھا۔ وہ اس

کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔

ایک چھوٹی سی غلطی پر بھی میں تمہارا وہ حال کروں گا
تم سوچ نہیں سکتی۔ تمہارے کالج کے باہر میرے
گارڈز چاروں اور ہوں گے۔ تمہیں کالج پک اینڈ
ڈراپ میں کروں گا۔ تب تک تم کالج سے باہر نہیں
آؤ گی جب تک میں تمہارے کالج تک نہ پہنچ جاؤں۔

وہ سرد لہجے میں بولتے اسے وارن کر رہا تھا۔

۔ اب سے یہ موبائل تمہارے استعمال میں رہے گا۔

در خزئی نے اپنی قمیض سے موبائل نکال کر اس کی

طرف بڑھایا۔

عنایتیہ نے حیرانگی سے وہ موبائل تھاما۔

در خزئی نے زمین سے گری ہوئی چادر اسے اچھی

طرح اوڑھائی۔ جس طرح میرے سامنے خود کو چھپا
رہی تھی۔ اب اچھی طرح پریکٹس کر لو یہ چادر باہر
بھی تمہارے وجود کو اسی طرح چھپائے گی۔ وہ
سنجیدگی سے کہتے واش روم سے نکل گیا تھا۔

زاویار خانزادہ کی بڑی سی جیپ کلام کی سڑکوں پر

رواں دواں تھی۔

وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس سیاہ گلاسز آنکھوں پر
لگائے ہوئے تھا۔ اتمش خانزادہ زاویہ خانزادہ کی بڑی
سی جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اتمش خانزادہ سفید شلوار
قمیض میں ملبوس تھا۔ وہ بھی سیاہ گلاسز آنکھوں پر
لگائے ہوئے تھا۔

آگے کا راستہ بے حد خطرناک تھا۔ جہاں سے بمشکل
ہی گاڑی گزر سکتی تھی۔ سڑک بے حد خطرناک تھی۔
جس کے ایک طرف گہری کھائی تھی۔
التمش خانزادہ کے لیے یہاں سے گاڑی نکالنا بائیں
ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ بڑی مہارت سے گاڑی نکال رہا
تھا۔

یکدم جیپ کے ساتھ پیچھے سے آتی گاڑی بری طرح
ہٹ ہوئی تھی۔

التمش خانزادہ سے جیپ کا کنٹرول چھوٹا تھا۔ زاویہ
خانزادہ کا سر بری طرح ڈیش بورڈ سے ٹکراتے
ٹکراتے بچا تھا۔ التمش ایک ہاتھ سے سٹیرنگ سے
گاڑی کنٹرول کرتے اپنا دوسرا ہاتھ ڈیش بورڈ پر رکھ

چکا تھا۔

خان آپ ٹھیک ہیں!!! التمش گاڑی کو سنبھالتے

بدحواس ہوا تھا۔

میں ٹھیک ہوں التمش!! گاڑی پر کنٹرول رکھو آگے

راستہ خطرناک ہے۔ زاویار خان زادہ نے کہتے پیچھے مڑ

کر دیکھا۔ پیچھے سے آتی گاڑی میں سے اب نسوانی

چینوں کی آواز آرہی تھی۔

پچھے سے آتی گاڑی کا آدھا حصہ کھائی میں لٹکا ہوا
تھا۔ گاڑی بری طرح ہل رہی تھی۔ زاویار خان زادہ نے
لب بھینچتے چینیں سنی تھیں۔

کیا کرنا ہے خان؟؟ اکیلی لڑکی ہی ہے اس گاڑی
میں!!! میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا غلطی ہوئی مجھ سے کہ

میں اگنور کر گیا۔ پتہ ہوتا رسک نہ لیتا خان۔ انتمش
خانزادہ کی بات پر زاویار خانزادہ کے چہرے کے
زواپے بگڑے تھے۔

کچھ نہیں کرنا مرنے دواسے! اس کی اتنی ہمت کہ یہ
کلام کی سڑکوں پر گاڑی لے کر نکل آئی۔ زاویار
خانزادہ کے لب بھینچے تھے۔

خان پتہ نہیں کوئی شہری لڑکی لگتی ہے۔ التمش نے
کہتے گاڑی سٹارٹ کی۔

Some body helpe me

!!please

عائش ملک نے گاڑی کے شیشے سے چہرہ باہر نکالتے
چیختے ہوئے کہا۔

خان مدد مانگ رہی ہے۔ ہم خانوں کو شیوہ نہیں دیتا
کہ ایک عورت ذات کو یوں راستے میں اکیلا چھوڑ دیں
اور آپ ہی کہتے ہیں۔ ایک عورت اپنے ساتھ کئی
مردوں کو دوزخ لے کر جاتی ہے۔ دوزخ ہو یا دنیا مگر
عورت ہے بڑی خطرناک خان!! اس اس ڈولتی لٹکتی
گاڑی میں بیٹھی یہ عورت پیچھے سے آنے والی گاڑیوں

کے کئی مردوں کو اپنے ساتھ کھائی میں لے جائے
گی۔ جیسے ہمیں بنا ٹکٹ کے اوپر پہنچا رہی تھی۔ التمش
خانزادہ نے زاویار خانزادہ کے سر دچہرے کو دیکھتے
زاویار کی سائیڈ سے نظر آتی کھائی کی طرف اشارہ کیا۔
چیخنے دوا سے ذرا تھوڑی دیر!!! اسے بے بسی محسوس
کرنے دو!!! موت کو ذرا قریب سے دیکھے گی تو آئندہ

کلام کی سڑک پر تو دور کی بات شہر کی سڑکوں پر بھی
گاڑی لے کر نکلتے ہوئے سو بار سوچے گی۔ زاویار
خانزادہ اطمینان سی کہتے سیٹ سے ٹیک لگائے
آنکھیں موند گیا۔

خان اتنی دیر میں گاڑی کھائی میں نہ جا کرے!!
التمش خانزادہ نے بھی کہتے زاویار خانزادہ کے انداز

میں سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔

"زر، رن، او، مکہ، خطرناک دی، یہ دوی، خہ
ان سائہ۔"

(زر رن زمین بہت خطرناک ہیں ان سے بچ کر رہنا)
زاویار نے التمش کی آواز میں پریشانی محسوس کرتے
آنکھیں موندے پشتو میں جواب دیا۔

خان میرے پاس تو صرف آپ ہیں اور مجھے کچھ نہیں
چاہیے۔ التمش خانزادہ نے کہتے اپنی ہلکی گھنی بیرو ڈپر
ہاتھ پھیرا تھا۔

یو بلڈی باسٹرڈ!! گاڑی روکے ہوئے ہو مجھے بچاؤ!!
عائش ملک شیشے سے چہرہ نکالتے اگلی گاڑی کو رکاوٹ
کر ہدیائی چینی تھی

عائش ملک کی گالی پر زاویار خانزادہ کی رنگت سرخ
ہوئی تھی۔ جبرے بھینچے تھے پورے وجود کی رگیں
ظاہر ہوئی تھی۔

اسے میں بچاؤں گا مگر اپنے انداز میں!! آج اسے
بتاؤں گا عورت کی اصل جگہ کہاں ہوتی ہے؟؟۔
زاویار خانزادہ نے اشتعال بھرے لہجے میں کہتے

ہوے ڈیش بورڈ پر پوری قوت سے مکہ مارا تھب۔
وہ گاڑی کی روف چھت کا ڈور کھولتے سیٹ پر کھڑا
ہوتے اس سے باہر آیا۔ سڑک پر اتنی سپیس نہ تھی وہ
اپنی طرف کا دروازہ کھولتے اتر سکتا۔ وہ گاڑی کی
چھت سے جمپ لگاتے نیچے اتر۔
عائش ملک اپنے سامنے کھڑے سیاہ شلوار قمیض میں

ملبوس سیاہ گلاسز لگائے بے حد پرکشش مرد کو آنکھیں
جھپکائے ونڈ سکرین سے دیکھ رہی تھی۔ ج
وہ سانس روکے اسے اپنی طرف بھاری قدموں سے
بڑھتے دیکھ رہی تھی۔

زاویار خان زادہ نے جھکتے ہوئے زمین سے پتھر اٹھاتے
عائش ملک کی ونڈ سکرین پر پوری قوت سے مارا۔

آہہ!! عایش ملک چیتے ہوئے نیچے کی طرف جھکی۔
الشمس خانزادہ کو پیچھے بیٹھی اس نازک لڑکی پر ترس آیا
تھا جو کلام کے سب سے خطرناک خانزادہ کے ہتھے
چڑھ گئی تھی۔

عائش نے سیاہے ہوتے گہرے سانس لیتے خوفزدہ
نگاہوں سے زاویار خانزادہ کو دیکھتے ونڈ سکرین کو دیکھا

جو ٹوٹ چکا تھا۔ ونڈ سکرین بہت سا کالج اس کی سیٹ
پر بکھرا پڑا تھا۔ وہ بڑا سا پتھر بھی ساتھ ہی سیٹ پر پڑا
تھا۔ اس کی گاڑی آدمی کھائی کی طرف لڑھکی ہوئی
تھی۔ دوسری طرف اتنی سپیس نہ تھی وہ گاڑی سے
اتر سکتی۔ وہ ہینڈ بریک بروقت نہ کھینچتی تو اس کی گاڑی
کھائی میں گر جاتی۔ مگر اب سامنے کھڑے انسان سے

اسے اس کھائی سے بھی زیادہ خوف محسوس ہو رہا تھا۔
زاویار خان زادہ نے آگے بڑھتے ایک اور پتھر اٹھا کر
اس کی ونڈ سکریں پر مارا۔ وہ اس پتھر سے اب ونڈ
سکریں توڑ رہا تھا۔ اس نے دو تین ضربیں لگاتے ونڈ
سکریں کا بچا کچھا شیشہ توڑا۔

آہہہ!! عایش ملک منہ پر ہاتھ رکھتے ہڈیانی چیخی رہی

تھی۔

تم پاگل ہو چکے ہو کیا؟؟ وہ گہرے سانس لیتے کانپتے
ہوے چیخی تھی۔ کانچ کا چھوٹا سا ٹکڑا اس کی گردن
میں بھی پیوست ہوا تھا۔

او میڈم!! اپنی زبان پر کنٹرول کرو!! کپڑوں پر
تسمیں کنٹرول ہے نہیں جو تم نے آدھے ادھورے

پہن رکھے ہیں۔ یہ ناہو یہ زبان بھی آدھی ادھوری رہ
جائے۔ وہ بونٹ پر دونوں ہاتھ جماتے لفظ چباتے
غرایا تھا۔

عائش نے اس کی بات سنتے خود کو دیکھا وہ سفید جینز پر
سفید ٹاپ پر سیاہ لیڈر سٹائیش جیکٹ پہنے ہوئے
تھی۔ اسے اپنے کپڑوں میں کہیں سے خرابی نظر

نہیں آئی تھی۔ ہاں سامنے کھڑے انسان کے دماغ
میں خرابی ضرور نظر آئی تھی۔ عائش نے درد سے
کراہتے اپنی گردن پر ہاتھ رکھتے اپنی ساتھ والی سیٹ
کو دیکھا جہاں کانچ کانچ ہی بکھرا تھا
ونڈ سکرین کا شیشہ مکمل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ گہرے
سانس لیتے زاویہ خانزادہ کو اپنی نیلی خوفزدہ نگاہوں

سے دیکھ رہی تھی۔

پچھلی سیٹ پر جاؤ!! وہ اسے دیکھتے غراتے ہوئے حکم یہ
لہجے میں بولا۔

کک کیا؟؟ عایش اب بری طرح رونا شروع ہو چکی
تھی۔

پچھلی سیٹ پر جاؤ گی تو میں اندر آسکوں گا اور تمہیں بچا

سکوں گا۔ زاویہ خان زادہ نے لفظ چباتے اس کے
آنسوؤں کو قہر بارنگاہوں سے گھورا تھا۔
مم میں پیچھے کیسے جاسکتی ہوں؟؟ دیکھ نہیں رہے
گاڑی ہل رہی ہے۔ میں پیچھے جاؤں گی گاڑی کھائی
میں جا کرے گی۔

وہ اپنی پیشانی سے پسینہ ہاتھ سے صاف کرتے خوفزدہ

لہجے میں بولتے رو دی تھی۔

نہیں جاؤ گی تب بھی بچو گی نہیں!! ساتھ والی سیٹ پر
ہو جاؤ۔ زاویار خان زادہ کہتے اپنی آستین کے کف فولڈ
کرنے لگا۔

عائش نے اپنے ہاتھوں سے ساتھ والی سیٹ پر بکھرا
کانچ سیٹ سے نیچے پھینکا۔ کچھ کانچ اس کے ہاتھ پر

بھی لگا تھا۔

وہ اپنے درد کی پرواہ کیے بغیر سیٹ صاف کر رہی تھی۔
وہ اس گہری کھائی میں نہیں گر سکتی تھی۔ وہ اب بے
حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔

وہ سیٹ صاف کرتے کپکپاتے ہوئے دوسری سیٹ کی
طرف ہوئی۔ مگر کھائی کو دیکھتے وہ چہرے پر ہاتھ رکھتے

چنچ پڑی تھی۔ کھائی بے حد گہری تھی۔

زاویار خان زادہ ونڈ سکریں سے اندر آتے اسے بے
دردی سے دوسری سیٹ پر دھکیلتے خود ڈرائیونگ
سیٹ پر بیٹھ گیا۔ زر مش دروازے کے ساتھ بری
طرح لگی تھی۔ گاڑی مزید ڈولنے لگی تھی۔ وہ بری
طرح چنچیں مارنے لگی

زاویار خانزادہ نے سر دسپاٹ چہرے کے ساتھ ہینڈ
بریک ڈاؤن کرتے سٹیرنگ سنبھالتے ہوئے گاڑی
سٹارٹ کرتے گاڑی کو سیدھا کیا۔
التمش نے زاویار کو گاڑی مہارت سے نکالتے دیکھتے
اپنی گاڑی سٹارٹ کی۔

زاویار خانزادہ مہارت سے گاڑی نکالتے اب بڑی

مہارت سے گاڑی کو اس خطرناک سڑک پر چلا رہا
تھا۔

عائش روتے ہوئے ونڈ سکرین سے باہر اس خطرناک
سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا بدن ابھی بھی بری
طرح کپکپا رہا تھا۔

اسے معلوم ہوتا یہاں اتنے خطرناک راستے ہیں۔ وہ

بھی اس خطرناک جگہ پر گاڑی لے کر نہ نکلتی۔ اس
نے درد سے کراہتے ہوئے اپنی بیک پر ہاتھ لگایا ایک
کانچ کا ٹکڑا اس کی بیک کو بھی زخمی کر گیا تھا۔
وہ گہرے سانس لیتے ونڈ سکرین سے باہر دیکھ رہی
تھی۔

یکدم گاڑی کو جھٹکا لگا تھا۔ عایش نے خوفزدہ ہوتے

زاویار کو دیکھا۔ گاڑی اب قدرے کھلی سڑک پر
تھی۔

زاویار خان زادہ نے جبرے بھینچتے گاڑی کے سٹیرنگ
کو گھمایا تھا۔ جھٹکا لگنے سے عایش کا سر ڈیش بورڈ سے
ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ ہاتھ نہ رکھتی اس کا سر
ضرور ٹکراتا۔

عائش اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جو
گاڑی کو کبھی ادھر کبھی ادھر گھماتے گاڑی کو کبھی
بریک لگاتا کبھی سپیڈ بڑھاتا۔ گاڑی بری طرح جھٹکے
کھا رہی تھی۔ ہر جھٹکے پر عائش کی بیک دروازے سے
ٹکراتے اسے چیخنے پر مجبور کر رہی تھی۔
یہ کیا کر رہے ہو تم؟؟ عائش نے کپکپاتے لبوں سے

پوچھا۔

تسکھیں بتا رہا ہوں تم جس سڑک پر اور جس علاقے
میں گاڑی پر نکلی ہو یہ سڑک یہ علاقہ زاویار خانزادہ کا
ہے۔ وہ غراتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھا چکا تھا۔
عائش ڈیش بورڈ کو جکڑے مسلسل چنچیں مار رہی
تھی۔

التمش بھی اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائے ہوئے تھا۔ وہ
پچھلے آدھے گھنٹے سے ایسے ہی گاڑی کو بھگائے ہوئے
تھا۔ وہ تو جیسے موت کا کھیل کھیل رہا تھا۔ عایش بے
حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔

مسلسل چیخنے سے عایش ملک کا گلہ بیٹھ چکا تھا۔
زاویار خانزادہ گاڑی روکتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ

ڈالتے اپنی طرف کادر وازہ کھولتے اپنی سائیڈ سے کود
کیا تھا۔

عائش چیختے ہوئے زاویار خانزادہ کے چوڑے کشادہ
سینے میں سماتے رول ہوتی اس پتھریلی زمین پر گرتے
اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔
عائش نے چیختے زاویار خانزادہ کو دیکھا جس کے

چوڑے سینے پر وہ موجود تھی۔ وہ اسے سرد نگاہوں
سے گھور رہا تھا۔ وہ تھر تھر کانپتی ہوئی زاویار خانزادہ کو
دیکھ رہی تھی۔

زاویار خانزادہ نے پاس کھڑے التمش کو اشارہ کیا تھا۔
جی خان! التمش نے عایش کی گاڑی کی طرف بڑھتے
ڈریونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے چہرہ اندر کرتے

گاڑی سٹارٹ کرتے دروازہ بند کیا۔ گاڑی کھائی کی
طرف بڑھتے کھائی میں گری تھی۔ زوردار دھماکہ
ہوا تھا۔ عایش یہ سب دیکھتے چیختے ہوئے زاویار
خانزادہ کے سینے میں سمائی۔
زاویار اسے خود سے دور دھکیلتے زمین پر بیچ چکا تھا۔ وہ
اپنے کپڑے جھاڑتے کھڑا ہوا۔

یہ سب تم نے کیوں کیا؟؟ یو بل۔۔ ڈ۔۔ اس سے
پہلے وہ اپنا جملہ مکمل کرتی۔ زاویار طیش و اشتعال سے
سیخ پاہوتے پنجنوں کے بل بیٹھتے اس کا جبرہ دبوچ گیا۔
گالی نہیں!! گالی دینا میری فطرت نہیں اور عورت کو
تو گالی دینا تو بالکل نہیں۔ مگر عورت کو اس کی اوقات
ضرور یاد دلاتا ہوں۔ زاویار خانزادہ کے علاقے میں تم

اسی کو گالی دے رہی تھی۔ اتنی سزا تو کمھاری بنتی
ہے۔ یہ تمہیں آج زاویار خانزادہ نے سبق دیا ہے۔
کسی مرد کو آئندہ گالی مت دینا۔ وہ اس کا جبرہ چھوڑتے
ہوئے زمین سے اٹھاتھا۔ عایش بے یقینی سے اس ظالم
جابر خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔
التمش!!! زاویار خانزادہ نے اسے اونچی آواز میں پکارا

تھا۔

جی خان آپ پر میری جان بھی قربان !!! التمش جلدی
سے زاویار کی طرف بڑھا۔

ان میڈم کو عزت احترام سے ان کے ٹھکانے پر چھوڑ
کر آؤ !!! زاویار خانزادہ نے کہتے ہوئے اپنی سیاہ
گلاسز آنکھوں پر لگائیں۔

جی خان!!! انہش نے مودبانہ انداز میں سر ہلایا تھا۔
اور پتہ کرو یہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟؟۔
زاویار خانزادہ نے عایش کی طرف طنزیہ نگاہ ڈالی جو
زمین سے اٹھتی اسے اب شرر بار نگاہوں سے گھور
رہی تھی۔

مسٹر زاویار خانزادہ!!! عایش ملک نام ہے میرا!!!

ملکوں کی بیٹی ہوں۔ تمہارے علاقے کے کافی اسرو
رسوخ رکھنے والے رضا خان کی مہمان ہوں۔ تم آج
تک جن عورتوں کو بھی سبق سکھاتے رہے ہو وہ
تمہارے علاقے کی عورتیں تھیں۔ مگر اس بار تم نے
غلط لڑکی کو سبق سکھایا ہے۔ مجھے لگتا ہے تم جیسے
مردوں کا ٹھکانہ پولیس ہے۔ میں تم پر کیس فائل

کروں گی۔ عائش ملک کی بات پر التمش اور زاویار
خانزادہ کا برجستہ تہق گو نجاتھا۔

التمش اسے پاگل خانے چھوڑ کر آؤ اس کی جگہ وہیں
ہے۔ زاویار خانزادہ طنزیہ کہتے آگے بڑھ گیا تھا۔

جہاں اس کا دوسرا گارڈ گاڑی لے کر کھڑا تھا۔

عائش نے زاویار کی بیک کو سلگتی نگاہوں سے گھورتے

ہوے اپنی جیکٹ سے موبائل نکال کر مصطفیٰ ملک کا
نمبر ڈائل کیا۔

پاپا!! میں لوکیشن سینڈ کر رہی ہوں۔ گاڑی بھیج
دیں۔

ہاں پاپا وہ گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ مصطفیٰ ملک کی
ڈانٹ پر وہ فون بند کر چکی تھی۔

زاویہ التمش کو اشارہ کرتے گاڑی میں بیٹھتے چلا گیا
تھا۔

التمش زاویہ کا اشارہ سمجھتے گاڑی کی بونٹ سے ٹیک
لگائے سگریٹ سلگائے لبوں سے لگائے سر جھکائے
عائش ملک کی گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔
عائش التمش کو گھورتے اپنی گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔

حیدر خان کی گاڑی گل بہار کے ہسپتال کے باہر آ کر
رکی تھی۔ حیدر خان زر مش کی طرف دیکھتے مسکرایا
تھا۔

وہ سیاہ فراق میں ملبوس تھی جس پر سیاہ بے حد
خوبصورت چادر اپنے سر پر لی ہوئی تھی۔

ہیزل گرے آنکھوں میں گہرا اکا جل تھا۔ لبوں پر
پنک لپ سٹک لگائی ہوئی تھی۔ وہ بھی حیدر خان کو
دیکھتے مسکرا رہی تھی۔

حیدر خان نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے اس کی
ہتھیلی پر لب رکھے تو زرمش بھیگسا ہنسی تھی۔
حیدر خان بھی جواباً ہنسا تھا۔

لا لا آپ بہت اچھے ہیں۔ زر مش نے ہنستے ہوئے بھیکے
لہجے میں کہا۔

میرا بیٹا سب سے اچھا ہے۔ حیدر خان نے اس کے سر
پر ہاتھ رکھا تھا۔

ہاسپٹل سے باہر کسی صورت نہیں نکلنا!! جب تک
میں فون کر کے باہر تمہیں نہ بلاؤں۔ حیدر خان نے

ہر روز کا جملہ دہرایا تھا۔

جی لالا!!! میں ہاسپٹل سے نہیں نکلوں گی۔ زر مش
نے حیدر کا مضبوط ہاتھ پکڑتے اس کے ہاتھ کی پشت
پر اپنے لب رکھے تھے۔

حیدر خان نے مسکراتے ہوئے گاڑی سے اترتے
ہوئے زر مش کی طرف بڑھتے اس کے لیے دروازہ

کھولا تھا۔

زر مش بھیگی نکا ہوں سے حیدر خان کو دیکھتے گاڑی
سے اتری۔

ان سات مہینوں میں حیدر خان اسے نہ سنبھالتا۔ وہ
اس ٹروما سے کبھی نہ نکل پاتی۔ جو اس پر blood
thirst beast کا چھایا تھا۔ اس وحشی درندے

کو یاد کرتے آج بھی اس کی روح کانپ جاتی تھی۔
اب تو سب کچھ اس کے لیے حیدر خان اور یہ گل بہار
ہسپتال تھا۔ ایک مہینے سے اس نے اس ہسپتال کو
مکمل اپنا لیا تھا۔ اور یہاں کے ڈاکٹرز اور آئے ہوئے
مریضوں نے بھی اسے مکمل اپنا لیا تھا۔ سب ڈاکٹرز
نرسز اس کے ساتھ بہت اچھی تھیں۔ سوائے شہرام

خان کے جس کا وقتاً فوقتاً غصہ اس پر اترتا رہتا تھا۔ وہ
چپ کر کے اس کی ڈانٹ کھا لیتی تھی۔ اس کی ڈگری
کمپلیٹ نہیں ہوئی تھی اس لیے وہ اس پر اپنا غصہ اتارتا
رہتا تھا۔

وہ حیدر خان کے گال پر کس کرتے ہوئے گل بہار
ہسپتال میں داخل ہو گئی تھی۔

حیدر خان تب تک وہاں کھڑا رہا۔ جب تک وہ گیٹ
سے اندر داخل نہ ہو گئی تھی۔ زر مش کے اندر پہنچنے پر
حیدر نے روز کی طرح اسے کال کرتے پوچھا تھا۔ وہ
اندر پہنچ گئی ہے۔ زر مش کو اندر ہی رہنے کا کہتے وہ
فون بند کرتے گاڑی میں بیٹھتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زر مش نے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوتے اپنی چادر اتارتے ہوئے اپنا خوبصورت جارجٹ کا دوپٹہ اوڑھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کوریڈور سے گزرتے ہوئے سب کو مسکراتے ہوئے سلام کر رہی تھی۔

ہاسپٹل کے رسیپشنسٹ کاونٹر کی طرف بڑھتے زر مش نے وہاں بیٹھی لبنہ خان اور فضا کو سلام کیا

تھا۔

یہ ہاسپٹل کا بہت بڑا حال تھا۔ جہاں سینٹر میں صوفے
بھی رکھے کئے تھے۔ اس حال کے اندر مختلف کمرے
اور ایک لفٹ بھی اوپر کی طرف جاتی تھی۔ اور ایک
طرف سیڑھیاں بھی جاتی تھیں۔

سامنے بہت بڑا اینٹرس سلائیڈنگ آؤٹ بینک گلاس

ڈور تھا۔

مس زر مش کافی پیئے گی!! ڈاکٹر جازل نے زر مش کو
پکارا۔

ضرور!! زر مش نے ڈاکٹر جازل کو دیکھتے مسکراتے
ہوئے کہا۔

اوکے باس! ڈاکٹر جازل نے ہاتھ پیشانی پر رکھتے اسے

اشارہ کیا تھا۔ ذر مش مسکراتے ہوئے کاونٹر پر پڑی
فائل دیکھنے لگی۔ جو اسے ڈاکٹر ماہین کو پہنچانی تھیں۔
وہ تمام فائلز کو لیکٹ کرتے مڑی ہی تھی اس کے
ہاتھوں سے فائل چھوٹے زمین بوس ہوئی
وحشی درندہ!! blood thirst beast اس
کے کپکپاتے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

وہ اینٹرس دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ سیاہ جینز
پر سیاہ بٹنوں والی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ زر مش
گہرے سانس لیتے اُسے دیکھ رہی تھی۔ زر مش کی
خوفزدہ نگاہیں اس کے لیپ کوٹ پر تھیں جسے وہ پہنے
ہوئے تھا۔

ویکلم ڈاکٹر آریان خانزادہ!! شہرام خان اپنی بائیں

پھیلائے آریان خانزادہ کی طرف بڑھتے اس سے
بغلیگر ہوا تھا۔

ڈاکٹر آریان خانزادہ!! از مش کپکپاتے لبوں سے
شہرام کے لفظ بے آواز دہراتے بے یقین ہوئی۔ اس
وحشی درندے کی پہچان کیا تھی؟؟ وہ جانتی تھی۔ وہ
یہاں پر آخر کیا کہہ رہا تھا؟؟ ب وہ کونسا کھیل کھیل رہا

تھا اور کیوں؟!

وہ اپنے چکراتے سر کو سنبھالتی تیزی سے لفٹ کی
جانب بڑھی۔ اس کا دوپٹہ اس کے سر سے سرکتا اس
کے شانے پر لہرا رہا تھا۔ اس کی پیشانی غرق آلود تھی۔
اسے اپنی سانسیں اکھڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ
اس blood thirst beast کو اب کبھی

دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

آریان خانزادہ کا تہہ گونجتا اس کے قدم بری طرح
لڑکھڑاچکا تھا۔ وہ جلدی سے لفٹ میں داخل ہوتے
لفٹ کے بند دروازے سے ٹپک لگائے اپنے بال
مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ اپنے پیش زدہ گالوں پر وہ
کانپتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ جما گئی تھی۔ اس کے

بے رحم تھپڑ یاد آئے تھے۔ وہ اس کے گالوں کا کیسا
دشمن تھا۔ زر مش گہرے سانس لیتے آنکھیں موند
گئی۔ اس کا بدن پسینے سے تر ہوا تھا۔

وہ اس کی زندگی کے ساتھ اب کیا کرنے والا تھا آخر؟
زر مش نے اپنے گلے کو دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔
زر مش لفٹ سے نکلتے تیزی سے آگے بڑھی تھی کہ

جازل سے بری طرح ٹکرا گئی۔

سامنے سے آتے شہرام اور آریان خانزادہ کو دیکھتے وہ
جازل سے دور ہوتے دیوار میں سمائے اپنا چہرہ چھپا گئی
تھی۔ جازل حیرانگی سے اسے دیوار میں چھپے تھر تھر
کانپتے دیکھ رہا تھا۔

آریان خانزادہ اور شہرام باتیں کرتے وہاں سے چلے

کے تھے۔

کیا ہوا مس زر مش؟؟؟ جازل نے حیرانگی سے پوچھا
تھا۔

لک کچھ نہیں!! زر مش نے اپنی پیشانی کپکپاتے
ہاتھوں سے صاف کی تھی۔ دوسرے لمحے وہ بھاگتے
ہوے سڑھیوں کی طرف بڑھتے تیز تیز سیر ہیاں

اترتے ہوئے ہسپتال کے سٹاف روم کی طرف
بڑھتے دروازہ اندر سے لاک کر گئی تھی۔

urdu novels collection .com

رمز جنون

قسط 13

تحریر نور آصف

آریان خانزادہ آفس روم میں داخل ہوتے
lab coat اتارتے ہوئے صوفے پر پھینک

چکا تھا۔ وہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھے سامنے گلاس
وال سے نظر آتے سر سبز پہاڑوں کو اپنی سبز
سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس
کے وجود کی تمام رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔
آنکھوں میں غیض و غضب کا طوفان اُڈ رہا تھا۔

وہ بمشکل خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ مگر اس کے
بازوؤں کے مسلز زبری طرح پھول رہے تھے۔
وہ ناپاک وجود کیسے اس کی نگاہوں سے بچ سکتا
تھا۔ وہ آریان خانزادہ تھا ایک شاطر کھلاڑی ایک
خطرناک درندہ جس کی پہچان کیا تھی؟؟ آج تک
کوئی جان نہ سکا تھا۔ جو سوتے ہوئے بھی اپنی

آنکھیں کھلی رکھتا تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے اس
ناپاک وجود کو نہ دیکھ پاتا آخر یہ کیسے ممکن تھا؟؟
ہال میں نظر رکھتے ہی اس کی زیرک نگاہوں نے
اس کو دیکھ لیا تھا۔

کیوں؟؟ کیوں؟؟ آئی ہو میری نظروں کے
سامنے تم؟؟ وہ ٹیبل پر ہاتھ جماتے دھاڑا تھا۔

کہا تھا میری نگاہوں کے سامنے مت آنا ناپاک
وجود!! ورنہ آریان خانزادہ تمہاری قبر خود اپنے
ہاتھوں سے کھودے گا۔

بہت قبریں کھود چکا ہوں!! اب تمہاری باری!!
آریان خانزادہ ایک ایک لفظ چباتے دہشت سے
غرایا تھا۔

گل بہار ہسپتال کو وہ تب سے ڈونیٹ کر رہا تھا۔
جب یہ بننا سٹارٹ ہوا تھا۔ وہ کڑوڑوں روپے اس
ہسپتال میں ڈونیٹ کر چکا تھا۔ مہنگی جدید مشینری
سب کچھ وہ گل بہار ہسپتال کو پروائیڈ کرتا رہا تھا۔
شہرام خان سے رابطہ آج سے نہیں سالوں سے
تھا اور آج وہ اس ہسپتال کا سب کے قابل ڈاکٹر

بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کون تھا شہرام
خان بھی اس کی اصلیت جان نہیں سکتا تھا؟؟۔
مگر ابھی تو بے کے پر اسے یہ ثابت کرنا تھا اس کا
اذلان سکندر جو آریان خانزادہ بن کر اس سے مل
رہا تھا اس سے اس آریان خانزادہ کا کوئی تعلق
نہیں۔ اذلان سکندر کو بے کے اغوا کر دیا چکا

تھا۔ اذلان سکندر مر سکتا تھا مگر اس کی پہچان
کبھی روئل نہیں کر سکتا تھا۔ اذلان سکندر کو بے
کے کیسے چھڑوانا ہے اسے ابھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا
تھا۔ مگر ابھی اسے خود کو بے کے سے چھپانا تھا۔
بے کے اس تک کسی قیمت نہیں پہنچنا چاہیے تھا۔
وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

چارلس فرانڈس اور اس کے آدمیوں نے اس کی
اس حویلی میں ملاقات کی۔ اس بارے میں بھی
جے کے کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ مگر جے کے عام
آدمی نہ تھا وہ سپین کا بہت بڑا ڈان تھا۔ وہ بہت
جلد اس تک پہنچ سکتا تھا اسے یہاں اپنی پہچان
بدل کر رہنا ہی تھا۔ یہاں ایک ڈاکٹر کی پہچان

سے وہ کیلفورنیا کارپیسلر آریان خانزادہ ہے یہ
پہچان بھی اب ختم ہو سکتی تھی۔ اس لیے وہ
شاذمہ اور رشنا خان سے ہر قسم کا کانٹیکٹ ختم کر
چکا تھا نہ وہ لوگ اس سے کانٹیکٹ کر سکتے تھے۔
وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا
تھا۔

آریان خانزادہ نے جبرے بھینچتے ہوئے ٹیبل پر

پوری قوت سے مکہ مارا۔

وہ اس سے کیسے ڈر رہی تھی؟؟۔ وہ سب دیکھ چکا

تھا۔ وہ اس سے چھپ کر کیسے دیوار میں سمار ہی

تھی؟؟ آریان خانزادہ کی آنکھوں کے سامنے

اس کا نازک کپکپاتا وجود آیا تھا۔ آریان خانزادہ

کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ بکھری
تھی۔ اس کی آنکھوں میں آگ بھری ہوئی
تھی، اور وہ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کے
باوجود بار بار بھڑک رہا تھا۔

سامنے مت آنا میرے ناپاک وجود!! قسم کھاتا
ہوں تم اس سے بھی زیادہ مجھ سے دہشت خوف

کھاؤ گی۔ سمھار اوہ حال کروں گا تم اپنی پہچان
بھول جاؤ گی جیسے تم میری حویلی میں اپنے باپ
حاکم خان کا نام بھول گئی تھی۔ وہ پھولتی رگوں
کے ساتھ دھاڑا۔ اس کی رگوں میں بھڑکتا خون
ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔

وہ خود پر قابو پاتے سگریٹ سلگائے لبوں سے
لگائے کرسی کے ساتھ ٹیک لگاتے آنکھیں موند
کیا تھا۔

کیا ہوا مس زر مش؟؟ آریاں خانزادہ کی بند
آنکھوں میں اس ڈاکٹر کی شبیہ لہرائی تھی۔ جس
کے ساتھ وہ ٹکرائی تھی

آریان خانزادہ نے سیدھے ہوتے اپنے منہ پر
ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے سامنے پڑے لیپ ٹاپ
کو کھولتے ہسپتال کے ہر ڈاکٹر کا بائیو ڈیٹا سرچ
کیا۔

جازل اغیار لغاری۔ آریان خانزادہ کے لبوں نے
جنبش کی تھی۔

لیپ ٹاپ کی سکرین پر اس کا مکمل بائیو ڈیٹا تھا۔
اس کی تصویر پر آریان خانزادہ اپنی چبھتی نگاہیں
گاڑھے ہوئے تھا۔

وہ جیسے جیسے اس کے بارے میں ڈیٹیل پڑھ رہا
تھا۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں شعلے بڑھتے
جارہے تھے۔ وہ قطر کارہائشی تھا۔ بہت اثر و

رسوخ رکھتا تھا۔ اگر وہ اتنا اثرورسوخ رکھتا تھا تو
سوات کے اس ہسپتال میں آخر کیا کر رہا تھا؟؟
ہیزل گرے آنکھوں پر یہ سیاہ بال کچھ بچ نہیں
رہے۔ آریان خانزادہ اسٹھڑا سیہ بولتے اپنی کرسی
پر سیدھا ہوا۔

رنگت اور آنکھیں مفری اور بال ایشیائی !!
آریان خانزادہ کے لبوں سے قمقہ بلند ہوا تھا۔ آج
سے تم میری ہٹ لسٹ پر ہو۔۔۔ سب سے
پسندیدہ ہو آج سے تم ڈاکٹر جازل اغیار لغاری !!
وہ لفظ چباتے ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے غرایا۔

مجھے یقین ہے تم اس ہاسپٹل میں مر کر بھی واپس
نہیں آؤ گی۔ اگر میں تمہیں ذرا بھی یاد ہوا تم
کبھی میرے سامنے آنے کی ہمت نہیں کر سکو
گی۔ زر مش کی حالت یاد کرتے آریان خانزادہ
نے چمیر سے ٹیک لگائے ہوئے موبائل پکڑے
ایک نمبر ڈائل کرتے کان سے لگایا۔

کسی کا بائیو ڈیٹا بھیج رہا ہوں۔ مجھے اس کا اصل بائیو
ڈیٹا پتہ کروا کہ بتاؤ۔ وہ حکمیہ لہجے میں بولتے فون
بند کر چکا تھا۔

جاذب اغیار لغاری!! ہٹ لسٹ پر ہو تم میرے۔
وہ پیپر ویٹ دیوار پر مارے ایک بار پھر سے اس کا
نام لیتے دھاڑا تھا۔

لالا! زر مش حیدر خان کو دیکھتے تیز تیز قدموں
سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے چوڑے
سینے میں سما گئی تھی۔

کیا ہوا بیٹا؟؟ حیدر خان پریشان ہونے لگا اس کے سر
پر ہاتھ رکھ گیا۔ وہ اس کے سینے میں سما گئے بری

طرح کیا پار ہی تھی۔ آدھ گھنٹہ پہلے وہ اسے
یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اب اس کے فون پر وہ آدھے
راستے سے واپس آیا تھا۔

لا لا!! مم مجھے ادھر نہیں رہنا مجھے یہاں سے
چلیں۔ وہ بمشکل بولتے حیدر خان کے سینے سے
لپٹی تھی۔

ٹھیک ہے بچے!!! ہم گھر چلتے ہیں۔ حیدر خان
پریشانی سے بولتے اسے اپنے ہاتھوں کے حلقے
میں لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ اسے اگلی
سیٹ پر احتیاط سے بٹھاتے وہ خود رائیونگ سیٹ
پر بیٹھا تھا۔

حیدر خان کی گاڑی اس کے بنگلے کے وسیع
عریض کارپورج میں آکر رکی تھی۔ زر مش
سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے
تھی۔ گاڑی رکنے پر وہ بدحواس ہوئی تھی۔
حیدر خان اسے بغور دیکھتے گاڑی سے اترے۔

زر مش کی طرف بڑھتے اس کی طرف کادروازہ
کھولتے اسے بازو سے نرمی سے جکڑے باہر نکالا

وہ اسے بازو کے حلقے میں لیے اندر کی جانب بڑھا

زر مش اس کے سینے سے لگی ہوئی بری طرح
کانپ رہی تھی۔

حیدر خان نے لاونج میں داخل ہوتے زر مش کو
احتیاط سے صوفے پر لٹاتے اس کے پاؤں سے
اس کے شوز نرمی سے اتارتے صوفے پر پڑی
گرم چادر اس کے وجود پر اوڑھائی۔

زر مش اسی لمحے رخ مڑتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

!! کیونکہ تمھاری بے درد موت میں چن چکا
ہوں۔ جو تمھارے بغیر تالا حیدر خان اور
ذلیل حاکم خان کے ہاتھوں لکھی جا چکی ہے !!
زر مش اس کے بے رحم لفظ یاد کرتے چادر کو

اپنے سینے سے مسٹھی میں جکڑ گئی تھی۔

آریان خانزادہ کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو اس
کی آنکھوں سے گرتے گرم سیال میں اضافہ ہوا
تھا۔

کیا بتاؤ گی جب تمہارا لالا حیدر خان میرے
بارے میں استفسار کرے گا؟؟ کیا بتاؤ گی ساحر

خان کے ساتھ بھاگی اور آریان خانزادہ کی
پناہوں میں آئی۔۔۔ دو دو مردوں کا ٹیگ لگا چکی
ہو تم۔۔۔ اور جب میں تمہیں یہاں سے نکال کر
سڑک پر پھینکوں گا۔ پھر نجانے کتنے مردوں کا
ٹیگ!!

وہ اس کے لفظ یاد کرتے بری طرح لرز رہی

تھی۔

حیدر خان نے لب بھینچے اس کے لرزتے وجود کو
دیکھتے اس کے قریب بیٹھتے اس کی پیشانی پر ہاتھ
رکھا حیدر خان کو لگا تھا جیسے اس نے تپتی بھٹی کو
چھو لیا ہو۔ وہ بری طرح جل رہی تھی۔

کیا ہوا ہے ہسپتال میں؟ کسی نے کچھ کہا ہے تم
سے؟؟ حیدر خان نے اس کے قریب بیٹھتے
سنجیدگی سے دریافت کیا۔ وہ رخ موڑے ہوئے
تھی۔

نن۔۔ نہیں۔۔ تو۔۔ لالا۔۔ مم میری طبیعت
خراب ہو گئی تھی۔۔ مم مجھے بخار محسوس ہوا تو

آپ کو فون کر کے بلایا۔ زر مش ایک جھٹکے سے
اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سراسیمگی
چھائی تھی۔ پورا جسم مزید کانپنے لگا تھا۔
ٹھیک ہے آرام کرو تم۔ میں تمہیں بخار کی
میڈیسن دیتا ہوں! حیدر خان اس کے گال پر
نرمی سے ہاتھ رکھا۔

لالا اب میں ہسپتال نہیں جاؤں گی۔ زر مش
کپکپاتے لبوں سے بولتے حیدر خان کا ہاتھ جکڑ گئی
تھی۔ زر مش کی بات پر حیدر خان کے پریشانی
سے لب بھینچے تھے۔ کل تک یہ ہسپتال اس کے
لیے سب کچھ تھا۔ آج آچانک سے کیا ہوا تھا؟؟
وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

کیا ہوا خان؟؟ فرشتے نے لاونج میں داخل ہوتے

زر مش کے لرزتے وجود کو دیکھتے حیدر سے

پوچھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہسپتال گئی تھی۔ اب وہ

حیدر کے ساتھ واپس آگئی تھی۔ وہ زر مش کو

دیکھتے پریشان ہوئی۔

۔ جو بھی ہوا ہے ہسپتال میں ہوا ہے۔ اور اس کا

پتہ میں لگا کر رہوں گا۔ میری بہن کو کس نے کیا
کہا ہے؟! حیدر خان سردلجے میں بولتے غصے
سے صوفے اٹھا۔

حیدر خان کی بات زر مش کی سانسیں اٹکی
تھیں۔

لا لاک کچھ نہیں ہوا۔ ہسپتال میں کچھ نہیں ہوا۔

زر مش اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے صوفی
سے اٹھتے حیدر خان کے مقابل آئی تھی۔

یہی تو جاننا ہے بیٹا!! کل تک تمہیں ہسپتال سے
کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ آج آپانک سے کیا ہو گیا کہ
تم ہسپتال نہ جانے کی بات کر رہی ہو۔ تم جو بھی
فیصلہ کرو گی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر اگر

تسہیں کسی نے کچھ کہا ہے حیدر خان اسے
چھوڑے گا نہیں۔ یہ یاد رکھنا تم!! حیدر خان
انگشت شہادت اٹھائے دھمکی امیز لہجے میں
غرایا۔

نن نہیں۔۔۔ لالا۔۔۔ کک کچھ۔۔۔ نہیں۔۔۔
ہوا۔۔۔ میں ہسپتال جاؤں گی۔ وہ میں نے

ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ شاید بخار میں مجھے کچھ سمجھ
نہیں آرہا۔ زر مش نے جلدی سے گھبراتے
ہوے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھتے کہا۔

تم آرام کرو تم نے ہسپتال جانا ہے یا نہیں یہ اب
ہم کل بات کریں گے۔ حیدر نے نرمی سے کہتے
فرشتے پر نگاہ ڈالی جو سنجیدہ چہرہ لیے اپنے کمرے

کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حیدر خان زر مش کا گال تھپتھپاتے اپنے کمرے
کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زڑ مش اپنا سردونوں ہاتھوں میں جکڑے
لرزتے ہوئے صوفے پر گرنے کے سے انداز
میں بیٹھی تھی۔

اس وحشی درندے سے زیادہ خوف اسے یہ تھا کہ
حیدر خان کو یہ نہ پتہ چلے وہ اس وحشی درندے
کی پناہوں میں قید تھی۔

!! تمھارا لالا ہی تمھارے وجود میں گولیاں
اتارے گا تم دیکھنا۔ کتنی راتیں باہر گزار چکی
ہو؟!۔۔ کس کس رات کا حساب دو گی؟؟۔ اب

تو ایک رات میرے ساتھ بھی گزار چکی ہو کیا

جواب دو گی کون ہوں میں تمہارا؟؟؟!!

مرنے سے بھی زیادہ اذیت ناک ہو گا اپنے لالا کی

آنکھوں میں خود کے لیے بے اعتباری دیکھنا۔ لالا

کو پتہ چل گیا کیا جواب دوں گی۔ میں کیسے اپنی

پاکی کا ثبوت دوں گی۔ زر مش اپنے چہرہ دونوں

ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی تھی۔

نہیں میں کسی قیمت پر اپنے لالا کو نہیں پتہ لگنے
دے سکتی کہ میں اتنے دن اس وحشی درندے کی
قید میں تھی۔۔ میں ہسپتال جاؤں گی۔ مگر اس
وحشی درندے کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ کبھی
نہیں جاؤں گی۔ زر مش نے اٹل لہجے میں بولتے

ہوے اپنے عارض سے اپنے آنسو بے دردی سے
رگڑے تھے۔

حیدر خان نے کمرے میں داخل ہوتے اپنی
شرٹ کی آستین فولڈ کرتے ہوئے فرشتے پر نگاہ
ڈالی۔ جو بلوکلر کی ڈریس میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ

اس کا صوفے پر پڑا تھا۔ اس کے براؤن لمبے سلکی
نم بال اس کی کمر بکھرے تھے۔ چہرہ سپاٹ تھا
مگر وہ رات اس کی دی ہوئی شدتوں پر مہک رہی
تھی۔ حیدر خان کی گہری نگاہیں اس کی ٹھوڑی
کے تل پر تھیں جہاں رات اس نے اپنی شدت
کی گہری سوغات دی تھی۔ گردن پر بھی اس کے

دیے ہوئی اس کی جنون خیزیاں پوری آب و تاب
سے چمک رہی تھیں۔

فرشتے سنجیدگی سے بیڈ شیٹ بچھا رہی تھی۔ حیدر
خان ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ٹیک لگائے اسے
گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
فرشتے سرد چہرے کے ساتھ اپنا کام کر رہی

تھی۔ مگر حیدر کی گرم نگاہوں سے اس کے
عارض پر سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔ جسے
چھپانے کے لیے وہ اپنا بچال لب بے دردی سے
کاٹ رہی تھی۔

حیدر خان اس کے عارض کی سرخی بڑھتی دیکھتے
مدھم مدھم ہنستے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ فرشتے

نے کن ا لھویوں سے اس کے سیاہ بوٹوں پر نگاہیں
جمائیں۔ جن کی بھاری دھمک سے وہ اس کے دل
میں اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کی دھمک بھی
بڑھی تھی۔ مقابل کی سحر انگیز سنیلٹی سے وہ
آج بھی مرعوب تھی۔ محبت تو شدت سے کرتی
تھی مگر صرف جتنا نہیں تھی۔ جانتی تھی یہ

مغرور مرعوب سا انسان اس کی محبت کی قدر نہ
کر سکے گا۔ اسے پھر سے ایسے دور ہے پر لا
کھڑے گا جس پر اذیتیں ہی اذیتیں تھیں۔ وہ
حیدر خان کی جدائی برداشت کر سکتی تھی۔ مگر
اپنے بیٹوں سے ان کا باپ نہیں چین سکتی تھی۔
وہ جیسا بھی تھا اپنے بیٹوں پر جان چھڑکتا تھا۔

دارب ذراب بھی تو بے حد محبت کرتے تھے۔
ایک سال کے ہو چکے تھے وہ اپنے باپ کو دیکھتے
کیسے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اسے دیکھتے ہی
لیٹ پڑتے تھے۔

فرشتے حیدر خان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتے
جلدی سے واش روم کی طرف بڑھی۔ حیدر

خان اس کی طرف بڑھتے فرشتے کی نازک کمر
میں ہاتھ ڈالتے واش روم میں داخل ہوتے واش
روم کا دروازہ اندر سے لاک کر گیا تھا۔

خان!! فرشتے نے اسے پکارتے اس سے دور ہونا
چاہا وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے واش روم کے
راونڈ شیپ بڑے سے ہاتھ ٹب میں گھسا۔

خان!! فرشتے حیدر خان کو خود سے دور دھکیلتی
چینتی تھا۔ حیدر خان اسے نیم گرم پانی سے
بھرے ہاتھ میں اسے پھینکتے اس کی طرف
بڑھتے اس پر حاوی ہوا۔

خان!! فرشتے روہانسی ہوئی تھی۔ وہ مکمل طور پر
بھیک چکی تھی۔ وہ اس کی نازک کمر کو بے دردی

سے جکڑے اوپر کو اٹھتے اس کے نازک لبوں پر
جھک گیا۔

فرشتے کی سانسیں وہ اچھی طرح خود میں گھونٹتے
اس کی شرٹ کی زپ نیچے کھسکا گیا۔ فرشتے کی
جان لبوں پر سجی تھی۔ وہ اس کی برہنہ کمر پر اپنی
کھروری انگلیاں گاڑھے اسے اپنے سینے سے

لگائے اس کے لبوں پر اپنی حکمرانی جمائے اس
کے نازک لبوں کو اپنی شدت سے قندھاری کر
رہا تھا۔ فرشتے اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں
جکڑے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔ وہ
حیدر خان کی قربت میں اس کی شدتوں کا ذرا
ساتھ نہیں دیتی تھی۔ مگر اسے خود سے دور نہیں

دھیلی تھی۔ ان سات ماہ میں حیدر خان کا جب
دل کرتا تھا اس کے قریب آتا تھا۔ وہ ایک اچھی
بیوی کی طرح اس کی قربت میں گھنٹوں اس کی
شدتیں برداشت کرتی تھی۔ مگر فرشتے کے لبوں
نے ایک بار بھی کبھی حیدر خان کہ چھو نہیں
تھا۔ نہ اس کی نازک بانہوں نے کبھی حیدر خان

کے گرد اپنا کھیرہ منبھوٹ کیا تھا۔ وہ اس کی قربت
میں گھنٹوں ٹھنڈی رہتی تھی۔ حیدر خان پرواہ
کیے بغیر ہر رات اسے اپنی قربت میں رکھتا تھا۔
بلکہ پہلے سے زیادہ اس کے قریب آتا تھا۔ یہ بات
زیادہ فرشتے کو اندر سے گھائل کرتی جا رہی تھی۔
مقابل کو پرواہ ہی نہیں تھی وہ اس کی بانہوں میں

کیا محسوس کرتی ہے؟؟ اسے اس کے احساسات
کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ ان سات ماہ میں حیدر
خان کے پاس اس کے لیے وقت تھا مگر لفظ نہ
تھے۔ محبت نہ تھی وہ تو جیسے اپنی ضرورت پوری
کرتا تھا اس سے!!

خانم!! دو دو بیٹوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی اس

نازک کمر پر کوئی اثر نہیں پڑا!! تم بے حد
خوبصورت ہو خانم تمہیں دیکھ کر مجھ پر خمار
طاری ہو جاتا ہے۔ وہ گم سمیر آواز میں بولتے اسے
اپنے سینے میں شدت سے بھینچ گیا تھا۔ فرشتے
اس کے سینے میں سمائے اپنی منتشر ہوتی
دھڑکنوں پر قابو پانے لگی۔ وہ تھک کر چور ہو چکی

نکھی اپنے اوپر یہ خول چڑھاتے ہوئے۔ مقابل
کیوں نہیں آخرا اس کے احساسات اس کے ڈر کو
سمجھتا تھا یا سمجھ کر بھائی انجان بنا رہتا تھا۔ وہ نہیں
جانتی تھی۔

خانم باہر ایسے کیوں آئی تھی؟؟ حیدر نے فرشتے
کی ٹھوڑی پر اپنے انگوٹھے کا دباؤ بڑھاتے ہوئے

بھاری آواز میں پوچھا

کیسے خان؟! فرشتے کی آواز بھیگ گئی تھی۔

حیدر خان اسے اپنے سینے پر کرتے اس کی نازک

کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اس کی پرکشش

گہری براؤن آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

پور پور میری شدتوں میں ڈوبی ہوئی۔ میری

شدتوں مہکی ہوئی!! باہر زر مش بھی تھی
تمہاری ٹھوڑی کے تل پر رات کا دیا ہوا میرا نشان
ویسے ہی ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگا خانم!! میری دی
ہوئی شدتوں پر کسی کی بھی نگاہ پڑے۔ پھر
زر مش ابھی بچی ہے خ!! حیدر خان سنجیدگی
سے بولتے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا

کیا۔

بچی ہے وہ خان !! بیس سال کی ہے وہ۔ نکاح ہو
کر رخصتی بھی ہو چکی تھی اس کی۔ وہ آپ کو
صرف بچی لگتی ہے۔ فرشتے کے تڑخ کر جواب
دینے پر حیدر خان کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔ فرشتے کی
کمر پر اس کا حصار نرم ہوا تھا۔ فرشتے حیدر خان کی

بے انتہا سنجیدہ آنکھوں کو دیکھتے بھیگا سا مسکراتی
اس کے حصار سے نکلتے ہوئے ہاتھ ٹب سے باہر
آئی

اس سے پہلے وہ واش روم سے باہر جاتی حیدر خان
ہاتھ ٹب سے نکلتے اسے کلائی سے جکڑے دیوار
میں پٹختے اس کے قریب ہوا۔

زر مش بچی ہی ہے خانم! نکاح ہوا تھا مگر تم اچھی
طرح جانتی ہو وہ ابھی تک مرد عورت کے
تعلقات سے ناواقف ہے۔

ساحر خان نے اسے یہ مان بخشا ہی نہیں تھا۔ جو
مرد عورت کو بخش کر اسے اس کی دیوا اپنی
زندگی میں بتاتا ہے کہ وہ اس کے لیے کیا معنی

رہتی ہے۔ حیدر خانم سردلجے میں بولتے
فرشتے کی بھیگی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں
گاڑھ گیا۔

جانے دیں خان!! عورت سے بستر گرم کر کے
عورت کی ویلیو بتائی جاتی ہے کیا؟؟ مرد کے لیے
یہ رشتہ صرف ضرورت کی طرح ہوتا ہے ایک

سے نہ سہی تو دوسری عورت سے وہ اپنی صرف
ضرورت پوری کرتا ہے۔ اگر مرد کے قریب
آنے سے عورت معتبر ہوتی تو سب سے پہلے میں
ہوتی۔ آپ کو دوسری عورت کی ضرورت کبھی
نہ پڑتی۔ اوز گل کے آپ قریب کے تو کیا اس
کے قریب جا کر بھی آپ اسے اس کی ویلہ بتا

رہے تھے۔ فرشتے نے چھتے لہجے میں سوال کیا۔
تم اچھی طرح جانتی ہو میں بچے کے لیے۔۔۔
بس کر دیں خان!! بس کر دیں خان۔۔۔ بہت
سے مرد ہیں اس دنیا میں جو بانجھ بیوی کے ہوتے
دوسری شادی نہیں کرتے ساری عمر اسی بانجھ
عورت کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔

یہ مت کہیے گا آپ اپنی مورے کی وجہ سے مجبور
تھے۔ نہیں مجبور تھے خان آپ!!! اگر آپ ایک
مجبور مرد ہوتے کبھی اپنی بہن کے لیے ڈٹ نہ
جاتے۔ اس کے لیے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔
کوئی اس پر ایک سرد نگاہ نہ ڈال سکا۔ اتنے دن
جب عورت گھر سے باہر رہے اس عورت کو

ہمارے ہاں زندہ زمین میں گاڑھا جاتا ہے نہ کہ
سینے سے لگایا جاتا۔۔۔۔۔

فرشتے!! حیدر خان نے گرجتے ہوئے اپنا ہاتھ
اسے مارنے کے لیے اٹھایا تھا۔ مگر وہ اپنا ہاتھ ہوا
میں ہی معلق کر گیا تھا فرشتے حیدر خان کے اٹھے
ہوئے ہاتھ کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

تم ایسی سوچ رہتی ہو۔ میں مان ہی نہیں سکتا
میری خانم یہ سب کہہ سکتی ہے۔ عورت ہو کر تم
ایسی باتیں کر رہی ہو۔ حیدر خان ہوا میں معلق
ہاتھ دبوچتے ہوئے پھولتی رگوں کے ساتھ
گر جا۔

عورت ہو کر اس لیے ایسی باتیں کر رہی ہوں۔

کیونکہ آپ نے مجھے ایک حاسد عورت بنا دیا ہے
جو آپ کے ہر اس رشتے سے حسد عداوت
محسوس کرتی ہے جس سے آپ محبت کرتے ہیں
خان!!

آپ کی خانم ایسی نہیں تھی آپ نے بنا دیا مجھے ایسا
خان!! جس طرح کی محبت زرمش سے کرتے

ہیں ایسی ہی محبت آپ اپنی مورے سے کرتے
تھے۔ ان کے لیے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ اب لگتا ہے
اپنی بہن کے لیے مجھے اور میرے بچوں کو چھوڑ
دیں گے۔ فرشتے شدت سے رودی تھی۔
تکلیف ہوئی مجھے۔۔ میرے دل کے ٹکڑے
ٹکڑے ہوئے جب آپ کو زرمش کے ساتھ

کھڑا دیکھا۔ تب جانناں آپ کمزور نہیں ہیں آپ
کورشتوں نے کبھی کمزور کیا ہی نہیں خان!!
فرشتے نے بھگے لہجے میں کہا۔
زر مش کے ہوتے کس دن تمہیں تنہا کیا بتاؤ
مجھے خانم؟؟؟ ان سات ماہ میں کب میرا تمہاری
طرف یا اپنے بیٹوں کی طرف جھکاؤ کم ہوا؟؟؟ اگر

ایسا ہوتا تو زرمش کو بخار کی حالت میں چھوڑتے
تمہارے پاس نہ ہوتا۔

اب یہ مت کہنا کہ مجھے میری ضرورت حوس
کھینچ لائی۔ مرد کی محبت ایسی ہی ہوتی ہے خانم!! وہ
اپنی عورت سے ایسے ہی محبت کا اظہار کرتا ہے۔
دوسری شادی کرنا میری مجبوری تھی یا میری

کمزوری خانم میں نہیں جانتا۔ میں نے تمہارا دل
دکھایا اس کی مجھے سزا بھی ملی زر مش کی صورت
میں۔ میں نے تمہارا دل دکھایا!! تمہیں بے بسی
کا احساس دلایا۔

جب تم میری حویلی سے جا رہی تھی مجھے پلٹ
پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت تمہاری اور

مکھارے لالا کی بے بسی تب جانی! تب جانا بہن
کارشتہ ہوتا کیا ہے؟؟ تب یہ سب محسوس کی
جب زر مش کا میں پتہ نہ لگا سکا۔ تب محسوس کی
یہ بے بسی جب اپنے ہی بابا کے لبوں سے اپنی ہی
بہن کے لیے بد کردار جیسے لفظ سنے۔ بہت بھگت
لی سزا میں نے خانم!! اب بس کر دو۔ میرا

یقین کرو میرے لیے تم اور میرے بیٹے بہت
اہمیت رکھتے ہیں۔ جان بستی ہے تم سب کے اندر
!! نہ میں اپنی مورے کو بھولا ہوں۔ نہ کبھی تم
سے لاپرواہی اختیار کروں گا۔ حیدر نے ملائمت
سے کہتے فرشتے کی کمر میں ہاتھ ڈالنے اس کی
آنکھوں سے بہتے اپنے انگوٹھے کے پوروں سے

نرمی سے آنسو صاف کیے۔

مجھے یقین نہیں آتا خان!!! مجھے آپ پر یقین نہیں

ہے کیا کروں خان؟؟ فرشتے روتے ہوئے اس

کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

اتار دو یہ سر دخول خود پر سے!! ویسی ہی خانم بن

جاؤ۔ جس کے لیے اپنے خان سے زیادہ کچھ

اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ جو راتوں کو اٹھا اٹھ کر اپنے
خان کو چومتی تھی۔

وہ اس کی گردن پر جھکے اسے نرمی سے چومتے
ہوے اس کے برہنہ کندھوں کو چومتے ہوئے
اس کی شرٹ نیچے کھسکاتا زمین بوس کر چکا تھا۔
فرشتے خود کو شرٹ لیس دیکھتے سرخ ہوئی تھی۔

حیدر خان نے اس کے دل کے مقام پر اپنے سلگتے
لب رکھتے اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے
ہوے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ فرشتے بری
طرح سسک پڑی تھی۔

حیدر خان کے دیوانہ وار لب اس کی گہرائیوں
سے ہوتے اس کے پیٹ کو چھو رہے تھے۔ وہ

گھٹنوں کے بل بیٹھے اس کے پیٹ کو چوم رہا تھا۔
فرشتے آنکھیں میچے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی
تھی۔ اس کے کپکپاتے ہاتھ حیدر خان کے گھنے
بالوں کو چھو گئے۔

حیدر خان اس کا رخ پلٹے اس کی برہنہ کمر پر اب
اپنے سلگتے لب رکھنے لگا۔ فرشتے کی مدھم

سسکیوں پر حیدر خان کے جنون میں اضافہ ہو رہا
تھا۔ وہ اب کھڑے ہوتے اپنے دانتوں سے اس
کی برہنہ کمر پہ مہریں لگا رہا تھا۔ حیدر خان اسے
اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھا
۔ اسے نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس پر مکمل حاوی ہوا
وہ اس کے وجود سے سیاہ نازک پردہ اتارتے

ہوے اس کی گہرائیوں پر جھکتے نرمی سے اپنے
دہکتے لب رکھنے لگا۔ فرشتے کے رخسار پر شدت
سے آنسو گر رہے تھے۔ اوز گل کی نائیٹیز اور اس
کی پرائیویٹ چیزیں یاد آئی تھیں۔ جو اس نے اپنے
کمرے کی الماری میں دیکھی تھیں۔
فرشتے کی تکلیف دہ سسکاریوں میں اضافہ ہوا

تھا۔

خان!! فرشتے نے اس کے گھنے بالوں کو مٹھی
سے دبوچتے اسے پیچھے کیا۔ حیدر خان نے سرخ
سوالیہ نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ائی
برواچکائے تھے۔

خان آپ چاہتے ہیں میں یہ خود سے یہ خول اتار

دوں تو میرے قریب مت آئیے گا جب تک میں
نہ چاہوں۔ فرشتے نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنی
نگاہیں جھکائیں۔

کیا کہہ رہی ہو یہ خانم؟؟؟ یہ کیسے ممکن ہے میں
تمہارے وجود کو نظر انداز کر دوں۔ تمہارے
اتنے قریب آکر پیچھے ہٹ جاؤں۔ کیا چاہتی ہو

اور کس طرح میرے گناہوں کی سزا دینا چاہتی ہو
اور کتنی؟؟ حیدر خان نے تپتے لہجے میں سوال
کیا۔

کب سزا پائی آپ نے خان؟! ایک بیوی نہیں
تھی تو دوسری آپ کے پاس تھی۔ جب دوسری
نہیں رہی تو پہلی واپس آگئی۔ اور پچھلے کتنے

مہینوں سے اپنا حق لے رہے ہیں مجھ سے
زبردستی میری مرضی کے بغیر!! فرشتے اسے
دونوں ہاتھوں سے دور کرتے اپنے وجود پر اپنی
شال لپیٹتے اٹھ کر بیٹھی تھی
حق کو زبردستی کا نام دیے رہی ہو جہاں حق ہو
وہاں زبردستی کی گنجائش ہوتی ہے کیا؟! حیدر

خان نے لٹخی سے بولتے ہوئے اسے سرخ
آنکھوں سے دیکھتے اپنے نرم زدہ بالوں میں انگلیاں
پھیریں۔

حق میرا بھی ہے آپ پر؟! کیا کبھی جتایا آپ پر اپنا
حق میں نے؟ یہ حق تب بھی نہیں جتایا تھا جب
آپ دوسری شادی کر رہے تھے۔ فرشتے دہلی

آواز میں چیخنی تھی
تو جنتی نہ مجھ پر حق؟؟ حیدر کھڑا ہوتے حلق کے
بل چیخا تھا۔

فرشتے نے اس کے چیخنے پر اسے شکوہ کناں
نگاہوں سے دیکھا۔
مت دیکھو مجھے ایسی نگاہوں سے خانم!! میں بھی

جوابا دیکھتے تسمیں تمہارے گناہ یاد دلا سکتا
ہوں۔

میرے گناہ خان کونسے گناہ خان؟! ہر حقوق نبھایا
آپ کا۔ فرشتے روتے ہوئے بولی۔
کونسا حقوق؟؟؟ خانم کونسا بتاؤ مجھے۔ ب؟؟ ستر پر
میرے قریب ہونا ہی تمہارا فرض تھا کیا؟ اس کو

حقوق نبھانا کہتی ہو تم؟؟!! یہ کیسا فرض نبھایا جس
میں تم میرے ساتھ ہوتے ہوئے بھی نہیں
ہوتی۔؟؟ کیا سمجھوں خانم میں؟؟ یہ سب میں
کروں تمہارے ساتھ تو پھر؟؟ تمہارے ساتھ
ہوتے ہوئے بھی تم پر شو کرواؤں کہ میں
تمہارے ساتھ نہیں ہوں کیسا محسوس ہو

تمہیں۔ حیدر خان اسٹھڑائیہ ہنساتھا۔

فرشتے بیڈ پر بیٹھی اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی

کتنا وقت پکھلنے میں لگتا ہے عورت کو؟؟ ہر ممکن
کوشش کی میں نے۔ تمہیں تمہارے حصے کا
وقت دیا۔ تم سے محبت کا اظہار کرتا رہا۔ اپنے

گناہوں کی معافی بھی مانگ لی۔ تمہیں یقین بھی
دلایا تمہارے حقوق میں کبھی کوتاہی نہیں کروں
گا۔ اور کیا کروں تمہارے قدموں میں گر کر
روتے ہوئے معافی مانگوں یا پھر تمہیں تمہارے
لالا کے پاس چھوڑ آؤں۔ حیدر خان طیش و الم
سے گر جاتا تھا۔

فرشتے نے اس کی گرج پر لرزتے ہوئے حیدر
خان کو دیکھا۔

جب مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ تب تم مجھ سے
دور تھی خانم!! آج بھی مجھ سے دور ہو۔ اگر
تمہیں لگتا ہے تمہارے قریب آنا میری
ضرورت ہے حوس ہے تو نہیں آؤں گا تمہارے

قریب اب!! مجھ سے اب یہ شکوہ مت کرنا میں
نے تمہارے قریب آنا چھوڑ دیا۔ ایک کمرے
میں رہتے ہوئے مجھے تمہاری طلب کیوں
محسوس نہیں ہو رہی۔ اسی بیڈ پر تمہارے ساتھ
سوؤں گا مگر میں تمہیں چھوؤں گا نہیں اب۔
حیدر خان نے کہتے اپنی مڑی ہوئی آستین جھٹکے

سے کھولتے اپنے کف کے بٹن بند کیے۔۔
نہ میری زر مش کے لیے محبت کم ہوگی۔ اسے
ایسے ہی پیار کروں گا۔ ایسے ہی اس کے لیے اپنی
فکر جتاؤں گا۔ تمہارا بھی خیال رکھوں گا۔ دراب
زر اب سے بھی شدید محبت کروں گا۔ تمہیں جو
محسوس ہوتا ہے ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔۔

اپنی بہن کو بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ وہ سرد
لہجے میں بولتے ہوئے اپنی شرٹ کے بٹن بند
کرتے دروازے کی جانب بڑھا۔

اور تمہیں کس نے کہا میں نے اپنی مورے سے
تعلق توڑ لیا ہے؟؟۔ حیدر حاکم خان ہوں میں!!
جس نے سب سے شدید محبت کی ہی اپنی

مورے سے ہے۔۔ میں ملتا ہوں ان سے!! روز
ملتا ہوں اپنی مورے سے۔ لیکن اب میں اپنے
کسی رشتے کو اپنے دوسرے رشتے سے زیادتی
نہیں کرنے دوں گا۔ حیدر خان نے پلٹتے ہوئے
سرد لہجے میں کہا تھا۔ فرشتے کے بہنے آنسوؤں کو
وہ بعور دیکھتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

فرشتے اپنے عارض پر بہتے آنسو صاف کرتے
ہوے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ دوسرے لمحے وہ تکیے
میں منہ چھپاتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

زر مش پنک اینڈ وایٹ لمبنینیشن کے ڈریس میں
ملبوس ہسپتال میں داخل ہوئی تھی۔ کوریڈور

سے گزرتے ہوئے وہ تیز تیز قدموں سے آگے
بڑھ رہی تھی۔

وہ پچھلے دو دن سے ہسپتال آرہی تھی۔ آریان
خانزادہ سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ دو
دن سے وہ سارا دن ہاسپٹل کے ایک پرانے سے
کمرے میں بند رہی تھی۔ وا۔ جو سٹور کے لیے

استعمال ہوتا تھا۔ مگر ہاسپٹل کا سٹاف اب اسے
مشکوٰۃ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔ وہ ہاسپٹل میں
آکر بھی کسی کو نہیں ملتی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے اگے بڑھ رہی تھی۔ دل
زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ blood
thirst beast کا خوف اس کے حواسوں پر

چھایا ہوا تھا۔

وہ اپنے پنک دوپٹے کو اپنے سر پر اچھی طرح
اوڑھتے ہاسپٹل کے بڑے سے حال میں داخل
ہوئی تھی۔ اب اس کے قدموں کا رخ اس سٹور
روم کی طرف تھا۔ جس میں آج پھر اس نے پناہ
لینی تھی۔

وہ بھاگتے ہوئے سٹور روم میں داخل ہوتے سٹور
روم کا دروازہ اندر سے لاک کرتے دروازے
کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچے گہرے سانس
لینے لگی۔

بہت اچھی جگہ ڈھونڈی ہے مس خان مجھ سے
چھپنے کے لیے!! آئی لائک اٹ سوچھ!! آریان

خانزادہ کی آواز پر اس نے ہر اسماں ہوتے آنکھیں
کھولیں۔

وہ سامنے ہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ
لبوں میں دبائے ہوئے آنکھیں میچے ہوئے تھا۔
اس blood thirst beast کو دیکھتے
زرمش کی سانس رکی تھی۔ آواز جیسے حلق میں

ٹھٹی ٹھٹی وہ اسی پل پسینے میں نہلائی تھی۔

وہ آنکھیں بند کیے ہی قہقہہ لگا گیا تھا۔

اس کے قہقہے پر زر مش کے لبوں سے دلخراش چیخ
بلند ہوئی تھی۔

آریان خانزادہ نے اپنی سبز آنکھیں کھولتے
زر مش کو دیکھا جو تھر تھر کانپتے ہوئے اپنے

گالوں پر ہاتھ رکھے ہوئے چیخیں مار رہی تھی۔

وہ اسے پر سرار نگاہوں سے دیکھتے اپنے بھاری

قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

زرمش اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھتے زمین پر

بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اس کے قدموں نے اس کا

ساتھ چھوڑب تھا جیسے۔۔ وہ زمین پر دوڑا تو

بیٹھتے ہوئے اپنے گھٹنوں میں منہ چھپا گئی
آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اس کے
قریب پنجنوں کے بل بیٹھا۔
اب وہ اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو خون اشام
نگاہوں سے گھور رہا تھا۔
چہرہ اٹھاؤ مس خان!! آریان سرد لہجے میں

غرایا۔

زر مش کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔

چہرہ اٹھاؤ مس خان!! ورنہ میری سزا کے لیے

تیار رہو۔ وہ اب کی بار دھاڑا تھا۔

زر مش نے اسی لمحے اپنا چہرہ گھٹنوں سے نکالتے

ہوئے اپنے گالوں پر ہاتھ جمائے اس کی طرف

دیکھا۔

اسے اپنے گالوں پر ہاتھ رکھے دیکھ کر آریان
خانزادہ بری طرح سلگاتا تھا۔

ہاتھ ہٹاؤ اپنے گالوں سے مس خان۔ وہ سر دلہجے
میں پھنکارتے ہوئے اس کے ہاتھ اس کے گال
سے ایک جھٹکے سے ہٹا گیا

اب وہ گہری نگاہوں سے اس کے عارض کو دیکھ
رہا تھا جہاں سرخیاں چھائی تھیں۔ اس کے
ابھرے ہوئے گال گلاب کی طرح سرخ تھے۔
وہ اس کے عارض کو دیکھتے ہوئے سگریٹ کے
گہرے کش لینے لگا۔

وہ دروازے سے ٹیک لگائے آریان خانزادہ کو

خوفزدہ ہر فی سی سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔

لگتا ہے تمہیں یہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔
کیا خیال ہے اس کمرے کو ہمیشہ کے لیے تمہارا
ٹھکانہ نہ بنا دیا جائے؟؟۔ آریان خان زادہ نے
ڈسٹ سے اٹے کمرے کو استھڑائیہ نگاہوں سے

دیکھتے کہا۔

نن نہیں۔۔۔ مم نہیں تو مجھے یہ نہیں پسند۔۔۔ مم

مجھے اس کمرے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ زر مش

نے اٹکتے ہوئے بمشکل کہتے سر نفی میں ہلایا۔

دودن سے تو یہی کمرہ تمہارا مسکن ہے۔ وہ اس

کے چہرے کو بغور دیکھتے استہزائیہ مسکرایا تھا۔

تت۔۔۔ تم۔۔۔ سے۔۔۔ چھپ۔۔۔ رہی۔۔۔
تھی۔۔۔ تم۔۔۔ سے۔۔۔ زیادہ۔۔۔ ڈر لگتا۔۔۔
ہے۔۔۔ زر مش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے ہچکی لی۔
آریان خانزادہ نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔
زر مش نے لرزرتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھا یہ
قہقہے اسے آج بھی اس کی نیندیں اڑا دیتے تھے۔

تمہیں ابھی خود سے ڈرنے کا نہ جواز دیا ہے نہ
تمہارے ساتھ وہ کیا ہے جو میں کرنا چاہتا ہوں۔
وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
سرد لہجے میں بولا۔

کک کیا کرنا چاہتے ہو؟؟۔ زر مش کی آواز مزید
کھٹی تھی۔

میرا دل کرتا ہے تمہیں اتنا خوفزدہ کروں کہ تم
اگلی سانس نہ لے سکو اور وہ تب ہی ممکن ہے
جب تم سے نکاح کرتے تمہاری سانسیں گھوٹتے
تمہیں بتاؤں ایک مرد کو سہا آخر کیسے جاتا ہے؟؟
آریان خانزادہ نے اپنی دہکتی سانسیں اس کے تپتے
عارض پر چھوڑیں تمہیں۔

تت تم مجھ سے بھی نکاح نہیں کرو گے تم
بزاروں بار قسمیں کھا چکے ہو۔ زر مش نے
خو فرودہ لہجے میں جلدی سے اس کی قسمیں یاد
کروائی تھیں۔

زر مش کی بات پر آریان خانزادہ کا پھر سے قہقہہ
گونجاتھا۔

یہ تو ہے میں تم سے بھی نکاح نہیں کروں گا۔
کبھی نہیں!! تم جیسے ناپاک وجود سے مر کر بھی
آریان خانزادہ نکاح نہ کرے۔ آریان خانزادہ
نے اسے گھورتے ہوئے لفظ چبائے
آریان خانزادہ کی بات پر زرمش کھراسانس لیتے
ہوئے مسکراتے ہوئے اپنے عارض پر کرتے

آنسو صاف کر گئی تھی۔

وہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھتے سلگاتھا۔ آج
پہلی بار اس نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ
دیکھی تھی۔

اسی کمرے میں اگر تمہیں رات گزارنی پڑے تو

کیا کرو گی؟؟۔ آریاں خانزادہ نے سر دلچے میں
بولتے اپنے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ کو اپنی انگلی کے
پور سے مسلتے ہوئے زرمش کے عارض پر ہلکے
سے رکھا۔

زرمش اپنے گال پر ہاتھ رکھتے چیخ اٹھی تھی۔
چیخو گی نہیں مس خان!! ورنہ میں تمہارے

گالوں کے ساتھ کیا کروں گا تم اچھی طرح جانتی
ہو۔ آریان خانزادہ نے اس کے گال سے ہاتھ ہٹایا
جہاں اس کے سگریٹ سے بہت مدھم سا نشان
پڑا تھا۔

زر مش اب اسے سسکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔
بہت جلن ہو رہی ہے۔ آریان خانزادہ نے

مسکراتے ہوئے پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ جلن نہیں ہو رہی۔۔ زر مش

نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

پھر چیخنی کیوں؟؟ آریان خانزادہ نے بر فیلے لہجے

میں سوال داغا۔

ڈر گئی تھی میں۔۔ مم مجھے لگا تم مجھے تھپڑ مارو گے

زر مش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے سسکی لی۔
تھپڑ تو تباہ مارتا ہوں جب تم غلطی کرتی ہو آج تو
تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔ آریان خانزادہ نے
اس کے معصومیت بھرے چہرے کو دیکھتے لب
بھینچتے کہا تھا۔

کیا کام کرتی ہو یہاں پر؟؟ آریان خانزادہ نے سرد

لہجے میں سوال کیا۔

مم۔۔ میں۔۔ ڈاکٹر۔۔ ماہین۔۔ کی۔۔

اسسٹنٹ۔۔ ہوں۔۔ مم۔۔ میں۔۔

پیشینٹس۔۔ کے۔۔ بلڈ۔۔ سیمپل۔۔

لیتی۔۔ ہوں۔۔ زر مش نے اس کی سبز آنکھوں

میں دیکھتے اٹکتے ہوئے بمشکل بتایا تھا۔

آریان اس کی بات سنتے پر سرایت سے مسکراتے
ہوے زمین سے اٹھاتھا۔

کمرے میں موجود ٹیبل پر بڑا ایک انویلیپ پکڑتے
وہ زر مش کی طرف بڑھتے ہوئے پنجوں کے بل
بیٹھتے ہوئے وہ انویلیپ زر مش کی طرف
بڑھایا۔

زر مش نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ انویلیپ پکڑا
تھا۔

کھولو اسے!! آریان نے حکمیہ لہجے میں کہا تو
زر مش نے جلدی سے وہ کپکپاتے ہاتھوں سے
کھولا۔

اس کے اندر سنر نجر دیکھتے زر مش نے آریان کو

خو فرزدہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

بلڈ سمپل لیتی ہو تم!! آج تم اپنا بلڈ سمپل لو گی۔

آریان خانزادہ کی بات پر مزید خو فرزدہ ہوتے اس
نے سر نفی میں ہلایا۔

مم میں کک کیسے؟! زر مش شدت سے رودی
تھی۔

مجھے بتمہار ابلڈ سمپل چاہیے دیکھنا چاہتا ہوں
تمہارے خون کی رنگت کیا ہے؟؟ اگر وہ سیاہ ہوا
مجھے یقین ہو جائے گا تمہارے اندر حاکم خان اور
رائینہ خان کا خون ہے۔ اس بد کرار رائینہ اور
حاکم خان کا خون کا رنگ سیاہ ہی ہو سکتا ہے۔
آریان نفرت سے پھنکارا تھا۔

مگر۔۔۔ مم۔۔۔ میرے۔۔۔ خون۔۔۔ کا۔۔۔

رنگ۔۔۔ لال۔۔۔ ہے۔۔۔ تم۔۔۔ نے دیکھا

۔۔۔ ہے۔۔۔ کک۔۔۔ کتنی۔۔۔ بار۔۔۔

تو۔۔۔ تمھاری۔۔۔ قید۔۔۔ مجھے۔۔۔ زخم۔۔۔

لگے ہیں؟!۔۔۔ وہ بمشکل بولتے رو دی تھی۔

آریان خانزادہ نے اس کی بات پر اسے خون اتری

آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ایک سرج کو پیکٹ
سے نکالتے اپنی سیاہ شرٹ کی آستین کے کف
کھولتے ہوئے اپنی آستین کہنیوں سے اوپر فولڈ
کی۔ زر مش لرزتے ہوئے سہی نگاہوں سے
اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ کیا کرنے والا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ

blood thirst beast تھا جو کچھ بھی کر
سکتا تھا۔

آریان خانزادہ نے سرنج لیتے بے دردی سے اپنی
بازو کے وین میں پوری قوت سے مارتے ہوئے
پیوست کی تھی۔

زیر مش کے لبوں سے دلخراش چیخ برآمد ہوئی

نھی۔ وہ اپنا بلڈ سرنج میں بھرتے ہوئے زر مش
کی نگاہوں میں اپنی سبز آنکھیں گاڑھے ہوئے
تھا۔ زر مش سسکتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔
اب تم اپنا بلڈ خود لوگی۔ ورنہ میں ایک سیکنڈ میں
بناوین ڈھونڈے سرنج تمھاری کلائی میں اسی بے
رحمی سے پیوست کروں گا۔ آریان خانزادہ نے

لفظ چباتے پکٹ سے ایک نئی سرنج نکالتے
ہوے اس کی طرف بڑھائی۔ زر مش نے
کپکپاتے ہاتھ سے وہ سرنج لیتے اپنی آستین اوپر
کرتے زر مش نے اپنی کلائی کو دیکھتے وین تلاش
کرنے کی کوشش کی۔ وہ سسکاریاں بھرتے
ہوے اپنی وین تلاش کر رہی تھی۔ آریاں

خانزادہ کے خوف سے اسے وین نہیں مل رہی
تھی۔ وہ اپنی کلائی کو ایک ہاتھ سے جکڑے
روتے ہوئے وین تلاش کر رہی تھی۔
آریان سگریٹ کے گہرے کش لیتے اس کے
کیپکپاتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بنا وین ڈھونڈے
ہی اس کے خوف سے سرنج اپنی کلائی میں

پیوست کرنے لگی تھی۔

آریان خانزادہ لب بھینچتے اسی اس کی کلائی اسی
لمحے جکڑ گیا۔ زر مش نے خوفزدہ ہوتے اسے
دیکھا۔

آریان خانزادہ نے اس سے سرنج پکڑتے اس کی

کلائی تھاے انگوٹھے کا داؤڈا لے اس کی وین
تلاش کرتے ہوئے وہ سرنج بے حد نرمی سے
پیوست کرتے ہوئے بلڈ لیا۔ زر مش خوفزدہ سی
اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑے ہوئے تھی۔
آریان کے خوف سے اسے درد بھی نہیں ہوا تھا
آج کے لیے اتنی سزا کافی ہے۔ وہ سرنج زمین پر

مارتے ہوئے دھاڑا۔

زر مش پیچھے کو ہوتے دیوار میں سمائی تھی۔

میری بات سنو!! وہ سختی سے اس کا جبرہ دبوچ گیا
تھا۔

تم آئندہ مجھے اس ہسپتال میں نظر نہیں آؤ گی۔

ورنہ ہر دن تمہارا بدتر سے بدتر بنا دوں گا۔ وہ اس

کاجبڑہ خطرناک حد تک دبوچتے حکمیہ لہجے میں

تنبیہ کرتے غرایا

زر مش نے سسکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

آریان خانزادہ نے نفرت امیز نگاہوں سے اس

کی طرف دیکھتے اس کاجبڑہ چھوڑا

فون کرو حیدر خان کو بولو کہ آج تمہیں لیٹ ہو

جائے گا۔ وہ تھیں رات دس بجے لینے آئے۔
آریان کے حکم پر زرمش نے اپنے بیگ سے
جلدی سے موبائل نکالتے حیدر خان کا نمبر اسی
لمحے ڈائل کیا۔

لالا میں آج لیٹ ہو جاؤں گی دس بجے لینے آ
جائیے گا۔ ہاں ڈاکٹر ماہین کو کوئی کام ہے۔ وہ کہہ

رہی ہے آج میں ان کے ساتھ رکوں۔ وہ آریان
کی طرف خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بنا
رکے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے بول رہی تھی۔
میں ٹھیک ہوں لالا!!! زر مش نے اپنی ہچکی پر
قابو پاتے ہوئے کہا۔ زر مش نے فون بند کرتے
آریان حانزادہ کو دیکھا۔

چھ بجے چلی جاتی ہو تم یہاں سے! مگر آج اندھیرا
ہونے کے بعد بھی اس کمرے میں رہو گی تو
تمہیں پتہ چلے گا کہ آریاں خانزادہ سے تم چھپ
نہیں سکتی۔۔ وہ اپنی آستین فولد کرتے غراتے
ہوے کمرے میں لگے سو پیچ بورڈ کی طرف
بڑھتے ہوئے وہاں جلتی مدھم روشنی بجھا کیا۔

اب اس کمرے میں ہلکی ہلکی کھڑکیوں سے روشنی
نہ ہونے کے برابر آرہی تھی۔

تم یہاں سے ہلوگی بھی نہیں۔۔۔ اسی پوزیشن میں
بیٹھی رہوگی۔ آئندہ مجھے یہاں تمہاری شکل نظر
نہ آئے۔ ورنہ بہت برا حال کروں گا تمہارا۔ وہ
ایک ایک لفظ چباتے غراتے ہوئے وہاں سے چلا

کیا تھا۔

آریان خانزادہ ہاسپٹل میں اپنے کمرے میں چیر پر
بیٹھے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھے ہوئے
سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے ہوئے تھا۔
سکرین پر اس سٹور کا منظر نمایاں تھا۔ پہاڑوں پر

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اب اس کمرے میں صرف
تاریکی تھی۔ اس کا لرزتا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ وہ
پچھلے کئی گھنٹوں سے اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی
تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ چیختے ہوئے اپنے لبوں
پر ہاتھ رکھتی تھی اور پھر خاموش ہوتے اسی
طرح بیٹھ جاتی تھی جس طرح وہ اسے چھوڑ آیا

تھا۔ آریان خانزادہ کتنے ہی گھنٹوں سے لیپ
ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھے جلتا سگریٹ
لبوں میں دبائے ہوئے تھا۔ اس نے ایک منٹ
اپنی نگاہیں سکرین سے ہٹائی نہیں تھیں۔ سٹور
روم میں وائر لیس کیمرے اس نے ہی رکھے
تھے۔

یکدم وہ کرسی پر سیدھا ہوا تھا۔ سٹور روم کی
طرف اسے جاذب اغیار جاتا دکھائی دیا
آریان خانزادہ کی سبز آنکھوں میں سرخی گہری
ہوئی تھی۔

وہ جلتا سگریٹ مٹھی میں دبائے کرسی سے اٹھتا
تیزی سے کمرے سے نکلتا سٹور روم کی طرف

بڑھا تھا۔



جازل اغیار سٹور روم کا دروازہ کھول کر اندر
داخل ہوا ہی تھا۔ آریان خانزادہ بھی تیزی سے
اسی لمحے اندر داخل ہوا۔ زر مش اندھیرے میں
دوہیو لے دیکھتے چیخ پڑی تھی۔

مس زر مش آپ یہاں؟؟ جازل لغیار کی آواز
میں بے پناہ حیرانگی نمایاں تھی۔

اس سے پہلے وہ اس کی طرف بڑھتا۔ آریان
خانزادہ زر مش کو کلانی سے تھامتے کھڑا کرتے
اس کو خود میں سما چکا تھا۔ زر مش کی دھڑکنیں
آریان خانزادہ کے سینے میں دھڑکی تھیں۔ اس

نے آریان خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں دپوچتے
آریان کے ہیولے کو اس اندھیرے میں دیکھا۔
اس blood thirst beast کی خوشبو
سے وہ پہچان چکی تھی وہ وہی ہے۔

جازل لغیار نے بھی اس سٹور روم میں مردانہ
خوشبو محسوس کرتے اور دو ہیولے دیکھتے اپنے

موبائل کی ٹارچ ان کرتے سٹور روم کا بلب جلایا

کمرہ روشنی میں نہایا تھا۔

زر مش کو آریان خانزادہ کے اتنے قریب دیکھتے
اس کے جبرے بری طرح بھینچے تھے۔ وہ اس کی
شرٹ مٹھیوں میں جکڑے آریان خانزادہ کی سبز

آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے لرزتے ہوئے
کھڑی تھی۔

مس زر مش کیا ہوا ہے؟؟ وہ تیزی سے زر مش
کی طرف بڑھا اس سے پہلے وہ زر مش کو چھوتا۔
آریان خانزادہ اس کی کلائی بے دردی سے مڑوڑ
کیا۔ جازل کی چیخ پر زر مش کی بھی چیخ بلند ہوئی

نہی۔

شش!! آواز نہ آئے۔۔ کسی کے بھی درد پر تم
چینو گی نہیں اور کسی مرد کے درد پر تو بالکل
نہیں۔۔ وہ اپنے لبوں پر انگلی رکھتے اسے خاموش
کر گیا تھا۔ زر مش نے اسی لمحے اثبات میں سر
ہلایا۔

جازل اپنی کلائی دوسرے ہاتھ سے جکڑے
آریان خانزادہ کو خون اتری آنکھوں سے دیکھتے
گہرے سانس لے رہا تھا۔

آریان خانزادہ زرمش کو سائیڈ پر کرتے ہوئے
جازل کی طرف بڑھا

بہت سخت جان ہو تم!! میرے کلائی مڑوڑنے پر

بھی تمھاری کلائی سلامت ہے۔۔ آریاں خانزادہ
اس کی ہیزل کرے آنکھوں میں دیکھتے
پر سرایت سے مسکرایا تھا۔

ہوں سخت جان کیونکہ مرد ہوں۔ تمھارے ہاتھ
لگانے سے ایک عورت کی کلائی ٹوٹ سکتی ہے مگر
جازل لغیار لغاری کی نہیں۔ وہ جوابی کاروائی

کرتے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی سرد

آنکھیں گاڑھ کیا۔

ہممم ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ تمہاری یہ کلائی

ٹوٹتی ضرور اگر غلطی سے بھی ایک عورت کو چھو

جاتی تو۔ آریان خانزادہ اسے گھورتے ہوئے

زر مش کی کلائی بے دردی سے جکڑے سٹور

روم سے نکلتے باہر آیا تھا۔ شال اچھی طرح
اوڑھو مس خان!! وہ اس کے کندھے پر پڑی
شال دیکھتے غرایا

زر مش نے جلدی سے شال اپنے سر پر اوڑھ لی
تھی۔

وہ اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے اپنے

کمرے کی طرف بڑھا۔ اس وقت ادھر کوئی
نہیں تھا۔ اسی لیے وہ اس کی کلائی جکڑے اپنے
آفس کی طرف بڑھ گیا تھا
آفس میں داخل ہوتے آریاں خانزادہ نے اسے
بے دردی سے اپنے آفس کی کرسی پر دھکیلا۔
زر مش نے سیدھے ہوتے خوفزدہ نگاہوں سے

آریان کو دیکھا۔

جب تک حیدر نہیں آ جاتا تم یہیں میرے سامنے
بیٹھی رہو گی۔ وہ کرسی کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ
جماتے اس کی طرف جھکتے اس کی آنکھوں میں
دیکھتے غذا یا تھا۔

زر مش نے ڈڑتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا

آج کا دن یاد رکھنا! تم مجھے تم آئندہ اس ہسپتال
میں نظر نہ آؤ ورنہ تمہیں اس سٹور میں بند کر
کے باہر سے تالا لگا دوں گا۔ کوئی تمہیں وہاں سے
نکال نہیں سکے گا۔ اس سٹور میں چوہے چھپکلیاں
بھی چھوڑ دوں گا۔ آریان خانزادہ نے اسے
گھورتے لفظ چبائے۔ زر مش کی آنکھوں میں

خوف بڑھاتا تھا۔

وہ اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے اس کے
سامنے کرسی پر بیٹھا۔ کرسی سے ٹیک لگائے وہ
زر مش پر اپنی قہر بار نگاہیں گاڑ کر کیا تھا۔
زر مش سٹور میں ہے یہ جازل لغیار کو کیسے پتہ
چلی؟؟ وہ اپنی ہلکی گھنی بنیر ڈپر ہاتھ پھیرتے

اپنے سامنے بیٹھی زر مش کو قہر بارنگاہوں سے
گھورتے مسلسل سوچ رہا تھا۔

جازل اغیار! وہ ٹیبل پر مکہ مارتے دھاڑاٹھا۔
زر مش بری طرح اچھلی تھی۔

سیدھی بیٹھی رہو۔ آریان خانزادہ طیش والم سے
غرایا تھا۔

رمز جنون
تحریر نور آصف

قسط 14

یہ کیا کر رہی ہو؟؟ در خیزی خانزاہ نے ڈرائیو کرتے
اچھلتی سی نگاہ عنائے یہ پر ڈالی جو سیاہ چادر سے نقاب
کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ لوگ اس وقت

لکڑی کے پل سے گزر رہے تھے۔ نیچے بہتے دریا کا
شور تھا۔ در خزی خانزادہ کی گاڑی آرام سے اس پل کو
کراس کر رہی تھی۔ ایک گاڑی پیچھے گارڈز کی آرہی
تھی۔ جو ابھی اس پل پر نہیں جوہی تھی۔ ایک وقت
میں ایک ہی گاڑی اس پل سے گزر سکتی تھی

چہرہ ڈھانپ رہی ہوں۔ عنایتیہ نے جھنجھلاتے ہوئے
اپنا چہرہ ابرش کی طرح کور کرنے کی کوشش کی جو اس
سے ہو نہیں رہا تھا۔ درختی نے اسے بڑی سی چادر
میں لپٹے گہری گرم نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ کالج کے
یونیفارم میں ملبوس تھی جس پر سیاہ بڑی سی چادر

اوڑھے ہوئے تھی۔ پہلی مرتبہ دیکھا تھا اسے اس

طرح بڑی سی چادر میں لپٹے ہوئے۔

ہے مائی سوین!! میری جان اس کی ضرورت نہیں۔

در خزنئی خانزادہ گاڑی روکتے اس کے قریب ہوتے

اس کے چہرے سے نقاب نرمی سے اتار گیا۔

کیا مطلب ضرورت نہیں در خزئی! آپ نے خود ہی تو
کہا تھا کہ مجھے اس چادر سے خود کو ڈھانپنا ہے۔ آپی بھی
باہر نکلتے ہوئے ایسے ہی اپنے چہرے کو کور کرتی تھی۔
آپ تو مجھے گھونگھٹ نکال کر یہاں لے کر آئے تھے
۔ یاد ہے ناں آپ کو!! عنایتیہ نے در خزئی کی آنکھوں
میں دیکھتے کہا تھا۔ وہ اس پر مکمل جھکا ہوا تھا۔ در خزئی

کی نرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر بکھر رہی
تھیں۔ درخز کی خانزادہ کی اتنی نزدیکی پر وہ سرخ ہوئی
تھی۔ دھڑکنیں شدت سے سینے میں بجنا شروع ہو
چکی تھیں۔

تم نے اس چادر سے خود کو اتنا کور کر لیا میرے لیے یہ
بہت بڑی بات ہے۔ اگر تم کفر ٹیبل نہیں ہو تو

ضرورت نہیں میری جان!! در خزئی خانزادہ کے
جان کہنے پر عنائیہ کی دل کی دھڑکنوں نے اودھم مچایا
تھا۔ رنگت سرخ قندھاری ہوئی تھی۔ عارض پر
گھنیری پلکیں سجدہ ریز ہوئی تھیں۔

در خزئی خانزادہ نے جھکتے ہوئے اس کے گال پر اپنے
لب رکھے۔ عنائیہ کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی

نہیں۔

وہ اس کے گال پر اپنے لب شدت سے رکھے ہوئے
تھا۔ ابھی تک اپنے لب ہٹائے نہیں تھے۔ وہ شد و مد
سے وہاں اپنے لب رکھے اس کے گال کو اپنی زبان
سے گیلا کر رہا تھا۔

عنائیہ اس کے لمس پر بے یقین تھی۔ در خزئی خانزادہ
کے جسم سے اٹھتی خوشبو اسے بدحواس کر رہی تھی۔
در خزئی کا ایک ہاتھ اس کی چادر سے اندر اس کی
گردن سے ہوتا کچھ گہری استحقاق بھری گستاخیاں
کرتے اپنا حق جتا رہا تھا۔ بہت خوبصورت ہو تم ہر جگہ
سے مائی سوین!! میری جان میری زندگی!! وہ اسے

تھوڑا بے دردی سے اپنے ہاتھ چھوتے ہوئے اس کے
گال پر اپنے لبوں کا دباؤ بڑھا رہا تھا۔
عنایتیہ نے سسکی لیتے اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش
کی۔ درخزئی خانزادہ نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ
ہٹایا۔ مگر گال پر وہ ویسے ہی لب رکھے ہوئے تھا۔

جانتا ہوں بہت نازک ہے میری خوبصورت سی
کیوٹ سی وائیٹی! مگر اب یہ ناز کی ختم کرنی پڑے گی۔
اٹھارہ سال کی ہو چکی ہو۔ ایسا نہیں چلے گا کہ تم بار بار
میری قربت میں میرے ہاتھ جھٹکو گی میں برداشت
کروں گامائی سوین!! در خزنئی خانزادہ نے کھمبیر آواز

میں کہتے اس کے گلاب جیسے سرخ گال پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

کیا مطلب د۔۔۔ ر۔۔۔ خز۔۔۔ ٹی؟؟ عنائیہ نے اس کی
بات کا مطلب سمجھتے ہوئے گہرا تے ہوئے پوچھا۔
مطلب یہ میری جان مجھے لگ رہا ہے۔ تیس کا ہونے
سے پہلے مجھے دل کی بیماری ہو جانی ہے۔ اتنی

خوبصورت جوان بیوی ہے میری اور میری راتیں تنہا
گزر رہی ہیں۔ تکیے کے ساتھ لپٹ لپٹ کر میرے
صبر کی انتہا ہو چکی ہے۔ اب میں تکیے سے نہیں
تمھارے خوبصورت جسم کے ساتھ لپٹ کر سونا چاہتا
ہوں۔ میرے جواں جذبے اب میرے کنٹرول میں
نہیں رہے مائی سوین!!! ایسے ہی تم سے دور رہ کر پگھلتا

رہا دل کی بیماری کے ساتھ میری جوانی بھی ڈھل
جائے گی۔ در خزنئی نے اس کی براؤن آنکھوں میں
جھانکتے سرد آہ بھری تھی۔

عنایتیہ حیرانگی سے سرخ ہوتے در خزنئی کو دیکھ رہی
تھی۔ در خزنئی کی بے باک باتوں سے گالوں سے سیک
نکلنا شروع ہو چکا تھا۔

بات ہے یہ مائی سوین!! رات بہت بری گزری۔۔۔
تمھاری طلب نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ
ہوا میں آج بھی وہی سر پھر اخانزادہ ہوں جو تمھارے
لیے پاگل ہے۔ اب تمھارے حویلی میں ہوتے
ہوے بھی میں روز روز ایسے ہی غسل لوں کیا یہ بات
صحیح ہے؟؟ در خزنئی خانزادہ کی اتنی بے باک بات پر وہ

سرخ ہوتے بے اختیار سر لفی میں ہلا گئی تھی۔ عنائے
کے انداز پر در خزی کا برجستہ قہقہہ گونجتا تھا۔
عنائے نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں تھیں۔ وہ اسے
اتنے مہینوں بعد ایسے ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آج
وہ ویسا ہی لگ رہا تھا جیسے سوات میں تھا۔

ہائے مائی مس امریکن !! در خزنئی نے اس کے
آنکھیں جھپکنے پر دل پر ہاتھ رکھتے آہ بھری تھی۔ ع
تم نے بلی بٹن پر جو جو لری پہنی ہوئی ہے وہ چینج
ہوتی ہے ناں !! در خزنئی خانزادہ نے بھاری مخمور آواز
میں پوچھا۔

ہاں!! عنایتیہ نے سرخ پڑتے بمشکل ہی آواز نکالی
تھی۔

میں پھر بے حد خوبصورت ہیرے کی جیولری بنواؤں
گا وہاں کے لیے۔۔۔ در خزی خانزادہ نے اس کی چادر
کے اندر سے بے حد بے باک شرارت کی تھی۔

عنائیہ کی سانسیں رکی تھیں۔ پہلی مرتبہ اس نے اسے
یوں چھوا تھا۔ پیشانی پر موتی چمکے تھے۔
اب خود کو تیار کر لیا اچھی طرح میری جان!! جو
تمہیں خانزادوں سے ڈر لگتا ہے۔ دو دن بعد تمہیں
بتاؤں گا تمہارا ڈر بالکل جائز ہے۔

ہاں!! در خزئی کی بات پر اس نے گھبراتے ہوئے
نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

میری جان تم میری محبت میری قربت میری شدتیں
سہہ نہیں سکوگی بہت برا حال کروں گا تمہارا!!
در خزئی خانزادہ نے جھکتے ہوئے اس کی گردن پر اپنے

وانت شدت سے گاڑھے تھے۔ عنائیہ نے آنکھیں
موندے سسکی لی تھی۔

در خزئی خانزادہ نے مسکراتے ہوئے گاڑی سٹارٹ
سٹارٹ سٹارٹ کی۔

عنائیہ بدحواس ہوتے اودھم مچاتی دھڑکنوں کے
ساتھ سیٹ کی دوسری جانب کھسکی تھی۔ در خزئی کی

مردانہ خوشبو اس کے حواس سلب کر رہی تھی۔ اس
کی معنی خیز باتوں پر وہ سرخ قدمہاری الگ سے ہو رہی
تھی۔ دو دن بعد کا سوچ کر ہی دل خوف سے لرز رہا
تھا۔ وہ خود چاہتی تھی کہ درختی اس کے قریب
آئے۔ مگر اب وہ اس کی شدتوں کا سوچ کر ہی مرنے
والے ہو رہی تھی۔

در خزئی اسے بازو سے جکڑتے اپنے قریب کر گیا تھا۔
وہ اس کے کندھے سے آن لکرائی تھی۔ تم مجھے ابھی
جانتی نہیں مائی سوین!! جو میں اصل میں ہوں۔
در خزئی نے سٹیرنگ چھوڑتے اس کی طرف جھکتے
اس کان میں سرگوشی کی۔ عنایتیہ کی نگاہیں اب اس
لکڑی کے چرچراتے پل پر تھیں۔ وہ سٹیرنگ

چھوڑے ہوئے اس کے کان کی لوپر زبان پھیر رہا
تھا۔ اس کی بے باک باتوں اور بے باکی سے چھوٹنے
پر عنایتیہ کا دل ہتھیلی پر شدت سے دھڑک رہا تھا۔
جن سے محبت کرتا ہوں ان سے کبھی غافل نہیں ہوتا
نہ انھیں خود سے ایک پل کے لیے جدا کرتا ہوں۔
اب تمہیں اس در خزئی خانزادہ کو ہر پل ہر لمحہ سہنا ہو

گا۔ اپنے خان کی دہکتی سانسیں اپنے وجود پر برداشت
کرنی ہوں گی۔ اپنی گہرائیوں میں ہر پل اس چٹان
سے سخت پہاڑی خان کو سہن کرنا ہی ہو گا۔ در خیزی
خانزادہ کی دیوانگی بھری باتیں سنتے اور اس چراچراتے
خوفناک پل کو دیکھ کر ہی اس کے اعصاب بھاری ہو
رہے تھے۔

در خزنی!!! اس پل کے علاوہ کوئی راستہ نہیں جہاں
سے آپ مجھے کالج لے کر جاسکیں۔ عنایتیہ نے
روہانے ہوتے ونڈ سکرین پر خوف سے نگاہیں
جمائیں۔

ہے میری جان! کسی دن تمہیں اس راستے سے بھی
لے کر جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے تمہیں وہ راستہ اس

پل سے زیادہ پسند آئے گا۔ در خزنئی عنائیہ کے چہرے
پر خوف دیکھتے مسکراہٹ دبائے پر اسراریت سے
بولتے گاڑی کی سپیڈ ہلکی کر گیا۔ اس کی بیوی کو اس پل
سے خوف آتا تھا وہ سمجھتا تھا۔

در خزنئی اس کی ہاتھ پکڑے اس کی ہتھیلی پر لب رکھتے
ہوئے اب ڈرائیو کر رہا تھا۔ عنائیہ نے سرخ ہوتے

در خزنئی کو دیکھا در خزنئی نے مسکراتے ہوئے اسے
آنکھ و نک کی تھی۔ وہ جلدی سے رخ موڑے اپنی
طرف کے شیشے پر نظریں جما گئی۔ در خزنئی کے لبوں
سے فلگ شرکاف قہقہہ بلند ہوا تھا اس کے یوں سرخ
پڑنے پر !!

عنائیہ دوسری طرف چہرہ کرتے سرخ گلاب ہوتے
شر میلا سا گہرا مسکرائی تھی۔

در خزئی خانزادہ اس کے ہتھیلی مسلسل چومتے ہوئے
ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عنائیہ نے اپنی ہتھیلی چھڑوانے
کی کوشش کی۔ در خزئی اس کی ہتھیلی پر گرفت مضبوط
کرتے وہاں اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔ عنائیہ نے

روہانے ہوتے اس پل کو دیکھتے ہاتھ چھڑواتے اپنی
کوشش ترک کر دی تھی۔ وہ جتنا کیرنگ تھا اتنا جنونی
بھی تھا یا پھر جنونی بننے والا تھا۔

وہ اس کی ہتھیلی کو شدت سے چومتا اس خطرناک پل
پر ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ روز کیا اب ایسے ہی ڈرائیو نگ
کرتے اسے کالج چھوڑ کر آیا کرے گا۔ عنانیہ کی تو

سائیں رک رہی تھیں۔ اس کے ایک ہاتھ سے
ڈرائیونگ کرنے پر۔

ایسے ہی چھوڑ کر آیا کروں گا کالج مائی سوین!! وہ اسے
خود کی طرف کھینچتے سرگوشی کرتے آنکھ مار گیا تھا۔
وہ اس کے مضبوط کندھے سے پھر سے آن ٹکرائی
تھی۔ وہ اس کے گال پر اپنے سلگتے لب رکھ گیا تھا۔ ع

وہ اس کے دل کی بات کیسے جان گیا تھا۔ عنائتہ نے
آنکھیں پٹیٹائے اسے دیکھا۔ در خزئی اس کے
ایکسپریشن پر قہقہہ لگا گیا تھا۔ عنائتہ نروٹھے انداز میں
رخ موڑ گئی تھی۔ مگر اپنا ہاتھ نہیں چھڑوایا تھا وہ اب
اس کی ہتھیلی چومتے ڈرائیو کرتے مسلسل ہنس رہا تھا۔

حیدر خان کے ہاسپٹل کے باہر گاڑی روکنے پر وہ بری
طرح اچھلی تھی۔ حیدر خان نے پریشانی سے اسے
دیکھا۔ وہ دو دن سے بے حد گھبرائی سی تھی۔
کیا ہوا بیٹا؟؟ کیا بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی
ہے۔ مجھے کھل کر بتاؤ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ

کھڑا رہوں گا۔ حیدر خان نے اس کی ہاتھ پکڑتے بے
حد نرمی سے کہا۔

لالا! کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ زر مش نے نظریں
جھکائے اپنی آنکھوں میں اتری شبنم کو عارض کا حصہ
بننے سے روکا تھا۔

ہاسپٹل میں سب ڈاکٹرز مہارے ساتھ ٹھیک
ہیں؟!۔ کسی نے کچھ کہا تو نہیں۔

نن نہیں لالاسب بہت اچھے ہیں۔ مم میرا بہت خیال
رکھتے ہیں۔ حیدر خان کی بات پر زرمش نے نظریں
اٹھائے جلدی سے کہا تھا۔

بیٹا میں کمھاری پڑھائی جلد سٹارٹ کرواؤں گا۔ مگر
ابھی میں تمہیں خود سے دور نہیں کر سکتا۔ جب
تک تمہارے اندر وہ کانفیڈنس نہیں آ جاتا جو ساحر
خان کی زندگی میں تم میں تھا۔ تب تک میں تمہیں
دوسرے شہر یا باہر کے کسی ملک میں بھیجنے کا سوچ
بھی نہیں سکتا۔ بلکہ شاید اب کبھی تمہیں خود سے دور

نہیں کر سکتا بیٹا۔۔۔ مکھار الا لا تمھیں لے کر بہت
حساس ہو گیا ہے۔ تم میں میری جان بستی ہے۔ حیدر
خان نے نرمی سے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے اس
کے سر پر اپنے لب رکھے تھے۔
حیدر خان کی اتنی محبت پر زرمش کی آنکھوں سے
آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ ہچکیاں بھرتے

نظریں جھکائے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلنے لگ
گئی۔ زندگی میں اسے صرف حیدر خان کی محبت ہی ملی
تھی۔ ورنہ ساحر خان کی دھتکار سے وہ اپنی ساری
دوستوں تک سے دور ہو گئی تھی۔ اسے لگتا تھا سب
اس سے نفرت کرتے ہیں۔

لالا میں آپ کے پاس ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے کہیں
نہیں جانا۔ ادھر مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ زر مش نے سر
نفی میں ہلاتے حیدر خان کو یقین دلانے کی کوشش کی
۔ اگر وہ کبھی یہ بات جان لیا کہ اسے آریان خانزادہ
نے اپنی قید میں رکھا تھا تو حیدر خان کی محبت اعتماد وہ
سب کھودے گی۔ شاید وہ آریان خانزادہ کے ساتھ

ساتھ اسے بھی موت کے گھات اتار دے۔۔ وہ حیدر
خان کو دیکھتے سوچ رہی تھی۔ اس وحشی درندے کو
شاید کوئی نہیں مار سکتا وہ ہی میرے لالا کو مار دے گا۔
زر مش کی آنکھوں کے سامنے اس کے خوفناک
روپ آئے تھے۔ اس جیسا انسان نما جانور اس نے
آج تک نہیں دیکھا تھا۔

میرا بچہ ادھر بہت خوش ہے میں جانتا ہوں۔ پھر بھی
کوئی بات ہو کوئی کچھ بھی کہے اپنے لالا کو ضرور بتانا
ہے پھر تمہارا لالا دیکھ لے گا۔ حیدر خان نے نرمی
سے کہتے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

جی لالا! زر مش اپنی سیاہ چادر اچھی طرح سر پر جماتے
ہوئے گاڑی سے نکلتے تیز تیز قدموں سے ہاسپٹل کے

اندرد داخل ہو گئی تھی۔

وہ کوریڈور سے گزرتے ایک پلر کے پیچھے سماتے اس
سے ٹیک لگا گئی تھی۔ حیدر خان کے جانے کے بعد
اسے کیا کرنا تھا وہ جانتی تھی۔ آج اسے اس ہاسپٹل
میں پناہ نہیں لینی تھی بلکہ ہاسپٹل کے باہر کہیں پناہ
لینی تھی۔

حیدر خان کی کال پر زر مش نے اپنے بیگ سے فون
نکالتے کان سے لگایا۔

جی لالا پہنچ گئی ہوں۔ ڈاکٹر ماہین کے سامنے ہی بیٹھی
ہوئی ہوں۔ زر مش نے اپنی بھگی آواز پر بمشکل قابو
پایا تھا۔ کاش یہ **beast blood thirst** اس
کی زندگی میں نہ ہوتا۔ کاش وہ مر جائے۔

وہ حیدر خان سے جھوٹ بولتے اپنے آنسوؤں پر قابو
پاتے شدت سے دعا کر رہی تھی۔۔
فون بیگ میں ڈالنے کے بعد زر مش اپنی چادر سے
اچھی طرح اپنے چہرے کو کور کر گئی تھی۔ وہ اب تیز
تیز قدموں سے ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ کی طرف
بڑھ رہی تھی۔

اپنی گاڑی میں بیٹھے آریان خانزادہ کی سبز آنکھوں میں
غیض و اشتعال کی سرخی گہری ہوئی تھی۔ وہ آج
ہسپتال آئی یہ بات ہی اس کے تن بدن میں شعلے سے
دھکا چکی تھی۔ اب وہ ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ سے باہر
نکل گئی تھی۔ اس سے اس طرح بچ رہی تھی۔ وہ یعنی

اب وہ سڑکوں پر سارا دن پناہ لے گی یا پھر اپنا کوئی
عاشق بلار کھاتا تھا۔

آریان خانزادہ کی آنکھوں میں خون اتر اٹھا۔ آریان
خانزادہ نے غصے سے گاڑی سٹارٹ کرتے گاڑی
ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ پر ڈالی۔

اب وہ غصے سے جبرے بھینچے سڑک پر اپنی گاڑی دوڑا
رہا تھا۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

آریان خانزادہ کے وجود میں جیسے بار دو کے شعلے
بھڑکے تھے۔ وہ اس سڑک پر ہی اس کے سامنے گئی
تھی۔ اتنی جلدی وہ پیدل اس سڑک کو کراس نہیں
کر سکتی تھی۔ ہاسپٹل کا یہ پچھلا راستہ خطرناک تھا۔ یہ

راستہ لھنے خوفناک جنگل کی طرف جاتا تھا۔ اس
طرف لینڈ سلائیڈنگ بھی کافی ہوتی تھی۔ بہت کم
یہاں سے گاڑیاں گزرتی تھیں۔

کہاں گیا یہ ناپاک وجود؟؟ آریان خانزادہ اسے اس
سڑک پر نہ پا کر جیسے پاگل ہوا تھا۔ اسی سڑک پر وہ

اسے بے حال سی ملی تھی۔ وہ اسے اپنی حویلی لے گیا
تھا۔

اگر کوئی اور اسے ایسے لے گیا تو؟؟ یہ سوچ آتے اس
کے اندر مرچیں سی دہکی تھیں۔ وہ ایکسلیسٹر پر پاؤں
رکھتے جبرے بھینچتے ہوئے اپنے سلکی بالوں میں ضبط
سے انگلیاں پھیر گیا۔

وہ فل سپیڈ میں گاڑی دوڑائے ہوئے تھا۔ وہ اس
سڑک پر دور دور تک کہیں نہیں تھی۔ جیسے جیسے وہ
آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے اندر غیض و غضب کے
طوفان اُمڈ رہے تھے۔ اگر وہ اس کے سامنے ہوتی وہ
اس کے گالوں کا حشر لگاڑ دیتا۔ وہ جڑے بھینچتے
ہوئے اسے ہر جگہ تلاش کر رہا تھا۔ بیس منٹ ہو کے

تھے۔ وہ اسے تلاش نہ کر سکا تھا۔ اس کی نگاہوں سے
کچھ اوجھل ہو جائے یہ کیسے ممکن تھا؟؟۔ وہ کیسے
منٹوں میں چھلاوے کی طرح غائب ہو سکتی تھی؟!۔
وہ سٹیرنگ پر مکہ مارتے دانت پیستے ہوئے ڈرائیو کر رہا
تھا۔

پہلی مرتبہ اسے کل اس طرح خوفزدہ کرنے پر وہ
پچھتا رہا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اسے اپنے کسی ایکٹ پر
پچھتاوہ ہوا تھا۔ اذلان سکندر اس کی وجہ سے بے کے
کی قید میں تھا اسے ذرا سا پچھتاوہ نہیں تھا۔ مگر آج وہ
اسے کل خوفزدہ کرنے پر پچھتا رہا تھا۔ مگر اس نازک
ڈرے سہمے وجود کے لیے اس کے اندر غصے کے

طوفان امڈ رہے تھے۔ دل کر رہا تھا وہ اسے تہس نہس
کر کے رکھ دے۔ آریان خانزادہ کے پورے وجود کی
رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ کہاں ہو تم مس خان؟؟
چھوڑو گا نہیں آج تمہیں!! وہ حلق کے بل دھاڑا
تھا اس کی دھاڑ سے اس کی گاڑی تک لرزا اٹھی تھی۔

تم میری قید میں ہی ٹھیک تھی ناپاک وجود!! افسوس
ہو رہا ہے تمہیں آزاد کرنے پر!! افسوس ہو رہا مجھے
تمہیں یوں آزاد کرنے پر۔۔ وہ اپنے سلکی بالوں کو
دائیں بائیں پیشانی پر جھٹکتے ہوئے غرایا۔
مل جاؤ تم آج تمہارے گال تھپڑوں سے اس طرح
داغوں گا تم کبھی یوں سڑکوں کو اپنا مسکن نہیں بناؤ

گی۔ آریان نے خون اشام درندے کی طرح غراتے

ہوے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟؟ وہ کیسے کہیں جاسکتی ہے؟؟؟ جب

تک اس کے پاس کنوینس نہ ہو۔ کیا وہ کسی کی گاڑی

میں بیٹھ کر گئی ہے؟؟؟ یہ سوچ آتے آریان خانزادہ

کے خون میں چنگاریاں سی دہکی تھیں۔

نہیں چھوڑوں گا تمہیں اگر ایسا کچھ ہوا تو؟؟ کسی بھی
غیر مرد کی گاڑی میں بیٹھی تم۔۔ وہ پاگل ہوتا چیخا تھا۔
یکدم اس نے گاڑی روکی تھی۔

آریان خانزادہ کی نگاہوں سے کوئی بچ نہیں سکتا تھا۔
ایک باریک بال تک میری نظروں میں آ جاتا ہے تو وہ
کیسے میری نگاہوں سے یوں یوں لمحوں میں غائب ہو

سکتی ہے؟؟۔ وہ سٹیرنگ پر ایک ہاتھ جمائے چٹکیاں
بجاتے ہوئے غرایا تھا۔

آریان خانزادہ کی گاڑی اب پیچھے کی طرف بڑھ رہی
تھی۔

اس کی نگاہیں اس سیاہ انچل کی تلاش میں تھیں جو اس
کی آنکھ کے کیمرے میں جھلک دکھلاتے محفوظ ہوا

تھا۔

وہ ایکسلیسٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھاتے تیزی سے اپنی گاڑی
بیک پر لے کر جارہا تھا۔ نگاہیں ایک طرف گھنے جنگل
کی طرف تھیں۔

یکدم اسے گاڑی روکنی پڑی تھی۔ اس کے لبوں سے
قہقہہ بلند ہوا تھا۔ وہ سیاہ انچل اسے نظر آ گیا تھا۔ وہ

درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑی تھی۔
آریان خانزادہ نے جبرے بھینچتے ہوئے گاڑی کے
ہارن پر ہاتھ رکھا۔ زر مش جو درخت کے تنے کے
ساتھ ٹیک لگائے زمین پر پیٹھی تھی۔ گاڑی کے ہارن
پر وہ بری طرح اچھلی تھی۔

زر مش نے کھڑے ہوتے اپنا چہرہ ذرا سا باہر نکالتے
ہوے دیکھا اس کی سانسیں اٹکی تھیں۔ گاڑی میں
آریان خانزادہ کو دیکھ کر وہ پیچھے کو ہوتے منہ پر ہاتھ
رکھتے ٹیک لگا گئی۔ آریان خانزادہ وہ خوفزدہ ہر نی سی
سہی ہیزل گرے آنکھیں دیکھ چکا تھا۔

آریان نے جبرے بھینچتے ہوئے دوسری سائیڈ کا
شیشہ نیچے کیا۔ باہر آؤ مس خان۔ وہ حلق کے بل
دھاڑا تھا۔

وہ اس کی دھاڑ پر شدت سے لرزتے ہوئے اسی لمحے
درخت کے تنے کے اوٹ سے ہوتے ہوئے باہر
آتے آریان خانزادہ کی گاڑی کے سامنے آئی۔ وہ اس

کے سامنے کھڑے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔

آریان خانزادہ نے اسے سر دسرخ آنکھوں سے دیکھتے
گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ اپنے دونوں عارض پر ہاتھ رکھے چھوٹے چھوٹے
قدم بڑھاتے گاڑی کی طرف بڑھی۔

آریان اس کی بچگانی حرکتوں پر اپنے منہ پر ہاتھ
پھیرتے اپنے اندر سلگتے غصے کو بمشکل کنٹرول کر رہا

تھا۔

وہ اس کی گاڑی کی طرف بڑھتے یکدم سر نفی میں ہلا
گئی تھی۔۔ آریان خانزادہ کی سر دنگاہیں اس کے پیچھے

بڑھتے قدموں پر تھیں۔ یکدم وہ مڑتے ہوئے
سامنے نظر آتی سڑک پر برق رفتاری سے بھاگنے لگی۔
آریان خانزادہ کا غصہ اب ساتویں آسمان پر پہنچا تھا۔
اس کی حرکتیں بچکانہ ہی تھیں۔ وہ بھلا کیسے اس سے
بچ سکتی تھی؟؟

آریان نے غصے سے سر ہلاتے گاڑی سٹارٹ کی۔ وہ
اب بہت آہستگی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ اس کے
سامنے ہی سڑک پر کچھ فٹ کے فاصلے پر بھاگ رہی
تھی۔

وہ چاہتا تھا آج وہ اتنا دوڑانا چاہتا تھا تاکہ اس کا بھاگنے کا
شوق ختم ہو جائے۔

زر مش نے برق رفتاری سے بھاگتے ہوئے ڈرتے
ہوئے پیچھے دیکھا۔ آریان کی گاڑی کو بہت آہستگی سے
اپنی طرف بڑھتے دیکھتے وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ اس
سے دو فٹ کے فاصلے پر ہی گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ آریان
خانزادہ کی استھزائیہ مسکراہٹ کو دیکھتے روہانسی ہوئی
تھی۔

وہ اب سٹل کھڑے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔
جو استہزائیہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔
یکدم زر مش کا بیگ میں رکھا موبائل بج اٹھا تھا۔
زر مش نے جلدی سے موبائل نکالتے کان سے لگایا۔
بھاگو مس خان!! آج سارا دن ہم یہی گیم کھیلیں
گے۔ دیکھتا ہوں کتنا بھاگ سکتی ہو؟؟۔ زر مش نے

بے یقینی سے فون پر آریان خانزادہ کی آواز سنتے ونڈ
سکرین پر نگاہیں جمائیں۔ وہ سرد سپاٹ نگاہوں سے
اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

یکدم فون پر آریان خانزادہ کا قبضہ گونجا تھا۔ زر مش
فون کان سے لگائے ونڈ سکرین سے نظر آتے آریان
خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو قمقمے لگا رہا تھا۔

زر مش سرفی میں ہلاتے جنگل کی طرف اب بھاگی

تھی

آریان خانزادہ نے اپنی ہلکی گھنی بیرو ڈسہلاتے

ہوے بمشکل خود پر قابو پاتے گاڑی روکی۔ وہ اتنی بھی

معصوم نہیں تھی جتنی دکھتی تھی۔ آریان خانزادہ نے

غیض و اشتعال سے سٹیرنگ پر مکہ مارا۔ زر مش گھنے

جنگل میں داخل ہوتے ایک لھنے درخت کے تنے میں
سمائے اپنی اٹھل پٹھل سانسوں پر قابو پانے لگی۔
وہ گاڑی سے اترتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔
زر مش اس blood thirsty beast کی
بھاری قدموں کی دھمک سنتے اس نے اپنا چہرہ درخت
کے تنے سے باہر نکالا۔ وہ بلو جینز پر سیاہ بٹنوں والی

شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ آستین کہنیوں تک فولڈ کیے
ہوئے تھی۔ زر مش کی خوفزدہ آنکھیں اس کی
کلائیوں کی موٹی نیلی ابھری ہوئی رگوں پر تھیں۔
جب وہ بہت غصے میں ہوتا تھا اس کی رگیں پھولنا
شروع ہو جاتی تھی۔ وہ ذرا سا چہرہ نکالے خوفزدہ سی

ہوتے اس کے چوڑے وجود کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں
غیض و اشتعال کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

آریان خانزادہ کا خون آشام غصہ ہر حرکت میں چھپے
خطرے کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں
ایک جنونی چمک تھی، جیسے وہ شکار کے لیے گھات
لگائے بیٹھا ہو۔ گاڑی سے نکلتے ہی اس کا قد بلند،

قد آور اور ظاہری طور پر بے رحمانہ تھا، جو زرمش کی
دھڑکنوں کو تیز کر رہا تھا۔

زرمش کی سانسیں بے قابو ہو گئیں، اس کا دل بے
روک دھڑک رہا تھا، خوف اور گھٹن کا احساس اس
کے پورے جسم میں سرایت کر چکا تھا۔ آریان کے
قریب آنے پر اس کی ہمت ٹوٹنے لگی تھی، مگر وہ ایک

لمحے کو بھی پیچھے نہیں ہٹی۔ جیسے وہ وحشی درندے
سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو، لیکن حقیقت میں
اس کے اندر چھپے خوف نے اسے مکمل طور پر بے بس
کر دیا تھا۔

آریان کا قدم قدم زر مش کو دھیمامگر پر خطر پیغام
دے رہا تھا۔ وہ اب خوفزدہ ہوتے تیزی سے جنگل کی

طرف دوڑ لگا چکی تھی۔

آریان خانزادہ جڑے بھینچتے ہوئے تیز تیز قدم
اٹھاتا اس کی طرف بڑھا۔ آگے گھنی خاردار جھاڑیاں
تھیں۔

زر مش کافراک اس جھاڑی میں الٹا۔ وہ بنا پرواہ
کیے بھاگی تھی۔ فراک پیچھے سے پھٹتے خاردار جھاڑی

میں اٹک چکا تھا۔ سبز فراک شیفون کا تھا۔ جو پیچھے
سے کافی پھٹ چکا تھا۔ اس کی شال کندھوں پر تھی۔
اس کی دودھیا کمر واضح ہوئی تھی۔ آریان یہ دیکھتا
جبرے بھینچتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے۔ اس کا
فراک ان خاردار لیس کانٹوں سے بھری جھاڑی سے
چھڑوایا۔ ورنہ پورا فراک اس خاردار جھاڑی کی زینت

بنت اس کے بدن سے اتر جانا تھا۔ بہت سے کانٹے اس کے ہاتھ کوز خمی کر کے تھے۔ وہ پرواہ کیے بغیر اس کی فراک چھڑواتے اس کی شال اس کے وجود پر پیچھے کی طرف اوڑھاتے اسے درخت کے تنے میں بچ گیا تھا۔ وہ خوفزدہ ہوتے اپنے گالوں پر دونوں ہاتھ جماتے چیخ اٹھی تھی۔ آریان خانزادہ یہ دیکھتے اپنی مٹھیاں دبوج

کیا تھا۔ اکروہ اپنے گالوں پر ہاتھ نہ رکتی شاید اس کا
ہاتھ اٹھ جاتا۔

اس کا یہاں اس گھنے جنگل میں چھپنا آریان خانزادہ
کے اندر غصے کی لہریں دوڑا رہا تھا۔

کیا کر رہی ہو یہاں پر؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے
خوبصورت نقوش کو قہر بارنگاہوں سے گھورتے

ہوے استفسار کیا۔

-- چھپ -- رہی -- تھی -- تت -- تم -- سے !!
زر مش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے روانی سے
جواب دیا۔ وہ اس کے جواب پر دانت کچکچا گیا تھا۔
کیا کہا تھا تمہیں میں نے کہ تم ہاسپٹل نہیں آؤ گی

کیوں آئی؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے ہیزل گرے
آنکھوں میں اپنی سبز آنکھیں گاڑھے لفظ چبائے آئی
برواچکائے۔

لالا۔۔۔ کی۔۔۔ وجہ۔۔۔ سے۔۔۔ لالا۔۔۔ کک۔۔۔
کیا۔۔۔ کہوں۔۔۔ وہ۔۔۔ سمجھ۔۔۔ نہیں۔۔۔ آرہا۔۔۔
تھا۔۔۔ مم۔۔۔ آج۔۔۔ ہی۔۔۔ کوئی۔۔۔ بہانہ۔۔۔ سوچ۔۔۔

کر۔۔ لالا۔۔ سے۔۔ کہہ۔۔ دوں۔۔ گی۔۔ مم۔۔
مجھے۔۔ اس۔۔ ہسپتال۔۔ نہیں۔۔ آنا۔۔ مم۔۔
مجھے۔۔ جانے۔۔ دو۔۔ پلیز۔۔ مجھے۔۔ واپس۔۔
اپنی۔۔ قید۔۔ میں۔۔ مت۔۔ لے۔۔ کر۔۔
جانا۔۔ میں۔۔ وعدہ۔۔ کرتی۔۔ ہوں۔۔ میں۔۔
کبھی۔۔ تت۔۔ تمہارے۔۔ سامنے۔۔ نہیں۔۔ آؤں

گی۔ زر مش نے روتے ہوئے التجا کی۔ اسی سڑک پر تو
اسے پہلے ملی تھی۔

وہ اس کے سامنے والے درخت سے ٹیک لگائے
سگریٹ سلگائے اس پر اپنی خون اشام نگاہیں گاڑھے
ہوئے تھا۔

کیا کہو گی اپنے لالا سے؟؟ آریان خانزادہ نے سگریٹ

کا گہرا کش لیتے ہوئے استفسار کیا۔

ڈاکٹر جازل کہہ رہے تھے کہ ان کے بہت کانٹیکٹس
ہیں۔ وہ مم مجھے سوات کے کسی دوسرے ہاسپٹل میں
کام دلوا دیں گے۔ وہ اپنی شفٹنگ بھی ادھر کر رہے
ہیں۔ میں لالا سے کہہ دوں گی کہ سر شہرام نے وہ
ہاسپٹل Recommend کیا ہے۔ زرمش کے

لبوں سے جازل کا نام سنتے وہ درخت سے ٹیک چھوڑ
چکا تھا۔ ایک عجیب سی آگ دہکی تھی اس کے وجود
میں !! جازل اس کی وجہ سے کسی اور ہاسپٹل میں
شفٹنگ کر رہا تھا لیکن کیوں؟؟
کہاں بات ہوتی ہے تمھاری جازل سے؟؟ آریان
خانزادہ نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تھا۔

مگر جلتا سگریٹ وہ کانٹوں سے پیوست اپنی زخمی
ہتھیلی میں دبوچ کیا تھا۔ ساحر کا نام سنتے بھی اسے
ایسے آگ لگتی تھی۔ وہ ڈاکٹر جازل سے بات کرتی ہے
وہ جیسے بارود کا گولہ بنا تھا۔

کل رات کال کی تھی انہوں نے؟؟۔ زر مش نے
آہستگی سے کہتے اپنے عارض اپنے رکھے ہاتھوں کا

دباؤ بڑھایا تھا۔

کال کرتا ہے وہ تمہیں؟؟ آریان خانزادہ کے حلق
سے پہلی مرتبہ آواز نہیں نکلی تھی۔ عجب سی کھولن
اس کے وجود کا حصہ بنی تھی۔ آگ ہی آگ اسے اپنے
گرد محسوس ہوئی تھی۔ دل کیا تھا سامنے کھڑے وجود
کو آگ لگا دے۔ بہت بار دل کیا تھا مقابل کو بہت بے

رحم موت دے۔ مگر آج تو دل کر رہا تھا اس کی بوٹی
بوٹی کر دے۔ آج کوئی بدلہ کوئی نفرت اس کے وجود
کا حصہ بنے اسے یہ سب کرنے پر مجبور نہیں کر رہی
تھی۔ آج وہ آگ تھی جو اس کے اندر بھانپھڑ سی جلا
چکی تھی۔ دکھتا تندور سا بنا تھا۔
کل پہلی مرتبہ کی تھی۔۔۔ زر مش نے اس کے سرخ

پڑتے چہرے کو دیکھتے بمشکل ہی کہا تھا۔
نمبر کب دیا تم نے اسے؟؟ وہ کافی آہستگی مگر بے حد
برفیلے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔ نظریں اب زر مش پر
نہیں تھیں۔ وہ سگریٹ کے کش لیتے غیر مرنی نقطے
پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔
میں نے نہیں دیا۔ زر مش نے ہچکی لیتے سر نفی میں

ہلایا۔ آریان خانزادہ کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ اس
کا لہجہ اتنا بر فیلا اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔
بر فیلی آواز عجب سی پیش لیے ہوئے تھی۔۔۔ پیش
ذوہ عجب سی ٹھنڈک تھی مقابل کے لہجے میں کہ جو
گرمی اور سردی کا احساس لیے زر مش کی ہڈیوں میں
اترتے اس کا خون بیک وقت گرم اور ٹھنڈا کر رہا تھا۔

موبائل دو مجھے اپنا !!

لک کیوں؟؟ آریان خانزادہ کی بات پر وہ حیران ہوتی
سوال کر گئی تھی۔

موبائل دو اپنا مجھے !! ورنہ آگ لگا دوں گا تمہیں وہ
حلق کے بل دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ جنگل میں گونجتے
خوفناک ساسماں پیدا کر گئی تھی۔ زڑ مش نے جلدی

سے کپکپاتے ہوئے اپنے بیگ سے موبائل نکالتے
ہوئے اس کی طرف کپکپاتے ہاتھ سے بڑھایا۔
آریان خانزادہ نے اسے قہر بارنگاہوں سے گھورتے
موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹا
اس کا موبائل لیتے وہ ایک سیکنڈ میں اس کا لاک کھول
کیا تھا۔

آئندہ تم کسی سے بھی نمبر پر کسی سے بھی کال سے
بات نہیں کرو گی
ڈاکٹر جاذل کا نمبر کانٹیکٹ لسٹ سے بلاک کرتے
ہوے اس نے موبائل زر مش کی طرف بڑھایا۔
زر مش نے حیرانگی سے موبائل اس کے ہاتھ سے
پکڑا۔ اس نے کیسے اس کالا کڈ موبائل کھولا تھا۔

لالا سے بھی بات نہیں کروں گی کیا؟! زر مش نے
معصومیت سے سوال کیا۔

وہ اس کے معصوم نقوش اور اس کے اتنے معصوم بننے
پر جبرے بھینچتے اس کے گرد رخت کے تنے پر
ہاتھ جمائے اسے محصور کر گیا۔

زر مش اٹکتی سانسوں سے اسے خوفزدہ نگاہوں سے

دیکھتے اپنی سانس ممل روک گئی۔

اتنی معصوم نہیں ہو تم یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔

پہلے وہ ساحر عاشق تھا اور اب یہ۔۔۔۔۔ وہ اس کے

گرد دیوار پر ہاتھ مارتے ہوئے غرایا تھا۔

لک کون یہ؟؟ زرمش نے شبینہ آنکھوں سے دیکھتے

استفسار کیا۔ وہ اس کے سوال پر جاذل کا نام نہ لے سکا

تھا۔ کوئی کیسے اس کا عاشق ہو سکتا تھا۔ نہ وہ ساحر نہ وہ
جاذب۔۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں خون اتر رہا
تھا۔

آج میرا دل کر رہا ہے تمہیں اس درخت کے تنے
کے ساتھ باندھ کر چلا جاؤں۔ مڈنایت سے ڈر لگا تھا
نہ تمہیں اور ٹائیگر سے ڈرتی ہوناں تم۔۔ آریان کے

سوال پر زرمش نے خوفزدہ ہوتے اپنی گردن ہلائی
تھی۔

یہاں بہت ہی خوفناک مڈ نائٹ اور ٹائیگر ہیں جو
تمھیں اندھیرا ہونے سے پہلے تمھیں اپنی خوراک بنا
لیں گے۔ وہ دہکتے لہجے میں اس کے خوبصورت
چہرے کو دیکھتے غرایا۔

نہیں پپ پپ پلینزن۔۔ نہیں۔۔ مم۔۔ مجھے مت
باندھنا۔ اس درخت۔ میں کل سے نہیں آؤں گی
ہاسپٹل۔۔ زر مش نے سرنفی میں ہلاتے اس کی
شرٹ مٹھیوں میں دبوچتے منت بھرے لہجے میں
فریاد کی۔ وہ بہت بے رحم تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اپنے
بدلے اور نفرت کی آگ میں سب کچھ کر سکتا تھا۔

آؤگی تم ہا سپٹل۔۔ آؤگی ہا سپٹل تم۔ اب تم ہر روز
میری نظروں کے سامنے ہوگی۔ ایک پل کے لیے
او جھل نہیں ہوگی۔ وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں
میں دیکھتے سرد بر فیلے لہجے میں غرایا تھا۔

زر مش اس کے نئے حکم پر خوف سے رونا شروع ہو
چکی تھی۔ وہ اسی لمحے فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ اس

blood thirst beast کے سامنے نہیں

آئے گی اور وہ اسے ہر پل اپنی نگاہوں کے سامنے

رکھنے کی بات کر رہا تھا۔

نہیں۔۔ آریان۔۔ ایسا۔۔ نہیں۔۔ ہو سکتا۔۔ مم

۔۔ تمہارے۔۔ سامنے۔۔ ہر۔۔ بل۔۔ رہوں۔۔

گی۔۔ میری۔۔ سانسیں۔۔ رک۔۔ جائیں۔۔

گی۔

زرمش اس کے حکم پر ہدیائی ہوئی تھی۔

کس کے سامنے رہنا چاہتی ہو؟؟ اس جاذب کے سامنے

ہاں!!! پہلی بار مقابل نازک وجود کا اتنا ڈر ناخو فرودہ

ہونا اس کے اعصاب بھاری کر چکا تھا۔ سانسوں میں

عجب سی آگ دہکی تھی

میں۔۔ کسی۔۔ کے۔۔ سامنے۔۔ نہیں۔۔ رہوں
۔۔ گی۔۔ میں۔۔ گھر۔۔ سے۔۔ ہی۔۔ نہیں۔۔
نکلوں۔۔ گی۔۔ زر مش اس کی دہکتی سانسوں پر
گھبراتے ہوئے آنکھیں میچ گئی
اب تم صرف میری نگاہوں کے سامنے رہو گی مس
خان!! وہ اس لفظ چباتے اسے کلائی سے جکڑے اپنی

گاڑی کی طرف بڑھاتا تھا۔ زر مش اس کے سخت حصار
میں اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی گئی تھی۔

وہ اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے بے دردی سے اندر
دھکیل چکا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے آریان خان زادہ نے گاڑی
سٹارٹ کی۔ وہ اب غصے سے بہت تیزی سے گاڑی

ڈرائیو کر رہا تھا۔ زر مش گاڑی کے دروازے میں
سمائے ہرپل اس وحشی درندے کے سامنے رہنے کا
سوچ کر ہی اپنے حواس کھو رہی تھی۔ گاڑی ہاسپٹل
کے سامنے آکر رکی تھی۔ زر مش نے اسے التجائیہ
نگاہوں سے دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔
اتر و گاڑی سے آج سے تم میری اسٹنٹ ہو۔ وہ اس

کے کان میں صور پھونکتا گاڑی سے اتر چکا تھا۔
زر مش اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتی ہوئی شال سر پر
جمائے گاڑی سے اترتے ہوئے لرزتے قدموں سے
اس کے پیچھے بڑھی تھی۔ وہ بہت آہستگی سے اس
کے چوڑے وجود کو دیکھتے قدم بڑھا رہی تھی۔
میرے ساتھ چلیں مس خان!! میری اسٹنٹ ہیں

آج سے آپ!! ایک اسٹنٹ کا کام ہوتا ہے اپنے سر کو
اسٹ کرنا۔ آج سے آپ مجھے اسسٹ کریں گی۔ اب
میں تمہیں بتاؤں گا ڈاکٹری اصل میں ہوتی کیا ہے؟؟
وہ اس کی طرف مڑتے لفظ چباتے ہوئے اپنے آفس
کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زر مش کانپتے ہوئے اس کے پیچھے آفس میں داخل

ہوئی تھی۔ وہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے تھوڑا جھکے
گلاس ونڈو سے نظر آتے سر سبز پہاڑوں کو گھورتے
گہرے سانس لے رہا تھا۔ جاذل نے اسے فون کیوں
کیا؟؟ وہ چاہتا کیا تھا وہ دہکنے کے ساتھ پریشان ہوا
تھا۔

یہ جاذل اغیار لغاری آخر تھا کون؟؟ اس کی طرح

ایجنٹ تھا یا پھر کسی کا مہرہ یا پھر سچ میں ڈاکٹر تھا جو
زر مش کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ آخری بات
اس کے سینے میں ایندھن جلا چکی تھی۔
اسے پہلی دو باتوں سے خوفزدہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ
اپنی آخری سوچ پر پاگل ہوا تھا۔ اس کی سانسیں تیز
ہوئی تھیں۔

اس نازک وجود کے لیے اس کے اندر ایسا غصہ ایسے
بھانپھڑ جلے تھے۔ وہ اس کی قبر اپنے ہاتھوں سے
کھودنے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔

اس کی ایک غلطی کی وجہ سے ازلان سکندر جے کے
کی قید میں تھا۔ جے کہ اسے کیسی کیسی اذیتیں دے رہا
ہوگا؟؟؟ مرنے سے بدتر حالت کر دی ہوگی اس کی۔

وہ قید کی صعوبتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ ایسی
کئی قیدیں اس نے کاٹی ہوئی تھیں۔

آہہ! آریان نے چیختے ہوئے ٹیبل پر پڑی تمام فایلز
نیچے پھینکی تھیں۔

زر مش اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی چیخ روکتے پیچھے
کو ہوتے دروازے میں سمائی تھی۔ آریان خانزادہ نے

اس کی دبی چیخ پر غصے سے مڑتے ہوئے اسے دیکھا۔
وہ تھر تھر کانپتے کھڑی تھی۔ اس کے دیکھنے پر وہ اپنے
گالوں پر ہاتھ جما گئی تھیں۔ آریان اس کی حرکت پر
اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا
جاؤ ڈاکٹر ماہین کے پاس!! ان کے علاوہ کسی کے پاس
نظر نہ آؤ مجھے۔ آریان خانزادہ نے خون اتری نگاہ

سے اسے دیکھتے سر دلچے میں تبسیہ کی۔

جج۔۔۔ جی۔۔۔ سر۔۔۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے

جلدی سے دروازہ کھولتے بھاگتے ہوئے ڈاکٹر ماہین

کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ آریان خانزادہ

نے بند ہوتے دروازے اسے بھاگتے ہوئے دیکھتے

اپنے جبرے بری طرح بھینچتے اپنے سامنے بڑی

کرسی کو پوری قوت سے ٹانگ ماری۔ کرسی الٹنے
ہوے دور جا کر رہ گئی تھی۔ وہ بمشکل خود پر قابو پا رہا
تھا۔

جاذب اغیار الغاری!! آریان خان زادہ نے چیختے ہوئے
کرسی اٹھا کر دیوار پر دے ماری تھی۔

رضا خان کی حویلی کے بہت بڑے لان میں اس کے
بیٹے داور خان کی مہندی کا فنکشن منعقد تھا۔

بڑے بڑے سالم دے روٹ کیے جا رہے تھے۔

مختلف قسم کا لائیو مینیو چل رہا تھا۔ جس میں سر

فہرست سالم دے بنے تھے۔ الماس خان اور زاویار

خانزادہ کب سے فائرنگ کر رہے تھے۔ جس میں

ان کے بہت سے دوست ساتھ دے رہے تھے۔ رضا
خان کی عالیشان حویلی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج
رہی تھی۔۔۔ رضا خان اپنے دوست مصطفیٰ ملک کے
ساتھ بیٹھے یہ دیکھتے انجوائے کر رہا تھا۔

بہت اچھا لگ رہا ہے مرتضیٰ تم میرے علاقے میں
اپنے خاندان کو لے کر آئے۔۔۔ رضا خان کی بات پر

مر تفضی ملک کا قہقہہ گونجاتھا۔

کتنی بار کہو گے یہ تم مجھ سے!! سنا تھا تم پٹھان بہت
مہمان نواز ہو آج دیکھ بھی لیا۔ اتنی محبت اتنی عزت
اتنی شاندار دعوتیں بہت انجوائے کیا ہے میں نے۔
مصطفیٰ ملک نے کہتے رضا خان کے گٹھنے پر ہاتھ رکھا۔
دونوں آگ جلانے کر سیوں پر ایک دوسرے کے

ساتھ بیٹھے تھے۔

یہ تمھارا بڑا پین ہے جو یہ سب کہہ رہے ہو۔ ورنہ
اتنے بڑے بزنس مین کا کلام میں قدم رکھنا ہمارے
لیے اعزاز کی بات ہے۔ رضا خان کی بات پر پھر سے
مصطفیٰ ملک کا قہقہہ گونجنا تھا۔
میری نظر میں کچھ دن پہلے تم غریب تھے رضا خان۔

- یہاں آکر پتہ چلا تم تو مجھ سے بھی دوہاتھ آگے ہو۔
مصطفیٰ ملک نے رضا خان کی عالیشان حویلی کی طرف
نظریں دوڑاتے کہا تو اس بار رضا خان کا قہقہہ بلند ہوا
تھا۔ مصطفیٰ ملک ہنستے ہوئے اپنی نگاہیں سامنے
کھڑے سیاہ لباس میں ملبوس زاویار خان زادہ پر گاڑھ گیا
۔ جو ہنستے ہوئے کب سے آسمان میں فایر کر رہا تھا۔

یہ کون ہے؟؟ مصطفیٰ ملک نے ہاتھ میں پکڑے
مشروب کے گلاس کو لبوں سے لگاتے زاویار کی
طرف اشارہ کرتے پوچھا جو مصطفیٰ ملک کو بے حد تیز
طرار مغرور سا لگاتا تھا۔

بہت ٹیڑھی چیز ہے نہ ہی جانو تو بہتر ہو گا۔ رضا خان
زاویار خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

وہ تو لگ رہا ہے داور خان سے دوستی کیسے ہو گئی۔

مرتضیٰ ملک نے زاویار خان زادہ کے بارعب مغرور
نقوش کو دیکھتے پوچھا

دوستی کا کیا ہے وہ ہو جاتی۔ وہ تو لاہور کے رہنے والے

مصطفیٰ ملک اور کلام میں رہنے والے رضا خان سے

بھی ہو جاتی ہے۔ یہ تو دونوں کلام کے رہنے والے

ہیں۔ رضا خان مسکرایا تھا۔ مرتضیٰ ملک مسکراتے
ہوئے اثبات سر میں ہلائے مشروب کو پینے لگا۔

عائش ملک رضا خان کی حویلی کے سٹنگ ایریا میں
کھڑی گلاس ونڈوسے لان میں نظریں جمائے کھڑی
تھی۔ اس وقت وہ گرین کلر کے ہیوی کامدار والے

بے حد خوبصورت فراک میں ملبوس بغیر کسی دوپٹے
کے کھڑی تھی۔ اس کے سنہرے بے حد سلکی
خوبصورت بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔
نیلی گہری بے حد خوبصورت آنکھوں پر ہلکا سا میک
اپ اس کی آنکھوں کو خطرناک حد تک خوبصورت بنا
کیا تھا۔

پنک لپ سٹک لگائے وہ اتنی خوبصورت لگ رہی
تھی۔ اس پر نگاہیں ٹکانا مشکل ہو رہا تھا۔ سبز فرائ
میں اس کے خوبصورت نشیب و فراز تو پانی میں جیسے
آگ لگائے ہوئے تھے۔ اس کا سنگ مرمر سا جسم تو
قیامت سی بجلیاں گرا رہا تھا۔
وہ گلاس ونڈو سے نظر آتے زاویہ خانزادہ پر کب سے

اپنی شرر بار نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔

زاویار خانزادہ کو دیکھتے اس کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

اللہ اللہ خائستہ !!! اس لڑکی کو ادھر سے دور کرو۔ دیکھو

ذرا اس کو بغیر کسی چادر کے کب سے یہ باہر دیکھ رہا

ہے۔ اوپر سے پری کی طرح خوبصورت ہے۔ باہر

کھڑے مردوں کو تو چھوڑو کوئی جن عاشق ہو گیا تو کیا

کرے گا ہم؟؟۔ ادھر کا مہمان ہے یہ!! محزالہ خانم
پریشانی سے بولی تو خائستہ کی ہنسی کی جھنکار گونجی تھی۔
مورے کیسی باتیں کر رہا ہے تم؟؟ یہاں جن کہاں
سے آگیا؟! دریا پر جاؤ تب بھی تم یہی کہتا ہے وہاں
جن ہوگا۔ پہاڑوں پر غلطی سے چلا جاؤ تب بھی یہی
کہتا ہے۔ وہ پیچارہ مہمان ہے ادھر کا۔ وہ ادھر اس

حویلی میں بند رہنے کو تو نہیں آیا۔۔ یہ ڈروا ہم کو دیا
کرو۔ وہ شہر کالڑکی ہے وہ نہیں ڈرتا۔ خلیستہ نے ہنستے
ہوے کہا تھا۔

ادھر اگر جن نہ بھی ہوا کسی مرد نے دیکھ لیا خوا مخواہ
بھڑ بھڑ کرے گا۔ اس کو پیچھے کرو اور اس کو دوپٹہ بھی
اوڑھاؤ۔ محزالہ خانم غصے سے بولتے چلی گئی تھیں۔

خالیستہ اپنے سر پر دوپٹہ اچھی طرح اوڑھے عایش کی
طرف بڑھی۔

کیا کر رہا ہے تم ادھر؟؟ مورے بہت بول کر گیا ہے۔
اور باقی مہمان عورت بھی تمہیں ایسے دیکھ کر بہت
باتیں کر رہا ہے۔ خالیستہ نے عایش ملک کے
خوبصورت چہرے کو دیکھتے کہا۔

who cares

عائش نے کندھے اچکائے تھے۔

کیا مطلب؟؟ خائستہ نے نا سمجھی سے پوچھا۔

چھوڑو مطلب کو؟؟ یہ بتاؤ یہ زاویار خانزادہ ہے کون؟

؟ عائش ملک نے زاویار کو گھورتے ہوئے پوچھا جو

کب سے آسمان میں فائرنگ کر رہا تھا۔

ہائے اللہ تم اس زاویہ خانزادہ کو دیکھ رہا تھا تب
سے؟؟۔ خلیستہ نے حیران ہوتے گالوں کو ہاتھ
لگائے۔

کیا ہوا ہے؟؟ تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے یہ
موصوف کوئی جن بھوت ہے۔ عایشہ استھزائیہ ہنسی
تھی

اللہ عالیٰ !! جن بھوت قسم سے اس زاویار
خانزادہ سے اچھا ہوگا۔ بہت ہی ظالم ہے۔ یہاں کا
سردار ہے مگر بہت جابر!! دوسروں کو سزا دینا اپنا حق
سمجھتا ہے۔ کسی کو بھی مار دیتا ہے۔
کیا مطلب کسی کو بھی مار دیتا ہے؟؟ کیا اس کا راج چلتا
ہے۔ زمینی خدا ہے کیا ادھر کا کیا؟؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟

!عائش بھڑکی تھی۔

اسی کاراج چلتا ہے۔ بہت ظالم ہے جرگہ کا فیصلہ یہی کرتا ہے۔ اپنا سامنے آواز اٹھانے والوں کا گلہ دبا دیتا ہے اپنا جابرانہ فیصلوں سے۔ اس کا دشمن بھی اس کا نام سے ڈرتا ہے۔ تو کیا کہے گا پھر اسے ظالم ہی ناں اور دیکھو اس کا طرف۔۔ اس کا چہرہ کی طرف!! کیسا

پرکشش مرد ہے؟؟ مگر اس کا چہرہ سے کتنا ڈر لگتا
ہے؟؟ خلیستہ نے جھر جھری لیتے زاویہ خانزادہ کی
طرف دیکھا جس کے سرخ و سفید چہرے پر کی
چٹانوں کی سی سختی تھی۔

ادھر کلام کا بڑے سے بڑا گھر کا لڑکی زاویہ خانزادہ
جیسا مشکل مرد سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ ادھر کا

سردار ہے مگر اس کا نام سنتے ہی لڑکیاں کانوں کا ہاتھ
لگاتا ہے۔ پتہ نہیں کس بد نصیب کا نصیب پھوٹے گا۔
خالیستہ نے زاویار کو دیکھتے ایک بار پھر سے جھر جھری
لی تھی۔

عائش ملک خاستہ کی ایک ایک بات پر ایمان لے آئی
تھی۔ وہ ظالم اکھڑ مزاج بے انتہار وڈ سخت انسان تھا وہ

جانتی تھی۔

تم کیوں اسے دیکھ رہا ہے؟! دل آگیا ہے کیا
تمہارا؟؟؟۔ خلیستہ نے اب ہنستے ہوئے شرارتی لہجے
میں پوچھا تھا۔

دل اور اس پر!! عایش مر جائے اپنے شاہویر کے
علاوہ کسی مرد کو سوچے بھی نہ!! یہ زاویار خانزادہ

جیسے ظالم مرد پر تو میں تھو کنا بھی پسند نہ کروں۔
میرے شاہویر کے پیروں کی خاک بھی یہ نہیں!!
عائش نفرت سے زاویار خانزادہ کو دیکھتے بولی تھی۔
اچھا ہے۔۔ ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے۔۔ اس زاویار
یہاں کی پہاڑوں پر رہنے والی لڑکی ہی سہہ سکتی ہے۔
مجھے تو لگتا ہے وہ بھی پہلی رات اوپر پہنچ جائے گا۔

خالیستہ ہنستے ہوئے بولی۔

اتنا جنگلی ہے کیا؟؟ عایش اسستھزائیپہ ہنسی تھی۔

لندن سے پڑھ کر آیا ہے مگر اس کا تعلیم سے دور دور

تک واسطہ نہیں لگتا۔ جنگلی ہی ہے تبھی تو کہہ رہی۔

خالیستہ کی بات پر عایش کی آنکھوں میں نفرت مزید

بڑھی تھی۔

ہٹ جاؤ اب ادھر سے!! ادا اور لالانے دیکھ لیا
خوا مخواہ چیخے گا۔ خائستہ نے اسے وارن کیا۔
تمہارے لالا کا مجھ سے کیا تعلق؟! جب میرے بھائی
اور پاپا کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ عایش نے اب
خائستہ کو غصے سے دیکھا۔
تم مہمان ہے اور ہم لوگ ایسا ہی ہے۔ ادھر کا مرد اپنا

عورت کو لے کر ہی نہیں اپنا مہمان عورت کے
متعلق بھی حساس ہے۔ اچھا نہیں لگتا تم ادھر کھڑا ہے
اور تمہارا وجود پردہ و پٹہ بھی نہیں۔ خلیستہ اسے ٹوکے
چلی گئی تھی۔

عائش سٹل وہیں کھڑی زاویار خانزادہ کو گھور رہی
تھی۔

زاویار خان زادہ نے فایر کرتے سامنے دیکھا تھا۔ اس کی
نگاہ لان کے بیچ و بیچ تعمیر خوبصورت حویلی کے گلاس
ونڈوپر پڑی تھی۔

اس کی نگاہوں میں بھی شرارے سے دہکے تھے۔
اس دن کی اس لڑکی کی گالی یاد آئی تھی۔ سامنے کھڑی
لڑکی کا لباس اسے اس دن سے بھی زیادہ و لکر لگا تھا۔

جس کی فٹنگ میں وہ صاف عیاں ہو رہی تھی۔ بڑے
دھڑلے بے شرمی سے کھڑی تھی۔ ادھر اتنے مرد
تھے سے ذرا پرواہ نہیں تھی۔ وہ بے پناہ خوبصورت
تھی۔ اتنی خوبصورتی اس نے کلام میں نہیں دیکھی
تھی۔ مگر زاویہ پارخانزادہ کو اس کی خوبصورتی سے
نفرت ہوئی تھی۔ اس کے نزدیک عورت کی

خوبصورتی چھپی ہوئی ہی ہوتی تھی۔ عیاں ہوتی
عورت صرف غلیظ نگاہوں کی حقدار ہوتی ہے۔ وہ
دونوں اب ایک دوسرے کو نفرت سے گھور رہے
تھے۔

التمش!! زما بندوق د° ولیا نونہ مس° کا°، نن شپہ د°
ولیا نونہ° بایدھیر° مکھ ونہ° بر° ی° ی°۔

(۱) تنش میراندوق گولیوں سے بھر دو آج رات
گولیوں کی گونج ختم نہیں ہونی چاہیے آج خوشی کا دن
نہیں منوس دن ہے زاویار خانزادہ کے لیے

وہ پشتو میں بولتے ہوئے بلند آواز میں گرجتے فایر
کرنے لگا۔

عائش اسے نفرت امیز نگاہوں سے دیکھتے پردے
برابر کر گئی تھی۔

~~~~~

urdunovelscollection.com

رمز جنون  
تحریر نور آصف

قسط 15

ارتضیٰ خان سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس رضا خان کی  
حویلی میں داخل ہوا تھا۔

آگیا میری جان کا ٹکڑا میری جان! زاویار خانزادہ تیزی  
سے اس کی طرف بڑھتے ار ترضی خان کو اپنے سینے سے  
لگا گیا۔ لالا!! ار ترضی خان مسکراتے ہوئے زاویار کے

سینے سے علیحدہ ہوا۔

التمش!!! اب میرے حلق سے اتریں گے یہ سالم  
دنہ۔ اب مزا آیا گا فایرنگ کا۔ پہلے تو یہ مہندی

پھیلکی تھی۔ زاویار خانزادہ چیختے ہوئے آسمان میں  
فایرنگ کرنے لگا۔ ار ترضی خان اور باقی سب ہنس  
پڑے تھے۔ ار ترضی خان میں زاویار کی جان بستی تھی  
یہ سب جانتے تھے۔

ار ترضی خان نے التمش خانزادہ سے بندوق پکڑتے  
ہوئی فایرنگ کرنا شروع کی۔ زاویار خانزادہ بھی تڑتڑ

فائرنگ کر رہا تھا۔ لان میں میوزک بھی اب زور و شور  
سے چلنا شروع ہو گیا تھا۔ ادھر عورتوں کا کوئی کام  
نہیں تھا۔ صرف مرد حضرات تھے۔۔ نہ کوئی عورت  
آنے کا سوچ سکتی تھی۔ یہ شغل میلہ صبح تک چلنا تھا۔  
داورر قص کا کوئی بندوست نہیں!! زاویار خانزادہ نے  
داور کو آنکھ ماری تھی۔

ہے میری جان!! داور نے اوپچی آواز میں قہقہہ لگایا۔  
وہاں کھڑے سارے دوستوں کے بلند و بانگ قہقہے  
گونجنے لگے۔

لالا!! ار ترضی خان نے جھینپتی نگاہوں سے زاویار  
خانزادہ کو دیکھا۔



زاویار خانزادہ نے ار نقی خان کے سرخ چہرے کو  
دیکھتے قہقہہ لگایا۔ رقص دیکھنے میں کیا حرج ہے؟؟  
تیرے سامنے ان عورتوں کو کبھی غلطی سے بھی ٹچ  
نہیں کیا۔ یہ تو شغل میلا ہے۔ ذرا جی بہل جاتا ہے۔  
زاویار خانزادہ نے ار نقی خان کی گردن میں پیچھے سے  
اپنا بازو حائل کرتے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

لالا!! دیکھنے گا گناہ اتنا ہی ہوتا ہے کیا ضرورت تھی  
رقاصاؤں کو بلانے کی؟؟۔ ار ترضی خان کے چہرے پر  
ناگواری چھائی تھی۔ میں نے نہیں بلایا اور خان نے  
بلایا ہے۔ تمہیں نہیں پسند تو میں نظر اٹھا کر نہیں  
دیکھوں گا بلکہ ابھی چلا جاؤں گا یہاں سے!! زاویار  
خانزادہ کی بات پر ار ترضی خان ہنس پڑا تھا۔

لالا!! میری ہر بات پر آپ مانتے ہیں مگر اپنے جابرانہ  
فیصلوں سے پیچھے کیوں نہیں ہٹتے؟؟ ار ترضی خان نے  
سنجیدگی سے دیکھتے سوال داغا۔

تمہارے نزدیک یہ جابرانہ فیصلے ہیں۔ میرے نزدیک  
ان سانپوں کا سر کچلنا ہے جو ہمارے آگے سر اٹھاتے

ہیں۔ ان کے ڈسنے سے پہلے ہی ان کو مار دیتا ہوں۔ کیا

غلط ہے اس میں؟؟

جو غلطی کرتا ہے اسے سزا نہ دوں تو وہ بار بار غلطیاں  
کریں گے اور ان لوگوں کی یہ غلطیاں زاویہ خانزادہ کو  
کمزور کرتی ہیں اور میں کمزور نہیں ہونا چاہتا۔

میں نے بھی کسی بے گناہ کو سزا نہیں دی۔ جو گناہ کرتا  
ہے اسے میں معاف نہیں کرتا۔ زاویار خانزادہ کی  
سرشت میں معافی اور رحم شامل نہیں۔ زاویار کرخت  
لہجے میں بولتے ار ترضی خان کو دیکھ رہا تھا۔ جو روز کی  
طرح زاویار خانزادہ کی کسی بات پر متفق نہیں ہو رہا  
تھا۔

مجھے اتنا بتاؤ کوئی ہمیں نقصان پہنچائے میں خاموش  
رہوں۔ زاویار خان زادہ بھڑوں کے چھتے جیسا ہے جو  
کسی کو کچھ نہیں کہتا اپنی جگہ پر جھٹا اپنا کام کرتا رہتا ہے  
مگر غلطی سے بھی کوئی اس چھتے کو ہاتھ لگاتا ہے۔ تو  
بھڑوں کا چھتا اسے نہیں چھوڑتا جس نے اسے ہاتھ  
لگانے کی غلطی کی ہوتی ہے۔

شروعات ہمیشہ سامنے والا کرتا ہے مگر اسے ختم زاویہ  
خانزادہ کرتا ہے۔ اب اختتام سانسیں کھینچ کر کرنا ہو یا  
اپنے پیروں پر گروا کر اپنے تلوے چٹوانا ہو یہ سامنے  
والے کے گناہ پر ڈپنڈ کرتا ہے کہ زاویہ خانزادہ اسے  
اس کے گناہ کی کتنی سخت سزا دیتا ہے۔

زو یار خان زادہ نے ہنکار بھرے لہجے میں بولتے ہوئے  
اپنی ہلکی گھنی سمیر ڈپر ہاتھ پھیری تھی۔ اس کے لہجے  
میں غرور طنطنہ تھا۔ چہرے پر چٹانوں کی سختی تھی۔  
ار تضی خان زو یار کی باتوں پر لب بھینچے رخ پھیر گیا  
تھا۔



التمش!! زوایار خانزادہ نے ار ترضی کی چوڑی پشت کو  
دیکھتے التمش کو اونچی آواز میں پکارا۔

جی خان!! وہ تیزی سے زوایار خانزادہ کی طرف بڑھا۔  
چلو ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ زوایار خانزادہ ار ترضی  
خان کی پشت کو دیکھتے لمبے لمبے ڈھک بھرتا چلا گیا تھا۔

جی خان جیسے آپ کہیں! انمش خانزادہ سنجیدگی سے  
بولتے زاویار خانزادہ کے پیچھے بڑھ گیا تھا۔

---

ار ترضی خان اپنی پستل پکڑے اپنی دوستوں کے ساتھ  
سنجیدگی سے کھڑا تھا۔ فایرنگ کرنے کا اسے کوئی شوق  
نہ تھا۔ زاویار خانزادہ کے جانے کے بعد اس کا موڈ کافی

خراب ہو گیا تھا۔ وہ کھانا کھائے بغیر ہی چلا گیا تھا۔  
ایک طرف اب رقصاؤں کا رقص چل رہا تھا۔ سب  
مرد حضرات ان رقصاؤں کے گرد جھمکٹا بنائے رکھے  
تھے۔

ارتضیٰ خان نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا وہ جانتا تھا زاویار  
خانزادہ کو وہ اب کل تک کچھ نہیں کھائے گا۔ اس کے

معاملے میں وہ ایسا ہی تھا۔ وہ بھی تو ایسا ہی تھا۔ جب  
تک وہ کھانا نہ کھا لیتا وہ بھی نہیں کھا سکتا تھا۔  
وہ جبرے بھینچے کھڑا تھا، تفتی خان کے وجود میں غصے  
کے شعلے سے دھک رہے تھے۔ ایک غصہ تھا جس پر وہ  
قابو نہ رکھ سکتا تھا مگر اس غصے میں وہ اپنا نقصان کرتا تھا  
کسی دوسرے کا نہ کرتا تھا۔

وہ اپنے دوستوں کے درمیان کھڑا تھا کہ اذان ملک کو  
لان میں اینٹر ہوتے دیکھتے وہ چونکا۔ ارتضیٰ خان کی  
رنگت پہلے سے زیادہ سرخ ہوئی تھی۔

وہ اور اذان ملک انٹر میڈیٹ تک ایک ہی کالج میں  
پڑھتے رہے تھے۔ اب آرمی کالج میں بھی اکٹھے تھے۔  
مگر وہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ کتنی

بارکار ریسک میں ایک دوسرے کی گاڑیوں کا حشر لگاڑ  
چکے تھے۔

ارتضیٰ خان دہکتی نگاہوں سے اذان ملک کو دیکھ رہا تھا۔  
جوسفید شلوار قمیض میں ملبوس پستل ہاتھ میں پکڑے  
ساتھ داور خان کے چھوٹے بھائی الماس خان کے  
ساتھ ہنستے ہوئے باتیں کر رہا تھا۔

اپنے اوپر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے اذان  
ملک کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھی تھی۔ ار ترضی خان کو  
دیکھتے اذان ملک کی آنکھوں میں چنگاریاں سی پھوٹی  
تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کو اب خونخوار نگاہوں  
سے دیکھ رہے تھے۔ اذان ملک نے ار ترضی خان کو  
دیکھتے انگلی اوپر اٹھاتے نازیبا اشارہ کرتے ہوئے اپنے

ہاتھ میں پکڑی پسل سے آسمان میں فایر کیا۔ ار ترضی  
خان کی رنگت پہلے سے زیادہ سرخ ہوئی تھی۔ اذان  
ملک ار ترضی خان کی رنگت دیکھتے ہنستے ہوئے ہوائی  
فایرنگ کرنے لگا۔

ار ترضی خان لب بھینچتے ہوئے تیزی سے حویلی کے  
پچھلے لان کی طرف بڑھا۔ الماس خان ار ترضی کو اتنے



غصے میں دیکھ کر حیران ہوتے اس کی طرف تیزی سے  
بڑھا۔

ار ترضی خان الماس خان کو اپنے پیچھے آتے دیکھتے غصے  
سے پچھلے لان میں بنی سیڑھیوں کی طرف تیزی سے  
بڑھتا حویلی کی چھت کی طرف بڑھ گیا تھا۔  
کیا ہوا ہے ار ترضی؟؟ الماس اس کے پیچھے آنا چناتا تھا۔

کچھ نہیں ہوا جاؤ تم باتیں کرو میرے دشمن سے اسے  
گلے سے لگاؤ!!! ار ترضی خان غصے سے جوابا گر جاتا تھا۔  
دشمن کون دشمن؟؟ الماس حیران ہوا تھا۔  
اب وہ دونوں حویلی کی سب سے اونچی چھت پر تھے۔  
ارد گرد پہاڑوں پر گھروں کی چمکتی روشنیاں دکھائی  
دے رہی تھیں۔

ستمبر اینڈ ہونے والا تھا۔ سردی کا آغاز شروع ہو چکا تھا۔  
راتیں کافی ٹھنڈی تھیں۔ اس وقت اتنی اونچائی پر وہ  
کھڑے تھے ٹھنڈی ہواؤں سے دونوں کے چہرے  
سرخ ہو چکے تھے۔

اذان ملک سب سے بڑا دشمن ہے میرا!!! ار ترضی خان  
چھت کی رٹلنگ پر اپنے دونوں بازو ٹکائے نیچے لان

میں کھڑے اذان ملک کو گھورتے ہوئے بولا۔  
اذان ملک!! الماس خان حیرانگی سے بولتا ار ترضی خان  
کے ساتھ کھڑے رنگ پر اپنے دونوں بازو جما گیا  
تھا۔

اب دونوں اذان ملک پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ جو  
ہستے ہوئے ہوائی فائر نگ کر رہا تھا۔

ہاں اذان ملک!! جی کر رہا ہے اپنی پستل کی ساری  
گولیاں اس کے سینے میں اتار دوں۔ ار ترضی خان نے  
اپنی پستل اذان ملک پر غصے سے تانی۔  
تو اتار دو روکا کس نے روکا ہے؟! الماس خان نے  
ار ترضی خان کو آنکھ ماری تھی۔

مشکل تو یہی ہے ار ترضی خان سب کچھ کر سکتا ہے کسی  
کی جان نہیں لے سکتا۔ ار ترضی خان نے اذان ملک کو  
خود بخوار نگاہوں سے دیکھتے جواباً کہا۔

ار ترضی خان کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ جان لینا تو دور کی بات  
کسی کے ساتھ کچھ غلط بھی نہیں کر سکتا۔ الماس خان

ار ترضى خان كو ديكھتے مسكراتے هوے سر لفى ميں هلا

كيا۔

ار ترضى خان نے جرے بھينچتے اذان ملك كو غصے سے  
سلگتى نگا هوں ديكھتے هوے اپنے هاتھ ميں پكڑى پسٹل  
سے يكة بعد ديگرے كئى هوائى فاير كے۔۔ وه اپنى

نگاہیں اذان ملک پر جمائے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں پکڑی  
پسل سے وہ مسلسل فایر کر رہا تھا۔

یکدم اذان ملک اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے زمین پر گر چکا  
تھا۔ لان میں زوردار میوزک اور رقصاؤں کا رقص  
چل رہا تھا۔ اذان ملک کو زمین پر خون میں لت پت  
دیکھتے ار ترضی خان بدحواس ہوتے بے یقین ہوا۔ اس



وقت ایک وہی فایر کر رہا تھا۔ اس کی گولی اذان ملک کو  
لگ چکی تھی۔

ارتضیٰ یہ کیا کیا تو نے؟؟ الماس خان گر جاتا تھا۔  
میں نے نہیں کیا!!! میں نے اسے نہیں مارا۔ ارتضیٰ  
خان بدحواس ہوتے بولا۔ تو نے نہیں کیا تیرے  
ہاتھوں میں پستل تھی تو اسے مارنا چاہتا تھا۔ ہمارا مہمان

تھا وہ۔ الماس چیتختے ہوئے نیچے کی طرف بھاگا۔ ارتضیٰ  
شاکنگ ہوئے سٹل وہاں پر کھڑے پتھرائی نگاہوں  
سے اذان ملک کوزمین پر خون میں لت پت پڑا دیکھ رہا  
تھا۔



عائش گلاس ونڈوسے اذان ملک کو گولی لگتا دیکھ چکی  
تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی۔

عائش تم اس حلیے میں باہر کہاں جا رہا ہے؟؟ خائستہ نے  
داخلی دروازے کے پاس اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

you guys are bloody creepy

!!

وہ حلق کے بل چیخنی تھی۔ خلیستہ کو دھکا دیتے وہ داخلی  
دروازہ کھولتے باہر تیزی سے بھاگی۔

وہ بھاگتے ہوئے حویلی کے بڑے سے لان میں داخل  
ہوئی تھی۔

ہٹو یہاں سے!! وہ چیختے ہوئے مردوں کو ہاتھوں سے  
دھکیلتی ہوئی آگے بڑھی۔ وہاں کھڑے بہت سے

مرد حیران ہوتے پیچھے ہوئے تھے۔ داور خان اپنی  
مہمان عورت کو وہاں دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔  
داور خان کے اشارے سے میوزک بند ہو چکا تھا۔  
رقصائیں رقص کرتے رک جکی تھیں۔ وہ کھلے بالوں  
کے ساتھ بغیر دوپٹے کے گرین کلر کی ہیوی کامدار  
فراک فراک میں ملبوس تھی۔ جس میں اس کے

خوبصورت جسم کا انگ نگ واضح ہو رہا تھا۔ بہت سے  
مرد اسے رقاہ سمجھے تھے۔ کیونکہ وہاں کی عورت مر  
سکتی تھی اتنے مردوں کے درمیان نہیں آسکتی تھی۔  
وہ بھی اس حلیے میں یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔  
مرد اتنی خوبصورت رقاہ کو دیکھتے حیران تھے۔  
کچھ مرد بیتاب ہو کر اس کی طرف بڑھے۔

رک جاؤ مہمان ہے ہماری!! داور خان پسل سے ہوا  
میں فائر کرتے چیخا۔ آگے بڑھتے مرد جلدی سے پیچھے  
ہوے۔

۔ عائش سب کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے سر نفی میں  
ہلاتے ہوئے بھاگتے ہوئے اذان ملک کی طرف بڑھی

مصطفیٰ ملک اور رضا خان عائش کو ادھر دیکھتے پریشان  
ہوئے تھے۔

مصطفیٰ تمہارا بیٹی ادھر مردوں کے بیچ کیا کر رہا ہے؟؟  
رضا خان ناگواری سے بولا تھا۔  
مصطفیٰ پریشانی سے عائش کی طرف بڑھا۔



پاپا اذان کو گولی لگی ہے۔ عائشہ مصطفیٰ ملک کی طرف  
بڑھتے گہرے سانس لیتے روتے ہوئے چیختی تھی  
کیا؟؟ مصطفیٰ ملک کے ہاتھوں سے ڈرنک کا گلاس چھوٹا  
تھا۔ عائشہ روتے ہوئے باقی مردوں کو ہاتھوں سے  
پیچھے دھکیلنے لگی۔ وہ ان مردوں کے جتنے کو چیرتی ہوئی

اذان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جولان میں خون میں  
لت پت پڑا تھا۔ کسی کو خبر ہی نہ تھی۔

وہ جھمکنا چیرتے ہوئے روتے ہوئے تیزی سے بھاگتے  
ہوئے آگے بڑھی رہی تھی۔ رضا خان مصطفیٰ ملک  
داور خان بھی تیزی سے اذان ملک کی طرف  
بڑھے۔

اذان! عائشہ دل پر ہاتھ رکھتے چیخنی تھی۔ اس کا خون

لان کو سرخ کر چکا تھا۔

مصطفیٰ ملک اذان کو خون میں لت پت دیکھتے دل پر

ہاتھ رکھتے لڑکھڑائے تھے۔ رضا خان جلدی سے

انہیں تھام گیا تھا۔

اذان۔۔ عایش زمین پر بیٹھتے اذان ملک کا سر اپنی گود  
میں رکھتے روتے ہوئے چیخی تھی۔ آنکھیں کھولو  
اذان!!! وہ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے ہڈیانی چیخ رہی  
تھی۔

ایمبولینس کو فون کرو۔ داور خان نے اذان ملک کی  
طرف بڑھتے بیٹھتے ہوئے اذان ملک کی دھڑکنیں

چیک کرتے چیختے ہوئے کہا۔

ار ترضی خان بھاگتے ہوئے نیچے آیا تھا۔ پسٹل ابھی تک  
اس کے ہاتھ میں پکڑی تھی۔۔۔ وہ پتھرائی کیفیت  
میں اذان کو دیکھ رہا تھا۔

میں نے نہیں مارا اسے؟؟ میں نہیں مارنا چاہتا تھا  
اسے؟؟ میں نے ہوائی فائرنگ کی تھی۔ ار ترضی خان

بدحواس ہوتے پسل زمین پر پھینکتے اپنے بال مٹھیوں  
میں جکڑتے ہوئے چیخا تھا۔

عائش نے روتے ہوئے ار ترضی خان کو دیکھا تھا۔  
دوسرے لمحے اس نے اٹھتے ہوئے ار ترضی خان کے  
چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔

you killed my brother!! you  
!!you bl..oo..dy ras..cal khan

وہ ار ترضی خان کا کریبان پکڑے چیختی تھی۔

یہ دیکھتے رضا خان اور داوڑ خان پریشان ہوئے تھے۔ وہ  
زاویار خانزادہ کے بھائی کو سب کے سامنے تھپڑ مار چکی  
تھی۔۔۔ ار ترضی خان نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

کیسے کر سکتے ہو تم؟؟ عائش ملک نے ار نضی خان کا  
گریبان جھنجھوڑتے ہوئے چیختے ہوئے پوچھا۔  
داور اس کو اندر لے کر جاؤ۔ رضا خان یہ دیکھتے غصے  
سے بولے تھے۔ کہاں ان کے ہاں عورتیں اس طرح  
کے لباس میں سب کے سامنے اس طرح کا تماشہ کرتی  
تھیں۔ وہ زوایار کے بھائی پر ہاتھ اٹھا چکی تھی۔ رضا



خان پریشان ہوا تھا۔ زاویار خان زادہ کی پاور سے واقف  
تھا وہ۔

مرتضیٰ ملک خان بدحواس سے اذان ملک کے پاس  
بیٹھا اس کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے تھا۔ جوان بیٹا  
خون میں لت پت بے سدھ پڑا تھا۔

میں اندر نہیں جاؤں گی۔ میں اس درندے کی جان  
لے کر رہوں گی۔ عایش زمین سے پسٹل اٹھاتے  
ار ترضی خان برتان چکی تھی۔۔۔

اس کور و کوزاویار خانزادہ کا بھائی ہے یہ؟؟ اسے کچھ ہو  
کیا زواویار آگ لگا دے گا تمہارا حویلی کورضا خان!!  
بہت سی آوازیں گونجی تھی۔ مرد حضرات حیرانگی سے

اتنی نڈر عورت کو دیکھ رہے تھے۔۔ وہ جس طرح کے  
حلیے میں کھڑی تھی یہ بھی حیران کن تھا۔ اوپر سے وہ  
بلا کی خوبصورت تھی۔

سامنے کھڑا انسان اس ظالم زاویہ پر خانزادہ کا بھائی ہے۔  
یہ سنتے عائشہ پاگل ہوئی تھی۔۔ تم اپنے بھائی جیسے ہی  
ہو۔ سنا تھا بالکل ٹھیک سنا تھا وہ جابر ظالم بغیرت ہے۔

بھی وہی ہو ظالم جابر بغیرت۔۔ وہ حلق کے بل چیختے  
ہوے ار تفضی کے سینے پر اپنی پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھا  
گئی۔۔۔ جان سے مار ڈالوں گی تمہیں میں۔۔ عایش  
ملک نے چیختے ہوئے پسٹل کے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ  
بڑھایا۔ ار تفضی خان سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ حرکت  
بھی نہیں کر رہا تھب۔

داور خان عائش سے پسٹل چھنتے ہوئے عائش کی کلائی  
پکڑے اندر کی جانب بڑھا۔

چھوڑ مجھے نہیں چھوڑوں گی ان زمینی خداؤں کو۔ ان  
بغیرت خاندانوں کو!!! اس ذلیل زاویار خانزادہ کے  
ذلیل بھائی کو۔ میرے اذان کو مار دیا۔ وہ چیختے ہوئے  
داور خان کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔ زاویار

خانزادہ کے خلاف پہلی بار کسی نے یوں آواز اٹھائی تھی  
۔ اسے یوں گالیاں دی جا رہی تھیں۔ اس کے علاقے  
میں ایک عورت اسے ہی گالیاں دے رہی تھی۔  
اور یہاں جو کچھ ہوا اس کی ویڈیو بنتی زاویہ خانزادہ تک  
پہنچ بھی چکی تھی۔

اذان کو گاڑی میں ڈالو!! پتہ نہیں ایسبویلیسن کب ائے  
رضا خان۔۔۔ مصطفیٰ ملک کی بھیگی آواز پر رضا خان  
نے اپنے گاڑ ڈز کو اشارہ کیا۔۔ اذان ملک کی سانسیں  
ابھی تک چل رہی تھیں۔

---

پاسٹ!!

حاکم خان کی بڑی سی گاڑی اس کے بنگلے میں داخل  
ہوئی تھی۔ وہ ایک مہینہ بعد رقیہ خانم اور حیدر خان  
سے ملنے گیا تھا۔ دو دن بمشکل ادھر گزارے تھے۔  
وہ پھر سے اپنے بنگلے میں موجود تھا۔ جہاں اس کی محبت  
اس کی زندگی رہتی تھی۔ اس کی سانسوں کا در و مدار ہی  
رائینہ خان کے گرد گھومتا تھا۔ حاکم خان اس وقت سیاہ



شلوار نمیض میں ملبوس تھا۔ سیاہ شال کندھوں پر ڈلی  
اس کی وجہ بلند قد و قامت بارعب پر سنیلٹی پر چار  
چاند لگائے ہوئے تھی۔ وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ  
پھیرتے اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اندر کی  
جانب بڑھا۔

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ وہ  
کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ وہ واش روم کی بڑھا ہی  
تھا کہ راہینہ خان واش روم سے نکلی تھی۔ حاکم خان کو  
دیکھتے اس کی رنگت فق ہوئی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ جلدی  
سے پیچھے کی طرف لے گئی تھی۔

حاکم خان کی زیرک نگاہوں نے اس کی رنگت زرد  
ہوتے اور ہاتھ کو پیچھے لے جاتے دیکھ لیا تھا۔  
وہ اس وقت ریڈ کلر کی گرم ریڈ کلر کی شارٹ سی  
فراک میں ملبوس تھی جس کے نیچے ریڈ ٹائٹس پہن  
رکھی تھی۔۔ سنہرے سلکی بال کھلے ہوئے تھے۔ یہ  
سارے ڈریسز حاکم خان خود اس کے لیے لایا تھا۔

حاکم خان کی گہری نگاہوں نے اس کا بھرپور جائزہ لیا  
تھا۔

رائینہ خان حاکم خان کو دیکھتے پیچھے کی طرف قدم بڑھا  
گئی۔ اسے یوں پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دیکھتے حاکم  
خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ  
اس کے قریب آنے پر یوں نہیں کرتی تھی۔ ایک بیڈپر

اس کے اتنے قریب ہوتے اس سے صدیوں کے  
فاصلے پر ہوتی تھی۔ حاکم خان اپنے جواں جذبوں کے  
تقاضوں سے مجبور ہوتے اس کے قریب جاتا تو وہ  
برف کی سل بنی رہتی تھی۔ رات رات بھرا سے اپنی  
قربت میں رکھتے اپنے سلگتے لبوں سے گرمائش پہنچانے  
کی وہ اپنی پوری سعی کرتا تھا۔ مگر وہ بیڈ شیٹ مٹھیوں

میں جکڑے آنکھیں موندے رہتی تھی۔۔۔ حاکم  
خان اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے جکڑے اپنے  
قریب کر گیا۔ وہ حاکم خان کے چوڑے سینے میں آن  
سمائی تھی۔ حاکم خان اس کے نازک وجود کو اپنے سینے  
میں بھینچتے آنکھیں موند گیا۔

عشق ہو تم میرا راینہ !! میری چلتی سانسوں کی  
ضمانت !! اب تو صرف میری سانسوں کو صرف  
تمہاری خوشبو بھاتی ہے۔ تمہاری قربت تمہارا یہ  
خوبصورت بدن اس حاکم خان کو زیر کر چکا ہے۔  
سکون ہو تم میرا !! میرا عشق میری خماری۔ وہ اسے  
اپنے سینے میں بھینچتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کا چہرہ

نرمی سے تھا مے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں  
چرا گیا۔ رائینہ خان اپنے دونوں ہاتھ ابھی تک اپنے کمر  
پر باندھے ہوئے تھی۔ حاکم خان اس کا چہرہ تھا مے  
اس کی سانسوں کو گھوٹتے اسی لمحے اس کی سانسوں کو  
آزاد کر گیا۔ مگر وہ ابھی تک اس کا چہرہ تھا مے ہوئے  
تھا۔ حاکم خان کی سرد سرخ آنکھیں رائینہ کی ہیزل



گرے آنکھوں میں گڑھی تھیں۔ حاکم خان کی  
آنکھوں میں سرخی کی رک دیکھتے رائینہ خان گھبراتے  
ہوے اپنی نگاہیں جھکا گئی۔ حاکم خان نے ایک ہاتھ  
سے اس کی نازک کمر کو بے حد بے دردی سے مٹھی  
میں بھرا۔ رائینہ خان کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی  
تھی۔ مگر وہ سختی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے

ہوے گھی۔ حاکم خان اسے خون آلود نگاہوں سے  
گھورتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کی کمر پربندھے ہاتھ  
کھولتے ہوئے اس کا ہاتھ سختی سے دباتے اس کی بند  
مٹھی کو جکڑے اپنے سامنے کر گیا تھا۔  
رائینہ خان نے گہرا سانس لیتے حاکم خان کی سر دسرخ  
آنکھوں میں دیکھا تھا۔ حاکم خان نے اسے قہر بار

نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس کی بند مٹھی والی کلائی  
بے دردی سے مڑوڑی تو رائینہ سسکاری بھرتے اپنی  
مٹھی کھول چکی تھی۔ رائینہ خان کی آنکھوں کا گلابی پن  
گہرا ہوا تھا۔ لبوں پر سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔ وہ بنا  
خوف و خطر اب حاکم خان کو دیکھ رہی تھی۔

حاکم خان سگریٹ کا ٹکڑا اس کی مہٹیلی سے اٹھائے  
اسے خون اشام نگاہوں سے دیکھتے اس کا جبرے بے  
دردی سے دبوج کیا۔

آنکھیں نیچے کروور نہ میرا ہاتھ تمہارے جبرے پر  
نہیں تمہاری گردن کو دبوج ڈالے گا۔ حاکم خان اسے

دیکھتے غرایا تھا۔ رائینہ خان کی آنکھوں میں نفرت اور  
بغاوت دیکھتے وہ پاگل ہوا تھا۔

آنکھیں نیچے کرو!! حاکم خان اس کا جبرے پر اپنی  
گرفت سخت کرتے دھاڑا۔ رائینہ خان درد سے  
کراہتے آنکھیں جھکا گئی تھی۔

کیوں پیا؟ کیوں ہاتھ لگایا اس کو؟؟ اور کب سے کر رہی  
ہو یہ سب؟؟ حاکم خان نے اس کی آنکھوں سے موتی  
گرتے دیکھتے جبرے بھینچتے اپنی گرفت ڈھیلی کی  
تھی۔

بولو جواب دو!! ورنہ آج میرا وہ قہر وہ جبر دیکھو گی جو  
آج تک میں نے تمہیں دکھایا نہیں۔ حاکم خان پھر

سے پاگل ہوتا اس کی گردن دبوچ گیا تھا۔ وہ سموکنگ  
کر رہی تھی۔ وہ غصے سے دہکتے پاگل ہو رہا تھا۔  
آج ہی۔۔ کی۔۔ ہے۔۔ پ۔۔ پہلی۔۔ مرتبہ !!  
رائینہ خان اپنی گردن حاکم خان کے سے چھڑوانے کی  
ناکام سعی کرتے بمشکل سانس لیتے بولی۔

کیوں؟؟ حاکم خان نے دھاڑتے ہوئے اس کی گردن

پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا تھا۔

وہ غم غلط کرنے کے لیے جو آپ کے طوست میں اپنے

بابالا اپنی ایشال کو دے چکی ہوں۔ اگر آپ یہ

سگریٹ پی سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں حاکم خان؟؟



رائینہ خان اپنا ہاتھ چھڑواتے ہڈیانی ہوتے ٹوٹے  
لفظوں سے دبی آواز میں چیخی تھی۔

۔ جو میں کروں گا وہ کروں گی میرے مقابل آؤ گی۔ وہ  
اس کی گردن چھوڑتے ہوئے اسے بیڈ پر بے دردی  
سے بچ گیا۔ رائینہ خان اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی۔  
حاکم خان نے سائیڈ ڈرار کھولتے اپنے سگریٹ کے

تمام پیکٹ نکالتے ہوئے انھیں ڈسٹ بن کی نظر کیا۔  
رائینہ خان سیدھے ہوتے حاکم خان کو دیکھ رہی تھی جو  
ڈرارز سے مختلف اخبارات نکالتے انھیں ڈسٹ بن  
میں پھنیک رہا تھا۔ حاکم خان نے لایٹر سے شعلہ  
دکھلاتے ان اخبارات کو آگ لگاتے ڈسٹ بن میں

پھنیکا ڈسٹ بن میں جلتی آگ کو دیکھتے رائینہ خان  
پیچھے کو ہوتے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔  
آئندہ تم نے کچھ بھی ایسی ویسی حرکت کی تو میں  
تمہارے وجود کو بھی آگ لگا دوں گا یاد رکھنا تم! حاکم  
خان نے اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد کراؤن پر

ہاتھ رکھتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں آنکھیں  
گاڑھے اسے غراتے ہوئے دھمکی دی۔

لگا دیں حاکم خان مجھے خدا کا واسطہ ہے ورنہ میں جس  
آگ میں جل رہی ہوں آپ کو بھی جلا دوں گی۔ وہ  
حاکم خان کا گریبان جکڑتے اس کی آنکھوں میں اپنی  
ہیزل گرے گلابی ہوتی آنکھیں گاڑھ گئی۔

کیا کرو گی کیسے جلاؤ گی مجھے؟؟ وہ سرد لہجے میں غراتے  
ہوے اس کے بال مٹھیوں میں دبوچ گیا تھا۔  
سوچ سمجھ کر بکواس کرنا۔ اگر تمہارے لبوں نے اس  
عون کا نام لیا خدا قسم آج تمہارا وہ حال کروں گا تم  
ترس کھاؤ گی خود پر!! حاکم خان کی غراہٹ میں آنچ  
دیتی چبھن تھی۔ وہ اسے تڑپانے کے لیے اس ایک

مہینے میں لگتی بار عون کا نام لے چکی تھی۔ جسے وہ اس  
کی ذہنی کیفیت کو سمجھتے بہت مشکل سے برداشت کرتا  
آ رہا تھا۔ جانتا تھا وہ محبت اس سے کرتی ہے۔ عون اس  
کی زندگی میں کبھی نہیں تھا مگر رائینہ خان کے لیے اس  
کی پوزیشن نیچر یہ سب کچھ برداشت نہیں کر پار ہی

کھی۔ وہ گھنٹوں جلتے اس کی باتوں کو سوچتے خود کو  
تکلیف دیتا رہتا تھا۔

مگر اب بہت ہو گیا تھا اس کی مردانہ آنا غیرت جوش  
مارتے مقابل کی جان لینا چاہ رہی تھی۔

طلاق دے دیں مجھے حاکم خان۔ مجھے میرے بایادادا  
جان کے پاس واپس جانے دیں۔ رائے خان روتے

ہوے اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی۔

رائینہ کے مطالبے پر حاکم خان کی سانسوں میں تندور

دھکا تھا۔ وہ اس کے بالوں پر اپنی گرفت سخت کرتے

اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

تمہارے بابا لالا اب تمہیں نہیں اپنائیں گے۔ پھر

کہاں جاؤ گی؟؟ تمہیں سڑکوں کی زینت بنانے کے



لیے تمہیں طلاق دے دوں۔ حاکم خان نے غلط سے

سوال کیا۔

کیوں نہیں اپنائیں گے؟؟ آپ نے کہا تھا نکاح پاک  
رشتہ ہوتا ہے وہ ہمیں معاف کر دیں گے ہمیں اپنائیں  
گے اب کیوں نہیں اپنائیں گے؟؟ رائیہ حاکم خان کی  
شرٹ مٹھیوں میں جکڑے سسک پڑی تھی۔

رائینہ تمہیں تمہارے بابا لالا اپنائیں یا پھر نہیں مگر  
ایک بات یاد رکھنا تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔  
تم۔ صرف میری ہو۔ میری ہو تم!! صرف حاکم  
خانزادہ کی!! میں تمہیں موت کی نیند سلا سکتا ہوں  
مگر تمہارے مرنے کے بعد بھی تم پر کسی کی نگاہ نہیں

پڑنے دے سکتا۔۔۔ تمہیں آزاد کروں گا یہ بھول جاؤ  
تم!! حاکم خان ایک ایک لفظ پر زور دیتے غرایا۔  
میں نہیں رہوں گی یہاں حاکم خان۔۔۔ میں جاؤں گی  
اپنے لالا بابا کے پاس!! مجھے قید کر کے رکھا ہے ناں  
یہاں۔۔۔ کھلے آسمان کے نیچے جانے کی بھی مجھے  
آجائز نہیں ہے۔ چوبیس گھنٹے آپ کی ہائر کردہ

گارڈز میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ میں بھاگ کر دکھاؤں  
گی آپ کو۔۔ رامنہ حاکم خان کا گریبان جھنجھوڑتے  
ہوئے چیخی تھی۔

گولی مارنے کا حکم دیا ہے میں نے انھیں۔ تمہارا ایک  
قدم آسمان کے نیچے پڑے گا۔ تمہارا سینہ گولیوں سے  
چھلنی کر دیا جائے گا۔ دکھانا بھاگ کر اب تم مجھے !!

میں بھی دیکھتا ہوں کیسے قدم رھتی ہو تم اس  
چار دیواری کے باہر!! وہ حلق کے بل چبختے اس کے  
بال چھوڑتے اسے بے دردی سے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔  
بھاگوں گی ہر حال میں بھاگوں گی۔ بابا لالانے نہ اپنا یا تو  
عمون خانزادہ کے پاس جاؤں گی۔ آپ سے بدلہ لینے  
کے لیے وہ مجھے ضرور اپنائے گا۔ جس طرح اس کی

عزت اچھلی اب آپ کی بھی اچھلے گی جب حاکم خان کی  
بیوی اس کے پاس ہوگی۔

رائینہ اوندھے منہ گرتی پاگلوں کی طرح تھی۔  
حاکم خان اس کے لبوں سے عون خانزادہ کا نام سنتے

پاگل ہوتے اس کی طرف بڑھتے اس کی فراک کو پیچھے  
سے چاک کرتے اس پر مکمل حاوی ہوتا اسے جکڑ گیا۔  
رائینہ خان اس کی گرفت میں پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔  
وہ اسے ہر پردے سے آزاد کرتے اس کے منہ پر اپنا  
ہاتھ سختی سے جماتے اس کی پچھلی گردن پر جھکتے اپنا  
وحشی پن دکھاتے اسے مکمل بے بس کرتے اسے اپنے

قابو کر چکا تھا۔ رائینہ خان کی اب دبی دبی سسکیاں  
گوںج رہی تھیں۔ وہ اس پر اب اپنا جنون اتار رہا تھا۔  
رائینہ خان کو سیدھے کرتے اس کے لبوں کو وہ اپنی  
جنون خیزی سے مسل گیا تھا۔ وہ اس کے لبوں کو سزا  
دیتے پیچھے ہوا تھا۔

رائینہ خان رخ پلٹے اپنے برہنہ وجود پر کمبل لپیٹ گئی۔



حاکم خان سگریٹ کے گہرے کش لیتا اپنی سرخ  
آنکھیں اپنے پہلو میں لیٹی رائینہ خان کی برہنہ کمر  
گاڑھے ہوئے تھا۔ رائینہ خان نے اٹھتے ہوئے اپنی  
فراک نیچے سے اٹھا کر پہننا چاہی۔ وہ اسے بازو سے

جلڑے بیڈ پر بیچ چکا تھا۔

یہیں پر رہو گی تم ایسے ہی۔!! حاکم خان غصے سے  
دھاڑا تھا۔ رائینہ خان خاموشی سے لیٹتے رخ موڑے  
خود پر اچھی طرح کمبل لپیٹ گئی تھی۔ وہ پچھلے کئی  
گھنٹوں سے اسے ایسے ہی محصور کیے ہوئے تھا۔ اس  
نے دو تین مرتبہ اٹھتے ہوئے اپنے وجود کو ڈھانپنے کی

کوشش کی۔ حاکم خان اسے ایسے ہی بیدردی سے بیڈ پر  
بٹخ دیتا تھا۔

۔ چاہ کر بھی حاکم خان کے اندر اس نازک وجود کے  
لیے غصہ آگ کم نہیں ہو رہا تھا۔ حاکم خان نے بیڈ  
کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے  
سگریٹ لبوں میں دبایا۔

اس نے بھی اتنا سگریٹ نہیں پیا تھا۔ مگر جب سے  
عشق کا زخم کھایا تھا وہ چین سمو کر بن گیا تھا۔ نہیں  
برداشت کر سکتا تھا وہ اپنی عورت کے لبوں سے کسی  
غیر مرد کا نام۔۔ اپنی رائینہ کے لبوں سے اس عیون کا  
نام بھی۔ وہ بار بار اس کے پاس جانے کے ذکر کرتے  
اس کی غیرت کو للکارتے اسے تڑپا کر رکھ دیتی تھی۔۔

وہ چاہ کر اس عورت کی جان نہ لے سکتا تھا۔ بہت زیادہ  
عشق کرتا تھا۔ یہی عشق اس کے لبوں سے کسی مرد کا  
نام نہیں سننے دیتا تھا۔

۔ اگر اس کے بابا لالا ایشال زندہ ہوتے وہ ہر ممکن  
کوشش کرتے رائینہ خان کو ان سب سے ملواتا۔ اب  
وہ کیسے ان سے ملوا سکتا تھا یا اسے حویلی جانے دے سکتا

تھا۔ وہ اگر سچ جان جاتی تو شاید اگلا سانس بھی نہ لے  
پاتی۔

حاکم خان نے اپنے بال مٹھیوں میں بے دردی سے  
جلڑے تھے۔ دل کر رہا تھا خود کی جان لے لے۔ اس  
ایک مہینے میں رائینہ خان اسے اس موڑ پر لے آئی تھی  
کہ وہ خود کو شاہڈ گولی مار دیتا۔ مگر رائینہ خان کو وہ مجھے

اس بے درد دنیا کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ باہر کی  
دنیا سے بھنبھوڑ کر رکھ دیتی۔ اور وہ اس کے مرنے  
کے بعد بھی اس عون یا کسی مرد کے پاس جائے یہ بھی  
گوارا نہ تھا۔ اب اس کے زندہ اور مردہ وجود پر صرف  
اس کا حق تھا۔ صرف حاکم خان کا۔  
وہ گہرے سانس لیتا اس کے وجود سے کمبل اتارتے

ہوے اس پر جھکا۔ رائینہ حاکم خان کو متورم گلابی  
آنکھوں سے دیکھتے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔  
وہ اس کے اوپر جھکے بہت نرمی سے اس کی متورم  
آنکھوں پر باری باری لب رکھتے اس کے ہونٹوں کے  
زخم پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔  
مارڈالوں مجھے!! یہ لو پکڑو پستل اس کی گولیاں میرے



سینے میں اتار دو رائینہ !! وہ سائیڈ ٹیبل سے پسٹل

اٹھاتے اس کے ہاتھ میں تھما گیا۔

رائینہ نے پسٹل پکڑے حاکم خان کو دیکھا۔

چیمبر چڑھا ہے صرف ٹریگر دباؤ گی تو میں اگلا سانس

نہیں لے سکوں گا۔ مگر یہ مت کرو میرے ساتھ۔

اس عون کا نام مت لیا کرو۔ تمہارے لبوں سے کسی

غیر مرد کا نام سنتے موت سے زیادہ تکلیف ہے میرے  
لیے۔ وہ اس کے ہاتھ میں پکڑی پستل کے ٹریگر پر انگلی  
رکھے اس کی انگلی کا دباؤ بڑھانے لگا۔ رائینہ خان کی  
آنکھوں میں یہ دیکھتے خوف لہرایا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کو  
سختی سے جکڑے پستل کی نوک اپنے دل کے مقام پر  
رکھے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ٹریگر پر اس کی

انگلی کا دباؤ بڑھا رہا تھا۔

رائینہ خان نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ کھینچا۔ وہ اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مزید سخت کر گیا تھا۔

مارو رائینہ!!۔ ورنہ کسی دن اس عون کا نام تمہارے لبوں سے سن کر یہ گولیاں تمہارے سینے پر چلا دوں گا۔ وہ کرب امیز لہجے غرایا تھا۔

رائینہ خان روتے ہوئے اپنا ہاتھ چھیچ گئی تھی۔ حاکم  
خان نے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے پسٹل سے  
سامنے دیوار پر کئی فایر کیے۔ رائینہ خان گولیوں کی  
گرج پر لرزتے ہوئے چیختے ہوئے حاکم خان کے سینے  
میں سمائی تھی  
۔ حاکم خان آنکھیں میچے اسے خود میں سما لیا تھا۔

وہ اس کے نازک سے وجود کو اپنے اوپر کرتے اس کے  
برہنہ کندھے کو اب نرمی سے چوم رہا تھا۔ رائینہ خان  
اس کے سینے سے لپٹے ہوئے تھی۔

مجھے میرے بابا لالا ایشال کے پاس جانا ہے۔ مجھے اپنے  
آری کے پاس جانا ہے۔ لالا ایشال روز مجھے خواب میں  
روتے ہوئے ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ ملو ادیں میں وعدہ

کرتی ہوں۔ میں بھی ضد نہیں کروں گی۔ رائینہ خان  
نے روتے ہوئے حاکم خان کی آنکھوں میں دیکھتے التجا  
کی۔

حاکم خان نے لب بھینچتے اسے دیکھتے اپنی پیشانی مسلی  
تھی۔

ملوائیں گے ناں!! رائینہ نے حاکم خان کی سینڈو

جلڑے سسکی لیتے پوچھا۔

حاکم خان نہ چاہتے ہوئے بھی سر ہلا گیا تھا۔ رائینہ خان  
بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس کے سینے سے  
لپٹی تھی۔ حاکم خان اس کے یوں لپٹنے پر بے یقین ہوا  
تھا۔ وہ جلدی سے اسے اپنے سینے میں سختی سے بھینچتے  
رخ پلٹے اس کے چہرے پر جھکے اس کے آنسوؤں کو

اپنے حلق میں اتارنے لگا۔ وہ دیوانہ وار اس کے ایک  
ایک نقش کو اپنے لبوں سے چھوتے اس کے بدن کے  
ہر حصے پر اپنی جنونی سوغاتوں کی مہر لگانے لگا۔ رائینہ  
خان بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جاڑ گئی تھی۔ وہ مر کر بھی  
حاکم خان کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔ جس نے اس  
سے بدلے کی خاطر نکاح کیا تھا۔ جس کا بیٹا اور بیوی



تھے۔ وہ بڑے دھڑلے سے دو دن ان لوگوں کے  
پاس گزار کر آیا تھا۔ جس نے اس کے سچے معصوم  
عشق سے بیوفائی کی تھی۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد  
وہ کیسے اس ظالم مرد کو معاف کر سکتی تھی۔ وہ چنچیں وہ  
ذلت اسے سونے نہیں دیتی تھی۔ اسے سکون نہیں  
لینے دیتی تھی۔ وہ تو مرچکی تھی کب سے مرچکی تھی۔

اب اسے اپنے بابا دادا جان ایشال کے قدموں میں گر  
کر معافی مانگنی تھی۔ اس حاکم خان سے چھٹکارا ہر حال  
میں اسے چاہیے ہی تھا۔ اسے یقین تھا فارس خان کبیر  
خان اس کی فریاد ضرور سنے گے۔ اسے ایک بار اس  
حویلی سے نکلنا تھا۔ فارس خان کی پاور بھی کم نہ  
تھی۔ اگر حاکم خان سیر تھا اس کا لالا سوا سیر تھا۔ وہ

بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے اپنے لالا اور بابا کو یاد کر  
رہی تھی۔

حاکم خان دیوانوں کی طرح اس کے جسم کے ہر حصے کو  
اپنی زبان سے گیلا کر رہا تھا۔ وہ اس کے پیروں پر جھکا  
اپنے دہکتے لب رکھتے اسے باور کروا تھا۔ وہ اس کے  
عشق میں پاگل ہے۔ ایک بار پھر سے وہ اس پر جھکے اس

پر اپنی شدتیں نچھاور کر رہا تھا۔ کمرہ اس کی جنون بھری  
شدتوں سے لرز رہا تھا۔ وہ پاگل ہوتے رائینہ خان کے  
ہاتھ اپنے کمر سے لپیٹے اسے دیوانہ وار اچومتے  
سرگوشیوں سے اپنی محبت یقین دلاتے جیسے گڑ گڑا رہا  
تھا۔ رائینہ خان آنکھیں موندے اپنی سسکاریوں پر  
قابو پاتے حاکم خان کا جنون خود لچ برداشت کر رہی

تھی۔

در خزنئی کو بلو جینز اور بلو شرٹ میں دیکھتے عنائے حیران  
ہوئی تھی۔ آج کتنے مہینوں بعد وہ اسے شلوار قمیض  
کے علاوہ جینز شرٹ میں ملبوس نظر آیا تھا۔  
لاونج کے صوفے پر بیٹھے اپنے پیروں میں شوز پہن رہا

تھا۔

عنائیہ نے لاؤنج میں لگے وال کلاک کی طرف دیکھا  
جہاں شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ اس وقت کہاں جا  
رہا تھا وہ حیران ہوئی تھی۔ درخزئی!! عنائیہ اسے  
پکارتے اس کی طرف بڑھی تھ  
وہ شوز پہنتے کھڑا ہوتے اپنی طرف بڑھتی عنائیہ کو کلائی

سے کھینچتے اپنی بانہوں میں لیے اسے اپنے سینے میں  
بھینچ کیا تھا۔

عنائیہ اس کی شرٹ سے اٹھتی مسحور کن خوشبو سے  
مدہوش ہوئی تھی۔ وہ اس کے سینے سے لپٹے آنکھیں  
موند گئی تھی۔ اپنی دھڑکنوں کو درخزئی کے سینے کا  
حصہ بنتے محسوس کرتے عنائیہ گلاب کی طرح سرخ

پڑتے اس کے ساتھ مزید شدت سے لپٹی تھی۔

اے اے اے مس امریکن!! کیا کر رہی ہو؟! وہ  
اسے خود سے دور کرتے ہنساتھا۔ عنایتیہ سرخ پڑتے  
اپنی حرکت پر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

میری جان میری زندگی میری سوین! تم ہر پل میرے  
ساتھ لپٹی رہو یہی تو میں چاہتا ہوں۔ مگر ابھی زیادہ



قریب آئی تو غسل واجب کر دو گی۔ وہ اسے کمر سے  
جکڑے اپنے قریب کر گیا۔ عنائتہ کی رنگت مزید  
سرخ ہوئی تھی۔

کیا ہے ناں والیفی؟؟ در خزنی خانزادہ تمہیں بہت  
شدت سے محسوس کرتا ہے۔ تمہیں سوچتے ہی میں  
خود پر قابو کھودیتا ہوں قریب آتی ہو تو مت پوچھو کیا

حالت ہوتی ہے۔ وہ اسے کلائی سے جکڑے اپنے  
قریب کرتے بے باک شرارت کر گیا۔ عنائتہ کی  
آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھلی تھیں۔ وہ اس وقت سیاہ  
گاؤن ویلوٹ کی نائیٹی پہنے ہوئے تھی۔ وہ اس کی گاؤن  
کی ڈوریاں کھولے بے باکی کی ہر حد پار کرتے اسے چھو  
رہا تھا۔ عنائتہ اس کی بے باکیوں پر حیران ہو رہی تھی۔

یہ آچانک اسے کیا ہو گیا تھا؟؟ وہ اسے دونوں کندھوں  
سے تھامتے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکتے بہت  
نرمی سے اسے زمین پر بٹھاتے چلا گیا تھا۔ عنائے  
در خزنئی خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی وہ اسے  
اب نرمی سے لاونج میں بچھی نرم و گداز قالین پر  
لٹاتے اس پر چھکا تھا۔

در خزنئی خانزادہ اس پر اپنا ملل ویٹ ڈالے ہوئے تھا۔  
وہ اس کا وزن سہن نہیں کر پار ہی تھی۔ وہ اس کی  
حالت خراب ہوتے دیکھتے ہنسا تھا۔

پریکٹس کر لو جان من!! پوری پوری رات میرا وزن  
سہنا ہے اب تمہیں؟؟ اس سر پھرے خانزادہ کو  
سنجبالنا ہے تمہیں۔ وہ اپنے گٹھنے سے اسے بے باکی

سے چھوتے اس کے ایک نقش نقش کو دیوانوں کی  
طرح چھو رہا تھا۔ اس کی پر تپش لمس کی بو چھاڑ پر  
عنائیہ کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔

وہ اس کے نقوش کو چومتے اپنی دہکتی سانسیں اس کے  
تپتے عارض پر چھوڑتے ہوئے گہرے سانس لیتا عنائیہ  
کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔ وہ بھی

گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں  
گاڑھے ہوئے تھیں۔

دونوں کے لب ایک دوسرے کے لبوں سے ٹکراتے  
ایک دوسرے کو چھونے کے لیے بے تاب ہوئے  
تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے بے تابی سے ایک

دوسرے کے لبوں میں اپنے لب شدت سے پیوست  
کر کے تھے۔

در خزنئی دیوانوں کی طرح اس کے لبوں کو چومتے اس  
کی سانسیں چراہا تھا۔ وہ بھی در خزنئی کی استینوں کو  
مٹھیوں میں جکڑے در خزنئی کے لبوں کو چوم رہی  
تھی۔

وہ دونوں اتنے مہینوں کا جنون اتار رہے تھے جیسے۔  
کتنے لمحے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے مگر  
ایک دوسرے کی سانسیں وہ شد و مد سے کھینچ رہے  
تھے۔

کتنی ہی دیر بعد در خزئی خانزادہ نے اس کے لبوں کو زانو  
کیا۔ اس کی نازک بیوی کی سانسیں اب مدھم پڑ رہی



تھیں۔

اس لیے در خزنی خانزادہ اسے آزاد کر گیا۔

اب دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے اپنی بے ترتیب  
سائنسیں درست کر رہے تھے۔ عنائتہ اس کی آستین کو  
جکڑے رو رہی تھی۔ وہ کتنے مہینوں بعد اس کے  
قریب آیا تھا۔ یہ دوسری ڈیپ کس تھی جو نکاح کے

بعد اس نے کی تھی۔

اپنی زبان باہر نکالو مائی سوین!! وہ بھیگی آواز میں بولا  
تھا۔

کیوں؟؟ عنایتیہ نے ہچکی لی۔  
دیکھنا چاہتا ہوں یہ کتنی کالی ہے۔ کل کو تم مجھے دبدو  
مجھے یہ ڈر ہونا چاہیے کہ تمہاری بدعا مجھے لگ نہ

جائے۔ اس لیے مکھار اول کم سے کم دکھاؤں گا۔  
عنائیہ اس کی بات پر روتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔ اس  
کے ادا کیے ہوئے یہی جملے یاد آئے تھے۔ جب نکاح  
کے بعد اس نے یہ سب کہا تھا۔  
عنائیہ نے روتے ہوئے اپنی زبان باہر نکالی تھی۔ وہ  
ہنستے ہوئے اس کی زبان کو اپنے ہونٹوں سے جکڑتے

پھر سے اس کی سانسوں کو گھوٹ گیا تھا۔

---

urdunovelscollection.com

رمز جنون  
تحریر نور آصف

قسط 16

در خزنئی خانزادہ اس کے لبوں سے لپٹے اس کی  
سانسوں کو مدہوشی میں پی رہا تھا۔ وہ اس کے

بازوؤں پر اپنے ناخن بے دردی سے گاڑھے  
ہوے تھی۔ رخنائی کی دہکتی سانسیں اس کا جان  
لیوہ انداز عنایتیہ کی جان نکال رہا تھا۔ وہ ماہی بے  
آب کی طرح اس کے نیچے ترپ رہی تھی۔ وہ اس  
کا ٹرپنا محسوس کرتے اس کے سلکی بالوں میں نرمی

سے انگلیاں چلاتے ہوئے اس کے لبوں پر مزید  
سجی سے اپنا قفل لگا گیا۔

عنایتیہ کی گرفت اس کے بازوؤں پر ڈھیلی ہوئی  
تھی۔ در خزنئی کی سانسوں کی چبھن سے اس کے  
گلابی لبوں پر جلن کی رمل بڑھتی ج رہی تھی۔ وہ  
اس کے گلابی لبوں کو اپنے دہکتے لمس سے سرخ

قتدھاری کر رہا تھا۔ عنائتہ کے بے جان وجود کو  
محسوس کرتے وہ اس سے دور ہوتے کارپٹ پر  
سیدھے لیٹے اپنی بے ترتیب سانسیں درست  
کرنے لگا۔

عنائتہ اپنی اکھڑی سانسوں کو درست کرتے رخ  
پلٹ گئی تھی۔ در خزئی خانزادہ نے اس کی پشت کو



دیکھتے اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈالتے اس کا گاؤن  
اس کے کندھے سے نیچے سر کاٹا وہاں اپنے لب  
رکھتے اس کی سائیڈ کر دن کو نرمی سے چومنے لگا۔  
در خزنئی کے ہاتھ بہت بے بے باکی سے اس کی  
ناز کی کو چھوتے اس پر اپنا مکمل حق جتا رہا تھا۔  
عنائیہ گھبراتے ہوئے اس سے دور ہوئی تھی۔ وہ

اسے ایک جھٹکے سے سیدھا کرتے اس کی سیلو لیس  
نایٹی کے سٹریپ نیچے کی طرف کھسکاتے اس کی  
گہرائیوں پر جھکا اپنا لمس بکھیرنے لگا۔ عنایتیہ  
گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کی شدت پر لرز  
اٹھی تھی۔ وہ اس کا لرزنا محسوس کرتے اسے اپنی

بانہوں میں بھرتے اس کے نازک وجود کو اپنے

اوپر کر گیا۔

عنایتہ شرم سے سرخ ہوتے در خزی کی گردن

میں منہ چھپائی تھی۔

اسے شرماتے اور لرزاتے دیکھتے در خزی کا قہقہہ

گو نجات تھا۔

ہے مائی سوین!! یہ تو کچھ نہیں پکچر تو رات رات  
بھر چلے گی۔ یہ نثر مانا اور مانا نہیں چلے گا۔ در خزنئی  
خانزادہ نے گھمیر لہجے میں کہتے اس کے بالوں کو  
گدی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے  
اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

مائی سوین!! آجارت ہے تمہیں مکمل اپنا بناتے  
یہ رشتہ مکمل کروں!! در خزئی کے سوال پر  
عنایتیہ کی مٹھیوں کی گرفت اس کی شرٹ پر  
مضبوط ہوئی تھی۔ وہ گلاب کی طرح سرخ ہوتے  
نگاہیں جھکا گئی۔

مائی سوین!! مجھے تمھاری مکمل رضامندی  
چاہیے۔ ہماری پہلی رات کی قربت میں تمھارا  
جسم ہی نہیں تمھارا دل و دماغ بھی صرف در خزنئی  
خانزادہ کا ہونا چاہیے۔ بہت پوزیسو ہوں تمھیں  
لے کر!! مجھے تمھارے دل پر ہی نہیں تمھارے  
دل و دماغ پر بھی خود کی حکمرانی چاہیے۔ جیسے تم

مجھ پر کرتی ہو۔ وہ اس کی ہتھیلی نرمی سے چومتے  
بول رہا تھا۔

تم یہاں میرے پاس کب سے ہو مجھے یقین ہو گیا  
ہے میری خوبصورت بیوی ڈر سے نہیں میری  
محبت میں یہاں رہ رہی ہے۔ مجھے تم پر یقین ہے

عنایتیہ!! در خزنئی خانزادہ کی بات پر وہ اسے بھیگی

نگاہوں سے دیکھ رہی تھی

میرا یقین اب کبھی نہیں توڑنا، ہمدم!! تم جو کہو گی

وہی کروں گا۔ جس طرف موڑو گی مڑ جاؤں گا۔

میری حویلی میرے دل پر میرے جسم پر صرف

تمہارا راج ہے تمہاری حکومت ہے اور رہے گی۔



جو مکھارا حکم ہو گا وہی کروں گا۔ در خزنی اس کی

چہرے کو نری سے دونوں ہاتھوں میں تھامے

ملاٹت سے بول رہا تھا۔

عنایتیہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بے یقینی

سے یہ سب سن رہی تھی۔

دو دن بعد در خزنئی خانزادہ وہی کرے گا۔ جو اس  
کی بیوی کہے گی۔ میری بیوی کہے گی در خزنئی  
کھڑے ہو جاؤ در خزنئی کھڑا ہو جائے گا۔ در خزنئی  
بیٹھ جاؤ در خزنئی بیٹھ جائے گا۔ در خزنئی سانس لو  
در خزنئی خانزادہ سانس لے گا۔ دو بعد سے کوئی

ڈیوٹی نہیں اونٹنی والیفی ڈیوٹی۔ وہ عنائتہ کے لبوں  
سے اپنے لب مس کرتے ہوئے بولا۔  
دو دن بعد؟؟ عنائتہ نے حیرت سے سوال کیا۔  
میری جان!!! آج میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ دو  
بعد سے یہ ڈیوٹی شروع ہوگی۔ دو دن میرے  
آزاد رہنے کے دن ہیں۔ اسی لیے سوچا اسلام آباد

جا کر عیاشی کر لوں!! وہ عنایتیہ کو خود سے نرمی

سے دور کرتے کھڑا ہوا تھا۔

عنایتیہ بے یقینی سے اس کی بات سنتے جلدی سے

کھڑی ہوئی۔

مذاق کر رہا تھا سوین! میری عیاشی تم ہو صرف

تم۔۔ مجھے ضروری کام ہے صرف دو دن دے دو

میری زندگی سے۔ در خزئی خانزادہ نے اس کے  
پریشان چہرے کو دیکھتے جھکتے ہوئے اس کی گردن  
پر کس کی۔

مگر در خزئی میں اکیلے یہاں کیسے رہوں گی؟؟۔  
مم مجھے ڈر لگتا ہے مجھے ساتھ لے کر چلیں۔ عنایتیہ  
نے اس کی شرٹ جکڑے ٹے کہا۔

عنائتہ جان ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟!۔ غنچہ  
گل چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ ہوگی۔۔ حویلی  
کے چاروں طرف میرے گارڈز ہیں۔ فون پر ہر  
لمحہ میں تمہارے ساتھ ہوں گا میری۔ جان۔  
در خزئی نے اس کی کمر میں سختی سے ہاتھ ڈالتے  
ہوئے اس کے گال پر دانت گاڑھے تھے۔

در خزنی میں نہیں رہ سکتی۔۔ عنائی اس کی شدت  
پر اپنی سسکی روکتے ہوئے بھگے لہجے میں بولی۔  
مائی سوین!! دودن بعد تمھاری غلامی پکی!! مگر یہ  
دودن میرے ہیں۔ آج تمھاری بات نہیں مان  
سکتا۔ وہ اس کی پیشانی پر لب رکھتے ہوئے سنجیدگی  
سے بولتے دروازے کی جانب بڑھا۔

دو دن بعد میری غلامی کرنے کی کوئی ضرورت  
نہیں سمجھے آپ!!۔ عنایتیہ اس کی پشت کو دیکھتے  
بھگی آواز میں چیخی تھی۔ اس کی چیخنے پر در خزی  
کے قدم رکے تھے۔ دوسرے لمحے وہ گہرا سانس  
بھرتے دروازے کی طرف بڑھا۔



عنائیہ روتے ہوئے بھاگتے ہوئے اس کی طرف  
بڑھی تھی۔

وہ داخلی دروازہ کھول کر باہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔  
عنائیہ بھاگتے ہوئے دروازے میں آئی تھی۔  
واپس آنے کی ہی ضرورت نہیں رہے گی میں  
آپ کے بنا۔ وہ اسے پتھروں کے روش پر چلتے

دیکھتے چینی تھی۔

وہ اس کی چیخ و پکار سنتا خاموشی سے اپنے بھاری  
قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اتنے مہینے آپ کے ہوتے ہوئے بھی میں تنہا ہی  
رہ رہی تھی۔ اب بھی ضرورت نہیں یہ رشتہ

مکمل کرنے کی در خزنی خانزادہ! وہ روتے ہوئے  
اس کی پشت دیکھتے اب ہذیانی چیخ رہی تھی۔  
جائیں جدھر عیاشی کا سامان ہے آپ کے لیے۔  
سیدھی طرح کہیں بیوی نہیں اچھی لگتی۔ دل بھر  
کیا آپ جیسے سر پھرے خانزادہ کا مجھ سے!! وہ بنا  
سوچے سمجھے فضول بول رہی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ

فضول بول رہی ہے۔ مگر اسے جانا دیکھ کر وہ پاگل  
ہو رہی تھی۔ اتنے مہینوں بعد وہ قریب آکر اس  
سے دور جا رہا تھا۔ اسے اس haunted حویلی  
میں اکیلا چھوڑ کر جا رہا تھا۔

دو دن بعد مت آئیے گا واپس در خزی! اور آپ  
میں guts نہیں بیوی کا غلام بننے کے لیے۔

غلامی کرنے والے ایسے شوہر نہیں ہوتے۔  
عنایتہ داخلی دروازے کو جکڑے شدت سے رو  
دی تھی۔ وہ بنار کے کارپورچ کی طرف بڑھ گیا  
تھا۔

آئی ہیٹ یو۔ وہ تھوڑا آگے آتے ہوئے اب  
چینی تھی۔ وہ اب گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ اسے

گاڑی میں بیٹھے دیکھ کر عنایتہ کی سانسیں رکی  
تھیں۔

عنایتہ تیزی سے بھاگتے ہوئے اندر کی جانب  
بڑھی۔

وہ لاونج کی کارپٹ پر بیٹھے شدت سے رونے لگی۔

۔ آئی ہیٹ یو در خزئی خانزادہ! وہ پھر سے خلق  
کے بل چینی تھی۔

غنچہ گل کانوں کو ہاتھ لگاتے حیرانگی سے عنائیہ کو  
دیکھ رہی تھی۔ در خزئی اس کی ساری باتیں سنتے  
خاموشی سے چلا گیا تھا۔ وہ حیران تھی۔ اس کی  
اوپچی آواز دور تک جا رہی تھی۔ مگر در خزئی

خانزادہ نے اسے ایک بار نہیں روکا تھا۔ یہ تو  
سمجھ آ گیا تھا اسے در خزنئی خانزادہ کے لیے اس کی  
بیوی بہت معنی رکھتی تھی۔ ملالہ خان در خزنئی  
خانزادہ کی زندگی میں کوئی اب کوئی معنی نہیں  
رکھتی تھی۔ وہ لاونج میں در خزنئی کی دیوانگی کچن



کے دروازے کی اوٹ سے چھپکے سے دیکھ چکی  
تھی۔

---

زاویار خانزادہ سرخ چہرے کے ساتھ سرد سرخ  
آنکھوں سے اپنے ڈیرے پر بیٹھا موبائل میں وہ  
ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ جو اسے ابھی ابھی موصول ہوئی

تھی۔ التمش خانزادہ زاویار خانزادہ کے پیچھے کھڑا  
یہ ویڈیو دیکھتے بمشکل اپنے غصے پر قابو پانے کی سعی  
کر رہا تھا۔ التمش کی رنگت میں بے پناہ سرخی کی  
امیزش شامل تھی۔ وہ یہ سب دیکھتا اپنی پسٹل کے  
ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھائے ہوئے تھا۔

!! تم اپنے بھائی جیسے ہی ہو۔ سنا تھا بلکل ٹھیک سنا

تھا وہ جابر ظالم بغیرت ہے۔ تم بھی وہی ہو ظالم

جابر بغیرت !!

عائش ملک ار ترضی خان پر بدوق تانے کھڑی چیخ

رہی تھی۔ یہ دیکھتے زاویار خانزادہ کی ماتھے کی

رگیں بری طرح پھول رہی تھی۔ اس کی چاکلیٹی

براؤن آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ اس کے بھائی  
اس کی جان اس کی زندگی اور تفسی خان پر ہاتھ اٹھایا  
کیا تھا۔ زاویار خان زادہ کے علاقے میں ایک  
عورت اس کے بھائی پر پستل تانے کھڑی اسے  
گالیاں دے رہی تھی۔ زاویار خان زادہ سرخ خون

آلود آنکھوں سے موبائل سکرین پر نگاہیں  
گاڑھے ہوئے تھا۔

!! چھوڑ مجھے نہیں چھوڑوں گی ان زمینی خداؤں  
کو۔ ان بغیرت خاندانوں کو!!!  
التمش خاندانہ کی سماعتیں مزید یہ سب نہیں سن  
سکتی تھیں۔ وہ اپنی ہاتھ میں پکڑی پسٹل سے

سامنے یکے بعد دیگرے کئی فائر کر گیا۔ زاویار  
خانزادہ کا عالیشان ڈیرہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے  
گونج اٹھا تھا۔

آہہ!! زاویار خانزادہ نے چیختے ہوئے کرسی سے  
اٹھتے ہوئے موبائل زمین پر پوری قوت سے دے

مارا۔ موبائل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی حصوں میں  
تقسیم ہوا تھا۔

آہہ! اپنی جیب سے پسٹل نکالتے ہوئے زوایار  
خان نے چیختے ہوئے آسمان میں کئی فائر کیے۔  
التمش خانزادہ گہرے سانس لیتا زوایار خانزادہ کو  
دیکھتے بمشکل خود پر قابو پا رہا تھا۔ اس سے زیادہ

عورت کا کوئی احترام نہیں کرتا تھا۔ وہ تو کسی بھی  
عورت کے احترام میں اپنی نظر جھکا لیتا تھا۔ مگر  
آج اس کا دل کر رہا تھا عایش ملک کے سینے میں  
اپنی پستل کی گولیاں اتار دے۔۔

التمش گاڑی نکالو مجھے ابھی ار ترضی کے پاس جانا  
ہے!! زاویار خان زادہ اپنی پستل میں گولیاں ڈالتے



ہوے گر جا۔ وہ سیاہ شال کندھوں پہ جھٹکتے  
ہوے اپنے بھاری قدموں سے باہر کھڑی اپنی  
سیاہ مسڈیز کی طرف بڑھ گیا تھا۔  
جی خان! آتمش خانزادہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے  
خود ضبط کرتے ہوئے زاویار خانزادہ کے پیچھے  
بڑھا۔

زاویار خانزادہ کی گاڑی تیزی سے رات کی بڑھتی  
سیاہی میں کلام کی سڑکوں پر ہچکولے بڑھ رہی  
تھی۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنی خون اتری  
آنکھیں ونڈ سکرین سے باہر جمائے ہوئے تھا۔

چھوڑ مجھے نہیں چھوڑوں گی ان زمینی خداؤں کو۔

ان بغیرت خاندانوں کو!!!

عائش ملک کے لفظ اس کی سماعتوں کو چیرتے اس  
کے اندر آگ کے دریا دوڑائے ہوئے تھے۔ اس  
نازک سی عورت نے اس کے بھائی اس کی جان پر  
ہاتھ اٹھایا۔ اسے یوں بے عزت کیا۔ زاویار

خانزادہ کی رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح  
اُبل رہا تھا۔

التمش خانزادہ کا حال بھی کم و بیش زاویار خانزادہ  
جیسا ہی تھا۔ وہ اس ٹوٹی پھوٹی خوفناک سڑک پر  
بہت بے رحمی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ کوئی زاویار  
خانزادہ کو نگاہ اٹھا کر دیکھے اس کا دل کرتا تھا اس کی

آنکھیں نکال کر ہتھیلی پر سجادے۔ اور وہ لڑکی  
زاویار خانزادہ کو گالیاں دے رہی تھی اور وہ کچھ نہ  
کر سکا تھا۔ آج وہ نازک سا وجود اس کے سامنے  
ہوتا وہ اس کی قبر زمین میں بے رحمی سے کھودتا  
اسے زندہ زمین میں گاڑھ دیتا۔

زاویار خانزادہ، انٹرنش خانزادہ کامو بایل ہاتھ میں  
پکڑے ار ترضی خان کا نمبر مسلسل ڈائل کر رہا تھا جو  
وہ اٹھا نہیں رہا تھا۔ زاویار خانزادہ کی رنگت میں  
اشتعال کی سرخی گہری ہو رہی تھی۔ ار ترضی خان کی  
جھکی نگاہیں یاد آرہی تھیں۔ اپنے بھائی کی بے بسی  
یاد آتے اس کا گرم خون کھولا رہی تھی۔ زاویار

خانزادہ کوزمین پر پڑی خون میں لت پت عایش  
ملک کا جوان بھائی جیسے دکھائی ہی نہیں دیا تھا۔  
گاڑی تیز چلاؤ! تمش!! مجھے اپنے ار تھی کے پاس  
جانا ہے۔ اگر اسے ایک آنچ بھی آئی میں ان  
پہاڑوں کو ہلا ڈالوں گا اور ان پہاڑوں میں ہی  
ملکوں کی بیٹی کو دفن کر دوں گا۔ وہ خون اتری

آنکھوں سے دھاڑا تھا۔ رات کی گہری سیاہی میں  
زاویار خانزادہ کی چنگاڑ سناٹوں کو چیرتے گاڑی کو  
ہلا چکی تھی۔

جی خان!!! ایتیش خانزادہ مستعدی سے بولتے  
گاڑی کی سپیڈ بڑھا گیا۔



وہ اب پہلے سے بھی زیادہ اب اپنی گاڑی کی سپیڈ  
بڑھائے ہوئے تھا۔ یکدم کلام کی سڑکیں  
بارش سے بھیگنے لگی تھیں۔

آہہ! زاویار خان زادہ نے چیختے ہوئے گاڑی کا شیشہ  
نیچے کرتے اپنی پسٹل سے باہر کنی فائر کیے۔

---

رضی خان کانپتے ہاتھوں سے ڈرائیو کرتے  
مسلسل چیختے رو رہا تھا۔ اس کے سامنے اذان ملک  
کا ساکت وجود پڑا تھا۔ اس کی پسٹل سے کسی کی  
جان گئی وہ بے یقین تھا۔  
!! چھوڑ مجھے نہیں چھوڑو گی ان زمینی خداؤں  
کو۔ ان بغیرت خاندوں کو اس نے میرے اذان

کو مار دیا !!

اس لڑکی کی مسلسل چغیں اس کے حواس کھور ہی  
تھیں۔

آہہہ !! وہ روتے ہوئے چیختے ہوئے اپنی گاڑی کی  
سپیڈ بڑھائے ہوئے تھا۔

ار ترضى خان نے روتے ہوئے اپنے گالوں کو ہاتھ  
لگایا۔ اس لڑکی کے تھپڑ یاد کرتے وہ سٹیرنگ  
چھوڑتے اپنے گالوں کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنے  
لگا۔

آہہہ!! وہ چیختے ہوئے اپنے گالوں کو بے رحمی  
سے پیٹ رہا تھا۔

!! تم اپنے بھائی جیسے ہی ہو۔ سنا تھا بلکل ٹھیک سنا  
تھا وہ جابر ظالم بغیر ت ہے!! وہ چیختے ہوئے اس  
کے سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

نہیں ہوں میں ظالم نہیں ہوں میں جابر!! مگر  
آج قاتل بن چکا ہوں۔۔۔ کک کیسے میں اسے مار  
سکتا ہوں؟!۔۔ کیسے کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ وہ

اب سٹیرنگ پر اپنا ہاتھ مسلسل مارتے ہوئے حلق  
کے بل چیخ رہا تھا۔

کاش تم وہ گولی میرے سینے پر مار دیتی۔۔۔ ار تھی  
خان حلق کے بل چیخا تھا۔

وہ روتے ہوئے چیختے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کھلے  
شمشے اس کی چپخیں پہاڑوں کو چیر رہی تھیں۔

ار ترضى خان سے اب اس كى گاڑى كا كنٲرول

چھوٹ رہا تھا۔

وہ اپنى ڈولتى گاڑى كو بمشكـل سنبھالتے ڈرائیو كر رہا

تھا۔

يكدم اس كى ڈولتى گاڑى كا سامنے سے آتى زوايار

خانزادہ كى گاڑى سے ٹكراتے زوردار تصادم ہوا

تھا۔

زاویار خانزادہ اور التمش خانزادہ کے سرڈیش بورڈ  
سے ٹکرائے تھے۔ ارتضیٰ خان کا سر بھی زوردار  
انداز میں سٹیرنگ سے ٹکرایا تھا۔  
خان!! اپ ٹھیک ہیں۔ التمش اپنے پیشانی پر لگے  
زخموں کی پرواہ کیے بغیر گاڑی کی بریک پر پوری



قوت سے پاؤں رکھتے گاڑی کو کنٹرول کرتے  
زاویہ خانزادہ کو دیکھتے چیخ اٹھا۔ جس کی پیشانی سے  
خون بہہ رہا تھا۔

"نہ نہ دی شوی زما سرہ، خورما دوینو ہرہ ماہمہ  
قسم دہ، زمار ترضی دو یہ پوہ ماہکی ہم پکا شتہ۔ آیا دا  
کلام بہ زر غون شی؟"

(کچھ نہیں ہوا مجھے مگر میرے بہتے خون کے ایک  
ایک بوند کی قسم میرے ارتضیٰ کے خون کا ایک  
قطرہ بھی ہسٹیل اگ لگا دوں گا کلام کو)  
وہ حلق کے بل گر جتے ہوئے گاڑی سے اترتے  
ارتضیٰ کی طرف بڑھا۔ ارتضیٰ خان ہوش و خرد

ساکت سے سٹیرنگ پر سر رکھے ہوئے تھا۔ اس  
کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔  
ار تھی!! زویر خاں زاده نے پاگلوں کی طرح چیختے  
ہوئے ار تھی کے ساکت سے وجود کو خود میں  
بھینچا تھا۔

ار تفضی میری جان !! زاویار خانزادہ کی خوفناک  
گرج پہاڑوں سے گو نجاتی واپس پلٹ رہی تھی۔  
وہ التمش کے ساکت وجود کو ساتھ والی سیٹ پر  
کرتے جلدی سے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا  
گاڑی سٹارٹ کرتے اسے بیک گئیر پر کر گیا۔  
التمش خانزادہ نے جلدی سے زاویار خانزادہ کی

گاڑی کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے  
گاڑی پیچھے کی طرف کرتے سائیڈ پر کی تھی۔  
زاویہ خانزادہ خطرناک طریقے سے اس چھوٹی سی  
سڑک سے گاڑی نکالتے گاڑی کا رخ ہسپتال کی  
طرف کر گیا تھا۔

انٹرنیشنل خانزادہ نے بھی گاڑی ہسپتال کے راستے پر  
ڈالی تھی۔

---

عائش ملک گرین کلر کی بیوی فراک میں ملبوس  
کھلے بالوں کے ساتھ گلابی متورم آنکھوں سے  
اذان ملک کو دیکھ رہی تھی۔ گولی اذان ملک کے

سینے کے پاس سے چھو کر گزری تھی۔ وہ بالکل  
خطرے سے خالی تھا۔ مگر ابھی وہ میڈیکشن کے  
اثر سو رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے اس کے پاس  
ایسے ہی کھڑی تھی۔ مصطفیٰ ملک کی طبیعت کافی  
ڈاؤن ہو چکی تھی۔ وہ ہارٹ پشینٹ تھے۔

اپنے بیٹے اذان ملک میں ان کی جان بستی تھی۔

اذان ملک کی جان خطرے سے باہر ہے یہ سنتے

رضا خان ان کی طبیعت کے زیر اثر انھیں

زبردستی واپس حویلی لے گئے تھے۔ رضا خان کو

عائش ملک کا ہسپتال میں رکنا ناگوار گزر رہا تھا۔

مگر عائش ملک کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اذان ملک



کے ساتھ ہسپتال رکی تھی۔ رضا خان اپنی گھر کی  
عورتوں کو کسی صورت عایش ملک کے ساتھ  
ہسپتال نہیں چھوڑ سکتا تھا ان کی عورتیں پردہ کرتی  
تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی مصطفیٰ ملک اور اذان  
ملک کے سامنے نہیں آئی تھی۔ رضا خان عائش  
کے طور اطور دیکھتے اب جھنجھلا سے کہتے تھے۔

ان کے چہرے پر عایش ملک کے لیے ناگواری  
تھی۔ وہ زبردستی گاڑی میں بیٹھ کر آئی تھی۔ داور  
خان نے اسے اپنی شال اوڑھنے کو دی تھی۔ جسے  
وہ اس سے لیتے چلتی گاڑی سے زمین پر پھینک چکی  
تھی۔

اب ہسپتال میں بغیر کسی چادر کے کھلے بالوں  
کے ساتھ اتنی فٹنگ والی فراک میں کھڑی تھی۔  
داور خان یہ دیکھتے غصے سے رضا خان پر چیختے حویلی  
واپس چلا گیا تھا۔ رضا خان کو مجبوراً اپنے گارڈز کو  
ہسپتال کے کمرے کے باہر اور ہسپتال کے باہر  
پہرہ دینے کو کہا تھا۔ عائش ملک ان کے دوست

مصطفیٰ ملک کی بیٹی تھیں۔۔ ان کی مہمان تھیں  
اس کی عزت اس کی جان کی ہر قیمت پر حفاظت  
کرنی تھی۔

اذان!! اذان ملک کے پپوٹوں کو حرکت کرتا  
دیکھتے وہ بھیگی آواز میں اسے پکارتے ہوئے اس پر

جھکی۔ اذان ملک آنکھیں کھولتے عایش کو دیکھتے  
مسکرایا تھا۔

بہت برے ہو تم!! یو بلڈی راسکل!! وہ روتے  
ہوے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔

آہہ!! اذان ملک دل پر ہاتھ رکھتے درد سے کراہا  
تو عایش ملک بدحواس ہوتے پیچھے ہوئی تھی۔

اذان ملک اس کی سرخ ناک کو دباتے ہنس پڑا تھا۔  
تم سچ میں برے ہو اذان !!! اگر تمہاری کوئی گرل  
فرینڈ تمہارے ساتھ لیٹتی تو تم اپنے دل کا درد  
بھی بھول جاتے۔ بلکہ تم مردہ بھی اٹھ جاتے۔  
عائش اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے اس کا ہاتھ  
پکڑتے روتے ہوئے بولی۔

وہ گرل فرینڈ ہوتی اور تم بہن ہو میری!! قسم سے  
عیش اس سبز فراک میں اور میک اپ میں بھوتنی  
لگ رہی ہو۔ ابھی ہوش میں آیا ہوں کیوں اب کی  
بار ہارٹ اٹیک کروانا چاہ رہی ہو۔ اذان ملک کی  
بات پر عایش کی چھوٹی سی تیکھی ناک غصے سے

مزید سرخ ہوئی تھی۔ نیلی آنکھوں میں شرارے  
سے دیکے تھے۔

مجھے افسوس ہو رہا ہے اذان میں نے تمہارے  
لیے اتنے آنسو کیوں بہائے۔؟؟ کیوں میں اتنی  
دیر تمہارے سرہانے کھڑی رہی؟؟۔۔۔ مام بالکل  
ٹھیک کرتی ہیں جو تمہاری پرواہ نہیں کرتی۔



عائش غصے سے بولتے خاموش ہوئی تھی۔ اذان  
ملک کے چہرے پر ناگواری اور تکلیف دیکھ کر وہ  
گہرا سانس بھرتے اپنا نچلا گلابی لب دانتوں تلے  
دبا گئی۔

میری نہیں وہ تمھاری پرواہ بھی نہیں کرتی۔ وہ تو  
پاپا کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔

داگریٹ بزنس وومین سبرینہ ملک کسی نہ کسی  
بزنس میٹنگ میں مصروف ہوں گی۔ اذان ملک  
استھرا نیہ ہنسا تھا۔

ایسی بات نہیں ہے انھیں ہماری بہت پرواہ ہے۔  
مگر پاپا نے کب انھیں ویلیو دی ہے۔ پاپا نے انھیں

بز نس وومین کے طور پر قبول ہی نہیں کیا۔ کیونکہ  
وہ ان کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھیں۔

پلیز عائش ماما کی سائیڈ مت لو۔ اگر پاپا چاہتے  
تھے وہ گھر بیٹھیں تو کیا غلط تھا۔ مگر نہیں انھیں  
خود کو منوانا تھا ایک کامیاب بز نس وومین بننا تھا۔  
کیا ہوا بن گئی ایک کامیاب عورت؟؟ مصطفیٰ ملک

سے بھی کامیاب بزنس وومین عورت۔ مگر ایک  
بیوی ایک ماں کے طور پر وہ ناکام عورت ہے۔  
جب جب ہمیں ان کی ضرورت ہوئی وہ ہمارے  
ساتھ نہیں تھیں۔ آج یہاں میرے پاس  
تمہارے پاس انھیں ہونا چاہیے تھا کہ ہے مسسز

سبرینہ ملک؟؟ بتاؤ مجھے۔ اذان ملک کب لگنی سے

بولا۔

ابھی انھیں فون کروں گی تو بھاگتے ہوئے آئیں  
گی۔ تمھارے پاس!! عایش ملک نے اذان ملک  
پر جھکتے ہوئے اس کی پیشانی پر بکھرے بال اپنے  
ہاتھ سے نرمی سے سنوارے۔

مام مت بنا کرو میری! ایک سال چھوٹی ہو مجھ  
سے!! اذان ملک نے جھنجھلاتے ہوئے اس کا  
ہاتھ اپنے بالوں سے جھٹکا۔  
عائش نے ہنستے ہوئے اس کی پیشانی پر لب رکھے  
وہ مزید جھنجھلایا تھا۔

تسہیں شاہو بر بھائی ہی سیدھا رکھ سکتے ہیں۔ اذان  
ملک نے اس کے ہنسنے پر گھور کر دیکھا تھا۔  
وہ مجھے نہیں میں اسے سیدھا کروں گی دیکھ لینا!!  
عائش کہتے ہوئے اذان کے پاس سے اٹھی۔ وہ  
اس کی کلائی جکڑ گیا۔

اتنے آنسو بہا کر اتنی خوبصورت آنکھوں پر ظلم  
کیوں کیا؟؟ شاہویر اور مام کی جان بستی ہے تمہاری  
آنکھوں میں؟؟ مام کو میری تکلیف نظر آئے یا نہ  
آئے تمہاری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے۔ وہ  
اس کی کلائی جکڑے اس کی نیلی آنکھوں سے نرمی  
سے اپنی انگلیوں سے آنسو چٹنا بولا۔



تم خون میں لت پت پڑے تھے میں ڈر گئی تھی  
اذان! تم جانتے ہو میری جان بستی ہے تم میں۔ وہ  
زاویار خانزادہ کا بھائی مجھ سے بچ گیا ورنہ اس کی  
پسٹل سے اس کا سینہ چھلنی کر دیتی۔ عایش نے  
اذان ملک کو دیکھتے غصے سے کہا۔

ار تفضی خان پر پسل تانی تھی تم نے؟؟ اذان ملک

عائش کی بات پر حیران ہوا

تم جانتے ہو اسے؟! عائش نے سنجیدگی سے جوابا

سوال کیا۔

ہاں مگر وہ کبھی بھی مجھ پر گولی نہیں چلا سکتا۔ بلکہ

کسی کو نہیں مار سکتا۔ مجھ پر فایر یقیناً غلطی سے لگا

ہوگا۔ وہ ہوائی فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ مجھے لگ گیا  
مگر وہ جان بوجھ کر مجھ پر فائر نہیں کر سکتا۔ اذان  
ملک تکیے پر سیدھا ہوتے درد سے کراہا۔  
یہ ارتضیٰ خان وہی ہے جس کے ساتھ تمھاری  
کب سے دشمنی چل رہی ہے۔ یہ تمھارا کالج کا

سب سے بڑا دشمن وے۔ عایش کے پوچھنے پر

اذان ملک نے اثبات میں سر ہلایا۔

اذان یہ اسی نے کیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی دشمنی ایسے

اتار سکے۔ ارتضیٰ خان اس علاقے کے سردار ظالم

جابر زاویہ خانزادہ کا بھائی ہے اسی کی طرح کا ظالم

جابر ہو گا۔ ایک بات یاد رکھنا یہ جو کچھ ہوا میں

چھوڑوں گی نہیں اس ار ترضی خان کو!! وہ غصے

سے بولی۔

کیا کرو گی؟؟ اذان ملک لب بھینچتے ہوئے بولا۔

جسٹ ویٹ اینڈ وایج!! اٹیمپٹ ٹوڈر کی جو سزا

ہوتی ہے وہی سزا ار ترضی خان کو مل کر رہے گی۔

اگر وہ یہاں کے سردار زاویار خانزادہ کا بھائی ہے تو

میں بھی پاکستان کے بہت بڑے بزنس مین  
مصطفیٰ ملک کی بیٹی ہوں۔ ملکوں کی بیٹی!! وہ ایک  
ایک لفظ چباتے غرائی تھی۔

تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ میں شاہویر بھائی سے  
بات کروں گا۔ وہی تمہیں روک سکتے ہیں۔ اذان

ملک دل بہا تھر رکھتے تکیے پر سر بیچ گیا۔ سمنچیز  
میں درد ہوا تھا۔

میجر شاہویر ملک ہی میری مدد کرے گا۔ عایش  
ملک نے سنجیدگی سے بولتے سائیڈ ٹیبل پر پڑی  
میڈیسن اذان ملک کو پکڑاتے اس کے لبوں سے  
پانی کا گلاس لگایا۔

آریان خانزادہ بلو پینٹ پر سفید شرٹ پر بلو کوٹ  
میں ملبوس ہاسپٹل کے اپنے کمرے میں چیمبر کے  
ساتھ ٹیک لگائے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں  
گاڑھے میڈیکل فیلڈ سے ریلیٹیڈ کچھ بکس کو



سر سری نگاہوں سے دیکھتے سگریٹ لبوں میں  
دبائے ہوئے تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج  
رہے تھے۔ باہر شدید بارش ہو رہی تھی۔  
زر مش چھ سات بجے تک چلی جاتی تھی۔ وہ آج  
سارا دن ڈاکٹر ماہین کے ساتھ رہی تھی۔ آریان  
خانزادہ کے حکم پر وہ ڈاکٹر ماہین کے پاس سے ہلی

بھی نہیں تھی۔

پورے ہاسپٹل میں جدید کیمرے نصب تھے۔

مراد نہ وارڈ میں کیمرے نصب کئے۔ زانانہ وارڈ

میں اور ہاسپٹل کے کمروں میں کیمرے نصب

نہیں تھے۔ مگر ہاسپٹل کے حال اور بہت سی

جگہوں پر کیمرے نصب تھے۔ جن جگہوں پر

کیمرے نصب نہیں تھے۔ وہاں آریاں خانزادہ  
وائرلیس جدید بہت چھوٹے چھوٹے مانکرو  
کیمرے اس انداز میں نصب کر چکا تھا۔ کوئی بھی  
ان کیمروں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ وہ یہاں پر اپنی  
پہچان کو ایک نئی پہچان نیا نام دینے آیا تھا مگر اب  
اسے جاذب اغیار لغاری تک پہنچنا تھا۔ وہ بہت

کوشش کے باوجود اس تک کوئی معلومات حاصل  
نہیں کر سکا تھا سوائے اس کے وہ قطر کارہائشی تھا  
وہاں کے سلطنتی شہزادوں کے ساتھ اس کے  
تعلقات تھے۔ اتنا اثر و رسوخ والا انسان ادھر کیا  
کر رہا تھا؟؟ وہ حیران تھا۔ مگر وہ یہاں ایک ڈاکٹر  
کے طور پر اپائنٹ تھا۔ وہ جاذب اغیار لغاری سے

فی الحال دور ہی رہنا چاہتا تھا۔

اسے اذلان سکندر کو بے کے سے آزاد کروانا تھا  
اس کافی الحال یہی مقصد تھا۔ تب تک وہ بے کے  
کو کسی قیمت پر خود پر شک نہیں ہونے دے سکتا  
تھا۔ اسے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا  
تھا۔ جاذل اغیار لغاری اس کے لیے کوئی جال بھی

ہو سکتا تھا۔

اذلان سکندر کی زندگی کے لیے آریان خانزادہ کا  
آزاد رہنا ضروری تھا۔ حاکم خان کی ناپاک بیٹی  
زر مش خان اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی  
تھی۔ وہ اس کا بدلہ تھی۔ اس کے سینے میں دہکتی  
آگ کا وہ حصہ جو اسے برسوں سے جلائے ہوئے

تھی۔ یہ بدلہ ان چار قبروں کی کھودائی تھا جو آج  
سے بیس سال پہلے اس نے اپنے ہاتھوں سے  
کھودی تھیں۔ وہ ناپاک وجود اسی بدلے کا حصہ  
تھی جس میں آج بھی وہ اس کی قبر کھودنے کا  
خواہشمند تھا۔ مگر وہ چاہتا تھا حاکم خان کے ہاتھوں  
پر اس کا خون ہو۔۔ قبر وہ خود کھود لے گا۔ آریان

خانزادہ کرسی سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے  
سگریٹ دانتوں میں دبا گیا تھا۔ آنکھیں موندے  
ہی لایٹر سے اس نے سگریٹ جلایا۔ سگریٹ ابھی  
تک وہ دانتوں میں دبائے ہوئے تھا۔  
وہ اپنا مقصد نہیں بھول سکتا تھا۔ بدلے کی آگ  
سے بھی زیادہ اس پر اپنے ملک کی حفاظت کی ذمہ



داری تھی۔ ان درندوں سے اپنے ملک کا صفایا  
کرنا تھا جو اس کے ملک کو دیمک کی طرح چاٹتے  
کھوکھلا کر رہے تھے۔ یہاں آکر اس کا بدلہ بدلہ  
اس کے اندر جلتی دہکتی آگ بھی آکر ٹھنڈی ہو  
جاتی تھی۔ اب وہ ناپاک وجود کچھ بھی کرے اسے  
پر واہ نہیں تھی۔ ہاں مگر اس نازک وجود کی قبر تو

عنقریب کھودی جانی ہی تھی۔

وہ آنکھیں موندے ہنستے ہوئے کرسی سے ٹیک

لگائے ہوئے تھا۔ جلتا سگریٹ اس کے سفید

چمکدار دانتوں میں دبا ہوا تھا۔

ناپاک وجود!! میرا ناپاک وجود!! وہ ہنستے ہوئے

اونچے قمقمے لگا رہا تھا۔

آریان خانزادہ آنکھیں کھولے اپنا موبائل میبل  
سے اٹھائے اسے اپنی پینٹ میں ڈالتے ہوئے  
کرسی سے اٹھا۔ سگریٹ دانتوں میں ہی دباتھا۔ وہ  
لایٹر اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالتے دانتوں میں  
سگریٹ کو دو انگلیوں سے جکڑے گہرا کش لیتے  
دھواں چھوڑتے وہ باہر کی طرف بڑھا۔ اس کے

بھاری قدموں کا رخ ہاسپٹل سے باہر کی طرف  
تھا۔ اس وقت پورے ہاسپٹل میں گہرا سکوت  
چھایا تھا۔ سردیوں کا آغاز شروع ہو چکا تھا۔ باہر  
طوفانی بارش ہو رہی تھی۔ اسی بارش سے جسے  
اسے شدید نفرت تھی۔ سینے کے اندر اٹھتے بدلے  
کے دہکتے بھانپھڑ تیز آلاؤ اختیار کر لیتے تھے۔ اسی

آوايل نومبر كى بارش ميں وه اپنا سب كچھ كھوچكا  
تھا۔ اپنا بچپن بھى كھوچكا تھا۔ بيں سال پہلے بھى وه  
دس سال كا هوتے تيس سال كا آريان خانزاده  
تھا۔ آج بھى وه وهى آريان خانزاده تھا جو برسوں  
پہلے تيس سال كا هوچكا تھا۔ اس ايك رات نے  
اس كى عمر ميں تيزى سے آضافہ كيا تھا۔ اس ايك

رات نے اس سے ہر آغوش چھین لی تھی۔ اس  
ایک رات کے بعد وہ کتنے دن اس حویلی میں تنہا  
رہا تھا۔ وہ دس سال کی عمر میں بیہوش شاذمہ اور  
روتی بلکتی رشنا کو سنبھالتا رہا۔ اپنی ماں کے وجود  
سے کبھی چادر سر کتی نہیں دیکھی تھی۔ مگر اس  
رات کے بعد اپنی ماں کے خون آلود کپڑے تک

دیکھے تھے۔ رشنا خان کو وہ کتنے دنوں تک باسی  
روٹیاں پانی میں بھگو کر کھلاتا رہا تھا۔ اس ناپاک  
وجود کے لیے اس کے اندر دہکتی آگ کیسے کم ہو  
سکتی تھی؟؟ تبھی وہ چاہتا تھا وہ اس کے سامنے نہ  
آئے۔ ان سات ماہ میں نفرت بدلے کی آگ میں  
جلتے اس وجود سے صرف نفرت کرتا رہا تھا۔ اس

وحشت زدہ حویلی میں اس کی سسکیاں سنائی دیتی  
صرف اس کے بدلے کی آگ کو بھڑکاتی تھیں۔  
وہ چار چار قبریں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ نہ اس  
ناپاک وجود کو وہ اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکتا  
تھا۔

وہ ہاسپٹل کے حال سے گلاس ونڈوسے بارش پر



نگاہیں جمائے باہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سگریٹ  
کے گہرے کش لیتے ہوئے اس کے بھاری قدم  
باہر کی جانب بڑھے تھے۔ وہ ہاسپٹل سے نکلتے باہر  
آیا۔ ٹھنڈی بارش نے اسے بھگو دیا تھا۔ پارکنگ  
ایریا کی طرف جاتے اس کے بھاری قدم رے  
تھے۔ سبز آنکھوں میں سرخی کی گہری رمک

چھائی تھی۔ وہ بلوا چل اس کی آنکھوں میں لہرایا  
تھا۔

وہ وحشی درندہ تھا blood thirst beast  
تھا۔ وہ آریان خانزادہ تھا اس کی نگاہوں سے کچھ  
او جھل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس ناپاک وجود کے بدن  
سے اٹھتی کستوری خوشبو اس تک پہنچ چکی تھی۔

اس کے جسم کی کستوری الگ سی خوشبو سے وہ  
واقفیت رکھتا تھا۔

اس برستی بارش نے اس کے اندر اسے جیسے کچھ  
محسوس کرنے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ تو اس ناپاک  
وجود کو اس کی سانسوں کے چلتے مدھم رقص سے  
اس کی موجودگی محسوس کر لیتا تھا۔ وہ مٹھیاں

بھینچتے تیزی سے اندر کی جانب بڑھا۔ اس کے  
بھاری قدموں کا رخ مردانہ جنرل وارڈ کی طرف  
تھا۔ جہاں وہ ناپاک وجود گیا تھا۔ آریان خانزادہ  
کے پھولتے مسلز کے ساتھ اس کی آنکھوں میں  
خون اتر رہا تھا۔ وہ رات کے اس پہر چرتے  
سنائے میں مراد نہ وارڈ میں آخر کیا کرنے گئی

نہی؟؟



زر مش نے مردانہ وارڈا گل ہوتے وہاں نگاہیں  
دوڑائیں۔ اس وقت اس وارڈ میں بیڈ پر ایک ہی  
پیشینٹ تھا جس کے بلڈ سیمپل لینے کا اسے کہا گیا

تھا۔ اس کی ایک ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔  
وہ اپنے سر پر نیلی شال اچھی طرح جماتے بیڈ پر  
لیٹے اس پشینٹ کی طرف بڑھی۔  
دل پذیر نام ہے آپ کا؟؟ زرمش نے تکیے سے  
ٹیک لگائے چوبیس پچیس سال کے لڑکے سے  
پوچھا۔

جی ہم ہی ہے دل پذیر ڈاکٹر!! وہ زر مش کو وہاں  
حیرانگی سے دیکھتے بولا۔ مردانہ وار ڈٹیل رات کے  
اس وقت اکیلی لڑکی کا ہونا ہی حیران کن تھا۔ وہ  
اسے ڈاکٹر سمجھ بیٹھا تھا۔ آپ اپنا بازو ادھر کریں۔  
زر مش نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔  
دل پذیر خان نے زر مش کی جھکی نگاہیں اور سرخ

چہرہ دیکھتے ہنستے ہوئے اپنی آستین کے کف  
کھولتے ہوئے اپنی آستین کنہی تک چڑھاتے اپنی  
کلائی آگے کی تھی۔۔  
سیدھی کریں کلائی!! زر مش نے نگاہیں جھکائے  
ہی کہا تھا۔

دل پذیر خان نے پہلے سے بھی زیادہ گہری نگاہ



زر مش پر ڈالی تھی۔ اس کی جھلکی نگاہیں کپکپاتا ہاتھ  
اس پر باور کروا کیا تھا وہ ڈاکٹر نہیں ہے۔۔

آپ سیدھا کر لو ڈاکٹر!! جو بھی ہمارا خون کا ٹیسٹ  
ہو اس میں تو ڈاکٹر ہمارا کلانی جکڑ کر یہ سرنج اندر  
کرتا ہے۔ دل پذیر خان نے زر مش کے ہاتھ میں  
پکڑی سرنج کی طرف اشارہ کیا۔

وہ میل ڈاکٹر کرتے ہوں گے۔ میں ڈاکٹر نہیں  
ہوں صرف بلڈ سیمپل لیتی ہوں۔ اپنی کلائی  
سیدھی کریں۔ زر مش نے اپنی آواز میں سختی پیدا  
کرنے کی ناکام کوشش کی۔ تم نرس ہے؟؟ دل  
پذیر نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے  
سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

میں نرس نہیں ہوں صرف بلڈ سیمپل لیتی ہوں۔  
اپنی کلائی سیدھی کریں۔ زر مش نے غصے سے اس  
کی طرف دیکھا۔

دل پذیر زر مش کی آنکھوں میں غصہ دیکھتے قہقہہ  
لگاتے اپنی کلائی سیدھی کر گیا۔

زر مش نے اس کی کلائی میں نظر آتی وینز پر کاٹن

رکھتے سرنج سے احتیاط سے بلڈ لیا۔ وہ اپنا کام مکمل  
کرتے آگے بڑھی تھی۔ وہ نرمی سے زر مش کا  
ہاتھ جکڑ گیا تھا۔

زر مش نے بے یقینی سے اس پر اپنی ہیزل گرے  
آنکھیں گاڑھیں۔

تم ڈاکٹر نہیں نرس نہیں تو اس کا کیا مطلب ہوا تم

اتنارات کو یہاں کس لیے آیا؟؟ اس نے زر مش  
کو گہری نگاہوں سے دیکھتے سوال کیا۔  
کس لیے آئی ہوں؟؟ زر مش نے گھبراتے  
ہوے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی۔  
تم ہمارا لیے آیا ہم جانتا ہے۔ پورا سوات میں دل  
پذیر خان سے زیادہ خوبصورت مرد کوئی نہیں۔۔

وہ اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے خود پسندی سے  
بولا۔

دل پذیر کی بات پر زرمش نے غصے سے اپنا ہاتھ  
مزید سختی سے کھینچا۔ وہ ہنستے ہوئے زرمش کا ہاتھ  
چھوڑ گیا۔ اسی لمحے مراد نے وارڈ کا بھاری گلاس ڈور  
کھولتے آریان خانزادہ اندر داخل ہوا تھا۔

آریان خانزادہ کو دیکھتے زر مش کی رنگت زرد  
ہوئی تھی۔

وہ اپنا ہاتھ دل پذیر خان سے چھڑوا چکی تھی۔ وہ  
بد حواس ہوتے تیز ہوتی سانسوں کے ساتھ پیچھے  
کو ہوتے اپنے کئی قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی۔  
زر مش کے پورے بدن پر کپکپی طاری ہوئی تھی

آریان خانزادہ دل پذیر کے اتنے پاس اسے کھڑا  
دیکھتے اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔ دل پذیر کے ہاتھ  
میں اس کا ہاتھ تھا۔ آریان خانزادہ کی رگوں میں  
دوڑتے خون میں بھڑکتی آگ جلی تھی۔  
آریان خانزادہ نے دل پذیر کی طرف بڑھتے اسے



گر بیان سے پکڑ کر اسے زمین پر مچ گیا۔ دل پذیر  
خان کے لبوں سے دل خراش چیخ برآمد ہوئی تھی  
۔۔ زر مش یہ دیکھتے اپنی چیخ لبوں میں دبا گئی۔  
آریان خان زادہ نے اپنا بھاری بوٹ والا اس کے  
پلاسٹر چڑی ٹانگ پر رکھتے اس کی ٹانگ بے دردی  
سے مسلی۔۔

دل پذیر درد سے کراہتے بری طرح چیخ رہا تھا۔  
زر مش بچکراتے وجود کے ساتھ آریان خانزادہ کو  
دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے زخمی ٹانگ پر اب  
بے دردی سے اپنا پورا وزن ڈالے کھڑا تھا۔  
خدا کا واسطہ ہے ہم کو چھوڑ دو۔ ہم نے تو صرف  
اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ وہ روتے ہوئے چیخا تھا۔

اس ہاتھ کو تو سزا ملے گی تو اب اس ہاتھ سے کوئی  
کام نہیں کر پائے گا۔ آریان خانزادہ نے اس کے  
ٹانگ پر دباؤ ڈالتے اسے گریبان سے جکڑے اپنی  
طرف کھینچا۔ وہ درد سے کراہتے چیخ رہا تھا۔  
آریان خانزادہ نے جھکتے ہوئے اس کے اوپر بیٹھتے  
اس کا ہاتھ پکڑ کر مڑوڑ ڈالا۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز پر

زرِ مش اپنے حلق سے نکلتی چیخ پر قابو نہ پاسکی  
تھی۔

آریان خان زادہ نے مڑتے ہوئے اسے خونخوار  
نگاہوں سے دیکھا زرِ مش اس کی خون اتری نگاہ پر  
خوف سے لرزتے اپنے لبوں پر سخی سے ہاتھ جما  
گئی

آریان خانزاد نے زر مش کو خو نوار نگاہوں سے  
دیکھتے دل پذیر کے ٹوٹے ہاتھ کو جکڑتے اپنی  
پاکٹ سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالتے اسے  
کھولتے اس کا لیکویڈ اس کے ہاتھ پر ڈالا تو دل پذیر  
خان کی دردناک چخیں اس طرح گونجی تھیں کہ  
زر مش کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہوئی

تھیں۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک  
کھل گئی تھی۔ دل پذیر کا ہاتھ تیزی سے نیلا ہو رہا  
تھا۔ تیرے ہاتھ کی ہڈی جڑ بھی اگر جائے گی دنیا کا  
کوئی ڈاکٹر تیرے ہاتھ کو اب کبھی ٹھیک نہیں کر  
سکے گا۔ اب یہ ساری عمر بے جان رہے گا۔  
آریان خان زادہ اس کے جبرے کو دبوچتے چلا۔

آریان خانزاد نے زر مش کو خو نوار نگاہوں سے  
دیکھتے دل پذیر کے ٹوٹے ہاتھ کو جکڑتے اپنی  
پاکٹ سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالتے اسے  
کھولتے اس کا لیکویڈ اس کے ہاتھ پر ڈالا تو دل پذیر  
خان کی دردناک چخیں اس طرح گونجی تھیں کہ  
زر مش کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہوئی

تھیں۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک  
کھل گئی تھی۔ دل پذیر کا ہاتھ تیزی سے نیلا ہو رہا  
تھا۔ تیرے ہاتھ کی ہڈی جڑ بھی اگر جائے گی دنیا کا  
کوئی ڈاکٹر تیرے ہاتھ کو اب کبھی ٹھیک نہیں کر  
سکے گا۔ اب یہ ساری عمر بے جان رہے گا۔  
آریان خان زادہ اس کے جبرے کو دبوچتے چھا۔



دل پذیر کی فلگ شگاف چنچیں مردانہ وارڈ کو ہلا کر  
رکھ چکی تھی۔

کیوں چھو اسے؟؟ وہ خون اشام درندے کی مانند  
دھاڑا تھا۔ زر مش کا اپنے قدموں پر کھڑا رہنا اب  
مشکل ہو رہا تھا۔ یہ وحشی درندہ دل پذیر کا یہ حال  
کر چکا تھا اسے اب اس سب کی کیا سزا دینے والا

تھا۔ زر مش اپنا ہاتھ اپنی شال کے نیچے چھپا گئی  
تھی۔

---

شہرام خان جو اس وقت ہسپتال داخل ہوا تھا۔ وہ  
بلو جینز پر بلو شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ جس پر سیاہ

لیدر کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ مردانہ وارڈ سے  
آتی چیخوں کی آواز سن کر وہ مردانہ وارڈ کا بھاری  
سلائیڈنگ ڈور کھولتے اندر داخل ہوا۔ یہ سب  
دیکھتے وہ حیران ہوتے بے یقین ہوا۔  
سر شہرام!! زر مش شہرام خان کو پکارتے ہوئے  
تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

آریان خانزادہ نے چہرہ موڑتے اس کی طرف  
خونخوار نگاہ ڈالتے اسے شہرام کی طرف بڑھنے  
سے منع کیا تھا۔ وہ اس کی خون اتری آنکھوں کا  
آشارہ سمجھتے دیوار میں سمائی تھی۔ وہ اب سسکتے  
ہوئے آریان خانزادہ کو دیکھتے اپنا ہاتھ شال میں  
ہی چھپائے ہوئے تھی جو دل پذیر نے چھوا تھا۔

شہرام خان زرمش کے کپکپاتے وجود اور دل پذیر  
کے کراہتے وجود کو دیکھتے آریان خانزادہ کی طرف  
تیزی سے بڑھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے آریان؟؟؟ شہرام خان نے غصے سے  
گر جتے ہوئے آریان خانزادہ کو کندھے سے  
جکڑے دل پذیر خان سے دور کرنے کی سعی کی۔

وہ اس کا جبرہ خطرناک حد تک دبوچے ہوئے تھا۔  
اگر وہ تھوڑی دیر اسے نہ چھوڑتا یقیناً دل پذیر  
خان کا جبرہ ٹوٹ جاتا۔

یہاں کیا ہوا اور کیوں ہوا؟؟ اس چیز کا حساب تو  
میں خود لوں گا۔ مگر مجھے ابھی اس کی جان لینی ہے  
جس نے مس خان کا ہاتھ پکڑا۔ وہ طیش والہ سے

چیخا تھا۔

مس خان!! شہرام خان نے الجھن بھرے لہجے  
میں مس خان دہراتے زرمش کی طرف دیکھا جو  
تھر تھر کانپ رہی تھی۔

یہ ادھر کیا کر رہی ہیں وہ بھی اس وقت؟؟ شہرام  
خان نے زرمش کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا۔

زر مش شہرام خان کی سرد نگاہوں کو دیکھتے مزید  
خوفزدہ ہوئی تھی۔

اپنی نگاہیں اس غلیظ انسان پر گاڑھ شہرام خان؟؟  
وہ دل پذیر کو چھوڑتے زر مش اور شہرام کے  
درمیان حائل ہوا۔ آریان خانزادہ کی چوڑی پشت  
کے نیچے زر مش کا نازک وجود چھپ گیا تھا۔



شہرام خان کی سر دنگاہ زر مش پر پڑتی برداشت  
نہیں ہوئی تھی۔ اس کی دکھتی سانسوں میں تپش  
مزید بڑھی تھی۔

کیا ہوا ہے یہاں مجھے بتاؤ گے؟؟ کیوں تماشا بنایا  
میرے ہسپتال میں؟؟ شہرام خان نے اپنی پینٹ  
کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے آریان خانزادہ کی خون

اتری آنکھوں میں اپنی سرد نگاہیں گاڑھیں۔  
یہاں کیا ہوا اس کی باز پرس پورے ہاسپٹل سٹاف  
سے ہوگی۔ ایک ایک سے حساب لوں گا۔ آریان  
خانزادہ نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے دل پذیر  
کی پلاسٹر چڑھی زخمی ٹانگ پر بے دردی سے  
بوٹ والا پاؤں مارا۔

دل پذیر خان کی ایک بار پھر سے دلخراش چنچیں  
گو نجی تھیں۔ شہرام خان کی آنکھوں کا رنگ بھی  
اب سرخی مایل ہوا تھا۔

آریان خانزادہ زر مش کی طرف بڑھتے اس کی  
کلائی جکڑے بھاری قدموں سے باہر کی طرف  
بڑھ گیا تھا۔ زر مش بری طرح لرزتے ہوئے

اس کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ شہرام خان حیرانگی  
سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

شہرام خان نے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے غصے پر  
بمشکل کنٹرول کیا تھا۔ دل پذیر کی حالت دیکھتے وہ  
تیزی سے ایمر جنسی روم کی طرف بڑھا جہاں  
سینیئر ڈاکٹر شمر وز موجود تھے۔ وہ اس کے بعد

آریان خانزادہ سے نیٹے کا آرادہ رکھتا تھا۔

---

آریان خانزادہ زر مش کی کلائی جکڑے اپنے آفس  
میں داخل ہوتے اسے دیوار میں مٹچ کیا۔ وہ اپنی  
نیلی شال میں اپنا ہاتھ سختی سے لپیٹ گئی تھی۔  
اپنے گالوں پر اس نے ہاتھ نہیں رکھا تھا۔ دل پذیر

خان کے ہاتھ کی حالت دیکھتے وہ خوف سے کانپ  
رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے وہ ادھی بچی شیش  
اپنی پاکٹ میں واپس ڈال لی تھی۔ آریان خانزادہ  
نے اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتے ہوئے  
اپنی پینٹ کی پاکٹ سے وہ شیش نکال کر ٹیبل پر  
رکھی۔ زر مش وہ شیش دیکھتے خوف سے بری

طرح رونا ہو چکی تھی۔

آریان خانزادہ اپنے سلکی نرم زدہ بالوں میں انگلیاں  
پھیرتے ہوئے زر مش بہ سرد سرخ نگاہ ڈالتے  
ٹیبیل پر بیٹھا۔

زر مش کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اس نے اس کی  
خوفزدہ نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا وہ اس

شیشی پر اپنی نگاہیں گاڑھے ہوئے کانپ رہی تھی  
۔ ان ہیزل گرے آنکھوں میں اس کے لیے  
خوف نہیں بلکہ اس محلول کے لیے تھا جو اس نے  
دل پذیر کے ہاتھ پہ ڈالا تھا۔  
آریان خانزادہ نے جبرے بھینچتے وہ شیشی اٹھا کر  
سامنے دیوار میں پٹخی۔ شیشی گرتی ٹوٹ کر چکنا



چور ہوئی تھی۔ زر مش کی فلگ شرکاف چنچ برآمد  
ہوئی تھی

خبردار آواز نکالی مس خان!! ورنہ تمہارے ہاتھ  
کو سزا دینے کے لیے میرے پاس ایسی بہت سی  
شیشیاں ہیں۔ جو تمہارے ہاتھ کو ہی نہیں  
تمہارے ناپاک وجود کو ناکارہ کر دے گی۔ وہ

نیل سے اٹھتے اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد  
اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھے اسے محصور کر گیا۔  
زر مش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اپنی  
ہچکیاں روکی تھیں۔

کیوں گئی وہاں وہ بھی رات کے اس وقت؟؟  
آریان خانزادہ نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں

میں اپنی آنکھیں گاڑھے سوال داغا۔

وہ۔۔۔ بلڈ۔۔۔ کے۔۔۔ سیمپل۔۔۔ لینے۔۔۔

گئی۔۔۔ تھی۔۔۔ زر مش نے اس کی آنکھوں میں

دیکھتے بمشکل جواب دیا۔

مردانہ وارڈ میں کسی فی میل ڈاکٹر کو بھی آج تک

جاتے دیکھا ہے تم نے جو تم آدھی رات کو تم تن

تنہا چل پڑی۔؟؟ آریان خانزادہ کے خون جھاتے  
لہجے میں کیے کے سوال پر وہ اپنا سر نفی میں ہلا گئی  
تھی۔

کیوں گئی ادھر؟؟ کس چیز نے تمہیں ادھر جانے  
پر مجبور کیا؟؟ دل پذیر کا غلیظ چہرہ ادھر لے گیا تھا  
تمہیں ہاں؟؟ وہ اس کے ایک طرف دیوار پر مکہ

مارتے ہوئے دھاڑا۔

میں نے۔۔ آج۔۔ تک۔۔ اس۔۔ سے۔۔ پہلے

۔۔ اسے۔۔ دیکھا۔۔ بھی۔۔ نہیں۔۔ تھا۔۔ وہ

بھگے لہجے میں بولتے دیوار میں سمار ہی تھی۔

ہممم پہلے نہیں دیکھا تھا آج تو دیکھ لیا!!! آریان

سلگتے لہجے میں غرایا۔

نن نہیں۔۔ دیکھا۔۔ سچ۔۔ کہہ۔۔ رہی۔۔۔  
ہوں۔۔ لالا کی قسم کھاتی ہوں۔ مم میں نے دل  
پذیر کا چہرہ نہیں دیکھا۔ زر مش نے اس کی  
آنکھوں میں دیکھتے معصومیت سے کہتے اپنی  
گردن کو دو انگلیوں سے جکڑا تھا۔  
وہ اس کے معصوم نقوش اور اس کے معصوم انداز

پر لب بھیج گیا تھا۔

آریان خانزادہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اس کے  
لرزتے وجود کو دیکھتے اس سے دور ہوا۔

وہ اب اس کے سامنے ٹیبل کے ساتھ ٹیک لگائے  
کھڑا اسے خون اشام درندے کی طرح گھور رہا  
تھا۔

زر مش اسے دیکھتے اپنے ہاتھ کو ابھی بھی اپنی نیلی  
شال میں چھپائے ہوئے تھی۔

گڈ ایکٹ مس خان!! اپنے ہاتھ کو چھپانا ہی چاہیے  
مجھ سے!! ورنہ میرا جی یہی کہہ رہا ہے تمہارے  
اس ہاتھ کے ساتھ وہی سلوک کروں جو دل پذیر  
کے ساتھ کیا۔ اس نے لفظ چباتے ہوئے اس کی



شال میں لپٹے ہاتھ پر نگاہ ڈالی۔

مم۔۔۔ ہاتھ۔۔۔ اس۔۔۔ نے۔۔۔ پکڑا۔۔۔ تھا

۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ نہیں!! زر مش

نے گھبراتے ہوئے وضاحت دی۔

جانتا ہوں یہ ہاتھ اس ذلیل انسان نے چھوا تھا۔

اس لیے اس کا ہاتھ ٹوٹ چکا ہے اور تمہارا ہاتھ

صحیح سلامت ہے۔ وہ اپنی پھولتی رگوں پر قابو  
پاتے غرایا۔

زر مش کی ہیزل گرے سر اسیمہ آنکھیں اس کے  
چوڑے وجود پر مکی تھیں۔ بلو کوٹ میں بھی اس  
کے بازو کے پھولتے مسل واضح ہو رہے تھے۔  
اس کے کوٹ کے آستین کافی فٹنگ میں محسوس

ہو رہے تھے۔ وہ جانتی تھی۔ غصے سے اس کے  
مسلرز پھول رہے ہیں۔ وہ مزید خوفزدہ ہوئی  
تھی۔

بلڈ لینے کے اس کے غلیظ وجود کو تو چھوا تھا تم  
نے؟؟ آریان خانزادہ نے ایک ہاتھ سے سپر  
ویٹ کو گھماتے سر دلچے میں استفسار کیا۔

نن نہیں۔۔ زر مش نے پیسرویت کو دیکھتے جلدی  
سے سر نفی میں ہلایا۔

۔۔ ہمسم۔۔ آریان خانزادہ نے اپنے چہرے پر ہاتھ  
پھیرتے ہوئے ہوئے اپنا سر ہلایا۔

ادھر آؤ میرا بلڈ لیتے مجھے بتاؤ تم نے بغیر چھوے  
کیسے لیا تھا۔؟؟ آریان نے ٹیبل پر پڑی سرنج کو

پیکٹ سے نکالتے زر مش کو اپنی طرف بلایا۔  
زر مش کی جان لبوں پر سچی تھی۔ رنگت زرد  
ہوئی تھی۔

ادھر آؤ مس خان! وہ اسے شل ادھر جمے دیکھ کر  
دھاڑا۔ زر مش جلدی سے اس کی طرف بڑھتے  
اس کے ہاتھ سے وہ سرنج پکڑی تھی۔ ایک ہاتھ

وہ ابھی تک شال میں جکڑے ہوئے تھی۔

آریان خانزادہ نے سر دنگا ہوں سے اس کے شال

میں لپٹے ہاتھ کو دیکھتے اس کے وجود پر نگاہ ڈالی۔

شال اس کے کندھوں پر تھی۔ اس کا سینہ اچھی

طرح کو رکھے ہوئے تھی۔ اس کے براؤن

چاکلیٹی سلکی بال کچھر میں مقید تھے۔ بہت سی

لشیں اس کے چہرے پر بکھری تھیں۔

شال سے ہاتھ باہر نکالو!! آریان خانزادہ غصے سے  
غرایات۔

زر مش نے جلدی سے اپنا ہاتھ شال سے باہر  
نکالا۔

آریان خانزادہ نے اپنا بلو کوٹ اتارتے ہوئے

صوفے پر اچھالا۔ سفید شرٹ میں اس کے اس کی  
شرٹ پھولتے مسلز زیر جیسے اس کے وجود سے  
اترنے کو تیار تھی۔ آریان خانزادہ نے اپنے بازو  
کے کف کھولتے اپنی آستین کہنی تک چڑھاتے اپنا  
بازو زرمش کے سامنے کیا۔ زرمش نے گہرے  
سانس لیتے کانپتے ہاتھ سے سرنج کو آریان خانزادہ



کی کلائی کی طرف بڑھایا۔ وہ نظریں جھکائے  
لرزتے ہوئے بنا سے چھوئے اس کی کلائی سے  
خون لینے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔  
اس کی شال اس کے ایک شانے پر ڈھلک چکی  
تھی۔ وہ اس کے بے حد قریب کھڑی تھی۔  
آریان خانزادہ اس کے بدن سے اٹھتی اس کی

مخصوص کستوری خوشبو محسوس کرتے اپنے  
جبرے بھینچ لیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اتنے  
قریب دل پذیر خان کے قریب کھڑی تھی۔  
آریان خانزادہ نے پیرویت اٹھا کر پوری قوت  
سے زمین پر مارا تھا۔ زر مش خوفزدہ ہوتے اچھلی  
تھی۔

یہیں کھڑی رہو دکھاؤ مجھے اس غلیظ انسان کو  
چھوے بغیر کیسے اس کا بلڈ لیا۔؟! آریاں خانزادہ  
اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس پر  
سرد نگاہیں گاڑھ گیا۔

زر مش نے اثبات میں سر ہلاتے جلدی سے اس  
کے وین میں سرنج پیوست کی۔ وہ بنا اسے چھوے

بلڈ لینے کے لیے اس کی کلائی زخمی کر چکی تھی۔ وہ  
بری طرح کانپ رہی تھی۔ مردانہ وارڈ میں اس کا  
جنگلی روپ دیکھ چکی تھی۔

ویسے بھی وہ اس وحشی درندے سے موت سے  
زیادہ خوف کھاتی تھی۔ آریان خانزادہ اپنی وین  
سے خون بہتے دیکھتے اس کی دل کی دھڑکنیں

جبرے بھینچے سن رہا تھا۔ مقابل کی منتشر خوفزدہ  
دھڑکنیں اس کے کانوں میں بج رہی تھیں۔  
زرمش اب بری طرح سسکاریاں بھرتے اس کا  
بلڈ لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ جو مقابل کے  
اتنی نزدیکی پر اس کی کلائی جکڑنے پر بھی ناممکن  
تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کبھی اس bloodthirst

blood beast نہیں لے سکتی تھی۔ یہ

کام صرف اسی کا تھا۔

بتائیں مس خان مجھے کیسے لیا تھا دل پذیر خان کا بلڈ  
سمپل؟!۔۔ ایسے ہی اسے زخمی کر کے لیا تھا؟!۔

آریان خانزادہ نے اسے بازو سے جکڑے خود سے  
دور جھٹکا۔ وہ پیچھے کو ہوتے ٹیبل سے جا لگی تھی۔

آریان خانزادہ نے اپنی سبز خون اتری آنکھوں  
سے اس پر نگاہ ڈالی۔ وہ اب اپنی شال سے اپنے  
گال اور ناک بے دردی سے صاف کرتے ہچکیاں  
بھر رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے ٹیبل سے بینڈج کا پیکٹ  
اٹھائے اس کی طرف بڑھایا۔ زر مش نے خوفزدہ

ہوتے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا  
اس بینڈج کو اپنے ہاتھ پر اچھی طرح لپیٹو!!  
آریان کے حکم پر زرش کی بھیگی آنکھوں میں  
حیرت و استعجاب چھایا تھا۔  
جس ہاتھ کو اس دل پذیر نے چھوا ہے اب اگلے  
سات دن تک مجھے اس پر یہ بینڈج لپیٹ دینی



چاہیے۔ ورنہ میرا عتاب کمھارا یہ نازک ہاتھ سہ  
نہیں سکے گا۔ آریان خانزادہ اس کے گرد ٹیبل پر  
اپنے دونوں ہاتھ جماتے ہوئے اس کی آنکھوں  
میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

زر مش جلدی سے وہ بینڈج کھولتے اپنے ہاتھ پر  
لپیٹنے لگی۔ اس طرح کی دس بینڈج تم اپنے ہاتھ پر  
لپیٹو گی۔ اگلے سات دن تک تم اسے نہیں کھولو  
گی۔ آریان خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے

لفظ چباتے اس کے کپکپاتے ہاتھ سے وہ بینڈج  
چھینی۔۔۔ زر مش نے خوفزدہ ہوتے اسے دیکھا۔  
تم اگلے جنم تک ہی یہ کام کر سکو گی اور اگلے دس  
منٹ تک مجھے تمہارا ناپاک وجود اس ہاسپٹل میں  
نہیں نظر نہیں چاہیے۔ آریان خانزادہ سردلجے  
میں کہتے اس کا ہاتھ بہت بے دردی سے جکڑے

وہ بینڈج لپیٹنے لگا۔

کس کے کہنے پر مردانہ وار ڈگئی؟؟ کس نے یہ کہا  
تم سے کرنے کو؟؟ اس کے ہاتھ پر بہت بے  
دردی سے وہ بینڈج لپیٹ رہا تھا۔ زرمش کو اپنی  
انگلیاں ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ جس انداز  
میں وہ بینڈج کر رہا تھا۔ وہ خود یہ کبھی کھول نہیں

سکتی تھی۔

مجھے فلک جو نرس ہے۔ اس نے کہا تھا کہ ڈاکٹر  
ماہین نے کہا ہے کہ مردانہ وارڈ میں پیشینٹ کا بلڈ  
سمپل لینا ہے۔ زر مش نے کراہتے ہوئے ٹوٹے  
لفظوں سے جواب دیا۔

رکنے کو بھی ڈاکٹر ماہین نے کہا تھا۔ آریاں

خانزادہ نے سر دلچے میں استفسار کیا۔

نرس فلک نے کہا کہ ڈاکٹر ماہین نے مجھے ادھر آج

دس بجے تک رکنے کو کہا۔ وہ بھیگے لہجے میں کہتے

اپنے ہاتھ میں اٹھتے درد پر اپنے اڑتے آنسوؤں پر

قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

نرس فلک!! آریان خانزادہ نے جبرے بھینچتے

نام دہرایا تھا۔

فون کرو حیدر خان کو وہ تمہیں آکر لے کر  
جائے۔ آریان خان زادہ نے اس کے ہاتھ کی  
بینڈج کے سرے کو سختی سے باندھتے اسے حکم  
دیا۔

زر مش نے بیگ کی زپ کھولنے کی کوشش کی مگر

وہ بینڈج والے ہاتھ کو ہلا بھی نہیں پارہی تھی۔

اتنی بے دردی سے اس نے باندھا تھا۔

آئندہ تم مجھے مردانہ وارڈ کے ارد گرد بھی نظر آئی

میں پہلے ہاتھ توڑوں گا پھر خود ہی بینڈج کروں

گا۔ آریان خانزادہ نے غراتے ہوئے اس کے

کراس باڈی بیگ کی سٹریپ کندھے سے بے



دردی سے توڑی تھی۔ زر مش نیبل میں سماتے  
اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ساکت سی  
دیکھ رہی تھی۔ blood thirst beast  
کی خوشبو اسے مزید خوفزدہ کر رہی تھی۔ آریان  
خانزادہ نے اس کا فون نکالتے ہوئے حیدر خان کا  
نمبر ڈائل کرتے اس کے کان سے لگایا۔

لالا!!! لینے آجائیں۔۔ روہا لسی آواز میں بولتے  
ہوئے آریان کی خون اشام نگاہ پر سر ہلا گئی تھی۔  
وہ آنکھوں کے اشارے سے اسے رونے سے منع  
کر رہا تھا۔

وہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے اس لیے رو رہی  
ہوں۔ وہ آریان خانزادہ کی گرین آنکھوں میں

دیکھتے خود پر قابو پانے کے باوجود رو دی تھی۔  
ڈاکٹر ماہین کے کیمین میں ہوں لالا۔۔ سب ڈاکٹرز  
آج ادھر ہی ہیں۔ وہ آریان خانزادہ کے تنے  
ہوے سرخ نقوش کو دیکھتے کانپتے ہوئے روانگی  
میں بول رہی تھی۔

وہ اس کے جھوٹ پر فون بند کرتے اس کے مزید

قریب ہوتے اس کے نقوش پر اپنی سلکتی سائیں  
چھوڑتا اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی  
آنکھیں گاڑھ گیا۔

جھوٹ بولنا آتا ہے خوب آتا ہے۔ ساحر خان سے  
ملتے ہوئے بھی ایسے ہی جھوٹ بولا کرتی تھی۔  
آریان خانزادہ نے سلگتے سے سوال داغا۔ ساحر

خان کے نام پر مقابل کی آنکھوں میں درد کی  
پر چھائی لہرائی تھی جسے دیکھتے آریان خانزادہ کا چہرہ  
دھواں دھواں ہوا تھا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر  
معدوم ہوئی تھی۔ ساحر خان مقابل کے لیے کیا  
تھا وہ کیسے بھول سکتا تھا؟؟ ساحر خان کے غم میں  
وہ سب بھول گئی تھی۔۔۔ وہ کس طرح بے حال

سی اسے سڑکوں پر ملی تھی۔

وہ زر مش کے چہرے پر افیت دیکھتے اپنا چہرہ نیچے  
کیے ہنساتھا اور ہنستا چلا گیا تھا۔ زر مش اس کے ہنسنے  
پر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔  
وہ نظریں نیچی کیے اب فلک شگاف خوفناک قمقمے لگا  
رہا تھا۔

جب جب ساحر خان کے نام پر تمھارے چہرے کا  
رنگ اڑتا ہے مجھے یقین ہو جاتا ہے تم رائینہ خان  
اور حاکم خان کا خون ہو۔ ناجایز اولاد نہیں ہو رائنہ  
کی۔ اگر ناجایز ہوتی تو شاید تمھارا وجود پاک ہوتا  
مگر رائنہ اور حاکم خان کے خون کی ملاوٹ سے تم  
ناپاک ہو گئی۔

وہ اس سے دور ہوتے اسے غیض و غضب سے  
دیکھتے بولا۔

میرا وجود پاک ہے کیونکہ میری رگوں میں رائے  
اور حاکم خان کا خون دوڑ رہا ہے۔ غرور ہے مجھے  
خود پر کیونکہ میں رائے اور حاکم خان کی بیٹی ہوں۔  
وہ اس کی بات پر چیخی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی



حاکم اور رائینہ خان نے اس وحشی درندے کے  
ساتھ کیا۔ اگر حاکم اور رائینہ نے اس وحشی  
درندے کی سانسوں پر پاؤں بھی رکھا تھا۔  
اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے کوئی ہمدردی  
نہیں تھی اس وحشی درندے سے۔ کیونکہ رائینہ  
اور حاکم خان اس کے ماں باپ تھے۔ وہ حاکم خان

سے شدید محبت کرتی تھی۔

اپنے ماں باپ کے لیے اس وحشی درندے کے  
لبوں سے اس طرح کے لفظ نہیں سن سکتی تھی۔

نام مت لینا اس رائیہ اور حاکم خان کا ورنہ جان  
لے لوں گا تمھاری۔ وہ اس کے چہرے پر سیخ پا ہوتا  
اس کی طرف بڑھتے اس کے بالوں کو گدی سے

دبوچ گیا۔ اس کی سخت گرفت پر زر مش کا کبچر  
ٹوٹ کر نیچے گرا تھا۔ میرے ماں باپ میرے  
لیے اس روئے زمین پر سب سے زیادہ پاک ہیں۔  
میری جان لے لو مگر رائینہ اور حاکم خان کا خون  
پاک ہے۔ زر مش اس کی آنکھوں میں دیکھتے  
لرزتے لبوں سے بولی۔

وہ اس کے حصار میں بری طرح کانپ رہی تھی۔  
رنگت زرڈ ہو رہی تھی۔ مگر اپنی بھیگی آنکھیں اس  
کی سبز آنکھوں میں گاڑھے ہوئے تھی۔  
نکلو یہاں سے!! نکلو میرے کمرے سے!! وہ  
چپختا ہوا اسے بازو سے جکڑے دروازے کی  
طرف دھکیل گیا۔ زر مش کے قدم بری طرح

لڑکھڑائے تھے۔ وہ جلدی سے دروازے کی  
طرف بڑھتی دروازہ کھولتے باہر کی جانب بڑھ  
گئی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتا ٹیبل کو جکڑے اپنے اندر  
اٹھتے اشتعال پر قابو پار ہاتھا۔ اس کے لبوں سے  
حاکم اور رائینہ خان کا نام اس کا پورا وجود مرچوں

سے بھر چکا تھا۔

وہ جبرے بھینچے خود پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا  
تھا۔ وہ سچ میں ان ظالم جابر دندوں کی ہی بیٹی تھی  
جو۔ اس کا سب کچھ اس سگ چھین گئے۔ وہ  
بمشکل خود پر قابو پارہا تھا

وہ دوسرے لمحے دروازہ کھولتے تیزی سے باہر کی  
طرف بڑھا۔ آریان خانزادہ کے بھاری قدموں کا  
رخ اسی ناپاک وجود کی طرف تھا۔ جو بے پردہ باہر  
نکل آئی تھی

وہ بھاگتے ہوئے سنسان کوریڈور سے گزر رہی  
تھی۔ آریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے شانے پر

لہرائی شال پر تھیں۔ وہ اس کی طرف بڑھتے اسے  
بازو سے جکڑے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے  
اسے پلر میں سما گیا۔

زر مش نے خوفزدہ بھیگی نگاہوں سے اس کی  
طرف دیکھا تھا۔ وہ اس کی ہیزل کرے آنکھوں  
میں دیکھتے اس کی نیلی شال اس کے سر پر اوڑھا گیا



اک دل جو درد کا مارا ہے  
جو پاس ہے وہ سب ہارا ہے  
اس بات کو کوئی جانے ناں  
اک دشمن جان سے پیارا ہے  
وہ اس کی ہیزل سر اسیمہ نگاہوں میں دیکھ رہا تھا۔  
آریان خانزادہ نے اس کی طرف اس کا بیگ بڑھایا

تھا۔ زر مش نے ہچی لیتے اس سے بیگ لیا تھا۔  
بیگ میں رکھا موبائل شد و مد سے بج اٹھا تھا۔  
وہ اس کے چوڑے سینے کو اپنے بینڈج لگے ہاتھ  
سے دور دھکیلتی تیز تیز قدموں سے ہاسپٹل کے  
گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہ اب بلر کے پیچھے  
سے باہر آتا اس کی بیک پر اپنی نگاہیں جما لیا تھا۔

شہرام خان دور کھڑا اپنے پینٹ کی پاکٹ میں  
دونوں ہاتھ ڈالتے آریان خانزادہ کے چوڑے  
وجود پر اپنی سر دنگا ہیں جمائے ہوئے تھا۔  
وہ غصے سے تیز تیز قدم اٹھاتے آریان خانزادہ کے  
آفس کی طرف بڑھ گیا تھا۔ آریان خانزادہ سے  
اسے اس سب کی جواب طلبی چاہیے تھی۔

رمز جنون  
تحریر نور آصف

قسط 17

آریان خانزادہ اپنے آفس میں داخل ہوا۔ شہرام خان کو  
اپنی کرسی پر بیٹھے دیکھ کر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔  
شہرام خان کرسی سے ٹیک لگائے سگریٹ لبوں میں

دبائے گہرے کش لے رہا تھا۔ آریان خانزادہ آہستگی  
سے چلتے ہوئے اس کے مقابل آتے ہوئے ٹیبل پر  
دونوں ہاتھ رکھے جھکتے ہوئے شہرام خان کی نگاہوں  
میں اپنی سبز آنکھیں گاڑھ گیا۔

میرے آفس میری کرسی پر بیٹھے ہو تم!! وہ شہرام خان  
کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے لفظ چباتے غرایا تھا۔

ویسے ہی وہ سلگا ہوا تھا شہرام خان کو اپنی کرسی پر بیٹھے  
دیکھ کر وہ تپ اٹھا۔

جواباً شہرام خان کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا تھا۔ آریان  
خانزادہ اسے چبھتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔  
تو صبح کر لو یہ ہاسپٹل میرا ہے۔ یہاں کی ہر چیز میری  
ہے۔

شہرام خان نے سکریٹ ایش ٹرے میں مسلنے کرسی پر  
سیدھے ہوتے ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ غصے سے جماتے  
آریان کو گھورا تھا۔

ہے تمہارا یہ ہسپتال میں انکار نہیں کر رہا۔ مگر اس  
ہسپتال کو بنانے کے لیے تمہیں بہت سے زیادہ ہی  
ڈونیٹ کر چکا ہوں۔ اب فی الوقت یہ آفس اور یہ کرسی

میری ہے۔ وہ اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے  
ہوئے اپنی دونوں ٹانگیں ٹیبل پر رکھے اپنی پاؤں سے  
سگریٹ اور لائٹر نکال کر جلاتے ہوئے لبوں میں دباتے  
آنکھیں موند گیا تھا۔

آریان خانزادہ کے ایڈیوڈ پر شہرام خان کی رنگت سرخ  
ہوئی تھی وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے غصے سے اس کی



طرف بڑھا۔

میری بات سنو آریان خانزادہ!! شہرام خان نام ہے  
میرا ہے۔ میرے سامنے میرے لالا ارحام خانزادہ آ  
جائے میں ان کا ایڈیوڈ برداشت نہ کروں تم کیا چیز ہو؟؟  
دوست بن کر آئے تھے اس لیے یہ ہسپتال تمہارے  
حوالے کیا۔ مگر میرے ہسپتال میں یہ سب کرو گے

میں برداشت نہیں کروں گا۔ وہ اس کی بند آنکھوں کو  
دیکھتے سرد سپاٹ لہجے میں لفظ چبا گیا تھا۔

وہ ارحام خانزادہ تھا میں آریان خانزادہ ہوں۔ وہ تمہارا  
لالا تھا میں تمہارا دوست ہوں۔ بہت فرق ہے مجھ میں  
اور ارحام خانزادہ میں۔ ایٹیوڈ نہیں دکھارہا میں ہوں ہی  
ایسا۔ اس لیے تمہیں مجھے ایسے ہی برداشت کرنا پڑے

گا۔ وہ آنکھیں کھولتے سگریٹ کا گہرا کش لیتے شہرام  
خان کو آنکھ مارتے مسکراتے ہوئے بولا۔  
ٹانگیں اس نے ابھی تک ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیں۔  
میں برداشت نہیں کرتا۔ ایسے ایڈیوڈ سے بھرے  
لوگوں کو اپنی زندگی سے نکال دیتا ہوں۔ شہرام بھڑک  
اٹھا تھا۔

آریان خانزادہ نے اپنی ٹانگیں نیچے کرتے سیدھے  
ہوتے بیٹھتے اپنی شرٹ کے اوپری دو کھلے بٹن بند  
کیے۔

اب ٹھیک ہے!! آریان خانزادہ نے منہ پر ہاتھ  
پھیرتے ہوئے اپنے بال انگلیوں سے سنوارتے پوچھا۔

شہرام خان اس کی حرکتوں پر اسے سرد نگاہوں سے  
دیکھ رہا تھا۔

تمہارے نزدیک میں نے غلط کیا شہرام خان؟؟ کسی  
بھی عورت کی عزت اتنی سستی ہوتی ہے کوئی بھی اسے  
چھو سکتا ہے؟؟ دل پذیر خان کی ہمت کیسے ہوئی مس

خان کا ہاتھ بھی پکڑنے کی؟؟ وہ پھر سے اپنے ایٹیوڈ میں  
آتے ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے دھاڑا۔

مردانہ وارڈ میں کسی بھی فی میل ڈاکٹر کو دن میں جانے  
کی اجازت نہیں ہے وہ اتنی رات کو وہاں کرنے کیا گئی  
تھی؟؟ شہرام خان بھی جو اب ٹیبل پر مکہ مارتے دھاڑ

تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں سرخ  
آنکھیں گاڑھے ہوئے تھے۔

اس بات کی تحقیق ہو کر رہے گی! مس خان کو ادھر  
کس نے پہنچا۔ نرس فلک کو میں نہیں چھوڑوں گا۔  
آریان خان زادہ نے سر دلچے میں لفظ چبائے تھے

نرس فلک کون نرس فلک؟ شہرام خان نے غصے سے

پوچھا۔

کیا مطلب ادھر کوئی نرس فلک نہیں ہے؟؟ آریان

خانزادہ اسی لمحے جیسے سب کچھ سمجھتا کھڑا ہوا تھا۔

فلک نامی کوئی نرس ادھر کام نہیں کرتی!! شہرام خان

نے آریان خانزادہ کو گھورتے ہوئے اپنے لفظوں پر زور



دیا۔

آریان خانزادہ اب سرخ چہرے کے ساتھ کھڑا اپنے

چہرے پر ہاتھ پھیر رہا تھا

تم سے زر مش نے جھوٹ کہا ہے۔۔ شہرام اس کے

سرخ چہرے کو دیکھتے لب بھینچے بولا

نہیں بولا اس نے جھوٹ نہیں بولا مس خان نے

جھوٹ!! آریان خانزادہ دھاڑا اٹھا تھا۔

وہ مجھ سے کسی قیمت پر جھوٹ نہیں بول سکتی!! یہاں

آج فلک نامی نرس تھی۔۔ نرس تھی۔۔ آریان خانزادہ

نے ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے تھوڑا جھکتے ہوئے اپنی

بات پر زور دیا۔

دیکھو آریان !! دوستی اپنی جگہ مگر گل بہار ہسپتال  
شہرام خان کے نام سے جانا جاتا ہے۔۔ دل پذیر کے  
ساتھ جو تم نے کیا اس جواب دہ مجھے ہونا پڑے گا۔ کیا  
جواب دوں گا میں سب کو؟؟ یہ جواب دوں گا میرے  
ہسپتال کی ایک عام سی اسٹنٹ جس کے پاس کوئی

ڈگری نہیں وہ آدھی رات کو مردانہ وارڈ میں کیا کرنے  
گئی تھی۔

آریان خانزادہ اب خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتا  
غیر مرنی نقطے کو گھور رہا تھا۔

نیکسٹ احتیاط کرنا یہ میری لاسٹ وارنگ ہے میں نے  
اپنا ہسپتال تمہیں اس لیے سونپا تھا کیونکہ تم میں

قابلیت دیکھی تھی۔ شہرام خان نے سنجیدگی سے کہتے  
آریان خانزادہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ آریان  
خانزادہ کے بارے میں اس نے جتنی تحقیق کی تھی اسے  
بہت کچھ پتہ چلا تھا۔ وہ کسی سیکریٹ ایجنسی سے تعلق  
رکھتا ہے۔ شہرام خان اس بات کو لے کر کافی مشکوک  
تھا۔ اسی لیے وہ اسے ہسپتال سے نکال نہیں سکتا تھا۔

آریان خانزادہ کا تعلق اس کے ملک سے تھا۔ وہ نہ  
چاہتے ہوئے بھی مجبور تھا۔

مگر یہ ڈاؤن تھے جو اسے آریان پر تھے وہ چاہتے ہوئے  
بھی اس کے بارے میں یقینی طور معلومات حاصل نہ کر  
سکا تھا۔ مگر تب تک اسے ادھر برداشت کرنا ہی تھا۔ وہ  
آریان خانزادہ کو گھورتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

نرس فلک!! ڈاکٹر اغیار لغاری!! کمبہ پینیشن پنچ رہا  
ہے۔ وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرایا۔  
اغیار لغاری نہیں چھوڑوں گا تجھے!! آریان خانزادہ  
ٹیبیل پر مکہ مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔

---

زاویار خانزادہ ہاسپٹل کے کمرے میں گلاس ونڈوسے  
سرد سرخ آنکھوں سے برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔  
ار ترضی خان کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ زاویار  
خانزادہ تب سے ہی ایسے کھڑا تھا۔ وہ ار ترضی خان پر آئی  
ایک خراش برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے اس



حالت میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ار ترضی خان میں اس کی  
جان بستی تھی۔ بلکہ وہ اس کی جان ہی تھا۔  
زاویار خانزادہ کی آنکھوں میں ملکوں کی بٹی کے لیے  
نفرت کی چنگاریاں بڑھتی جارہی تھیں  
ار ترضی خان ایک چڑیا کا بچہ نہیں مار سکتا تھا وہ کیسے کسی  
انسان پر گولی چلا سکتا تھا؟؟ جس طرح اس کے بھائی

ار نقی خان کو تھپڑ مارے کئے۔ اسے اور اس کے بھائی  
کو گالیاں دیں گئی۔ وہ اس کے رگوں میں دوڑتے خون  
کو لاوے کی طرح کھولا رہا تھا و

زویار خان زادہ کابس نہیں چل رہا تھا۔ اس نازک سی  
لڑکی کا وہ حال کرے وہ اپنی پہچان بھول جائے۔ وہ  
مٹھیاں بھینچتے بمشکل خود پر ضبط کر رہا تھا۔

ار تفضی خان نے آنکھیں کھولتے کمرے میں نگاہیں  
دوڑائیں۔ زاویار خانزادہ کو کھڑکی کے پاس کھڑے دیکھ  
کر وہ اپنی بیڈج لگی پیشانی کو ہاتھ لگاتے وہ اٹھ کر بیٹھ  
تھا۔

لالا!!! ار تفضی خان نے درد سے کراہتے ہوئے زاویار  
خانزادہ کو پکارا تھا۔

"لالا دہا قربان شمشیر خیلہ ژوندہ"

(لالا قربان جائے اپنی جان پہ)

زاویار خانزادہ پشتو میں بولتے تڑپتے ہوئے ار ترضی خان

کی طرف بڑھا۔

لالا میں نے اذان کو نہیں مارا میرا یقین کریں۔۔ میں

نے اسے نہیں مارا۔ وہ روتے ہوئے زاویار خانزادہ کے

ہاتھ تھام گیا تھا۔

میں جانتا ہوں میری جان تم کبھی کسی کو نہیں مار سکتے۔  
میرا ار ترضی خود کی جان تولے سکتا ہے مگر کسی دوسرے  
پر گولی چلائے یہ ناممکن ہے۔ زاویار خان زادہ نے تڑپتے  
ہوئے ار ترضی خان کے آنسو صاف کیے۔ پہلی بار اس کی  
آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے تھے۔

اذان ملک میرا سب سے بڑا دشمن ہے لالا مگر میں نے  
خواب میں بھی اسے کبھی مارنے کا نہیں سوچا۔ وہ زاویار  
خانزادہ کے دونوں ہاتھ جکڑے ان پر اپنی پیشانی رکھے  
رودیا تھا۔

میں جانتا ہوں ار ترضی خان تم ایسا نہیں کر سکتے۔ زاویار  
خانزادہ کی آنکھوں میں سرخی کی شدت گہری ہوئی تھی

لا لا میں ظالم نہیں ہوں میں جابر نہیں میں بغیرت نہیں  
ہوں۔ ار تفضی خان زاویار خانزادہ کے ہاتھ چھوڑتے بیڈ  
سے ٹیک لگائے اپنی پیشانی کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گیا  
تھا۔

ار تفضی !!! زاویار خانزادہ اس کے قریب ہوا۔

نہیں لالا!!! میں ظالم نہیں ہوں آپ کی طرح!!! بتائیں  
اسے جا کر اس کو بولیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ اب چیخا  
تھا۔

ار ترضی اس لڑکی نے جو کچھ بھی کیا جو کچھ کہا اسے اس کی  
سزا مل کر رہے گی۔ زاویار خان زادہ ار ترضی خان کا چہرہ



دونوں ہاتھوں میں تھامتے میں جکڑے چٹانوں کی سختی  
لیے غرایا۔

سزا دیں گے اس لڑکی کو جس کا بھائی میری پستل سی نکلی  
گولی سے مر گیا۔ ار ترضی خان نے زاویار خانزادہ کو دیکھتے  
شاکڈ بے یقین لہجے میں سوال داغا۔

ہاں اس لڑکی کو سزا مل کر رہے گی جس نے بھرے  
مجموعے میں میرے بھائی زاویار خانزادہ کے بھائی پر ہاتھ  
اٹھایا۔ زاویار خانزادہ کو گالیاں دیں۔ زاویار خانزادہ  
گرج اٹھا تھا۔

اچھا اسے سزا دیں گے آپ؟؟ ار ترضی خان استھزائیہ  
ہنساتھا۔

مجھے کیا سزا دیں گے؟؟ کیا سزا دیں گے مجھے؟؟ جس کی  
وجہ سے ایک انسان کی جان چلی گئی۔ کیا سزا دیں گے  
مجھے؟؟ وہ ہد یانی چیخا تھا۔

ارتضیٰ! زاویار خانزادہ نے اسے سختی سے پکارا۔  
چلائیں مت لالا!! سزا دیں مجھے۔ وہ زاویار خانزادہ سے  
بھی زیادہ اونچی آواز میں چلاتے اپنی کلانی پر لگی ڈرپ

بے دردی سے ہینچ کر اتار گیا۔

ار تھی!! زاویار یہ دیکھتے تڑپ اٹھا تھا۔

ار تھی خان بیڈ کی دوسری جانب سے نیچے اترا

زاویار تڑپتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

میری سزا آپ تجویز کریں گے۔ خون کا بدلہ خون!!

مجھ پر بھی ایسی گولی چلائی جائے گی جیسے اذان ملک پر

چلی۔ ار نقی خان سختی سے بولا تھا۔  
وہ گولی ہی نہیں بنی جو تمھیں چھو سکے۔۔ زاویار خانزاہ  
پھولتی سانسوں سے بولتے گر جا۔  
سزا تو ملے گی مجھے لالا۔۔ آپ نہ دے سکے کوئی اور دے  
دے گا۔ مگر میں سزا بھگت کر رہوں گا۔ اور میری سزا  
موت ہوگی۔ خون کا بدلہ خون لالا۔۔ اذان ملک کی

موت کی سزا یہی ہے میرے لیے۔۔۔ ار ترضی خان اٹل  
لہجے میں کہتے دروازے کی جانب بڑھا۔

کہاں جارہے ہو؟؟ زادیار خانزادہ اس کی طرف تیزی  
سے بڑھاتا تھا۔ ان لوگوں سے تعزیت کرنے جارہا ہوں  
جن کا جو ان پیٹا جو ان بھائی میری ایک غلطی سے جان  
سے چلا گیا اور اپنی سزا پانے کے لیے جارہا ہوں۔ میں

کسی بے گناہ انسان کے قتل کا بوجھ لیے زندہ نہیں رہ  
سکتا۔ یہ سانسیں نہیں عذاب ہیں میرے لیے۔ ار ترضی  
خان زاویار خانزادہ کو خود سے دور دھکیلتے دروازے کی

جانب بڑھا۔

ار ترضی تم کہیں نہیں جاؤ گے سنا تم نے نہ تمہیں سزا ملے  
گی۔ زاویار خانزادہ دھاڑتے ہوئے اس کے مقابل یا

تھا۔

اذان ملک بلکل ٹھیک ہے۔ گولی اس کے سینے کے پاس  
سے چھو کر گزری تھی۔ التمش اسی لمحے دروازہ کھول کر  
اندرداخل ہوتے بولا۔

یہ کیا کہہ رہے ہو التمش؟؟ ار تھی بے یقین ہوتے اس



کی طرف بڑھا۔

وہ اسی ہسپتال میں وہ موجود ہے۔ بالکل خطرے سے

خالی۔ التمش نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ار ترضی خان اسی لمحے زمین پر گھٹنوں کے بل پیٹھتے اپنی

زخمی پیشانی سجدے میں ٹیک گیا تھا۔ زاویار لب

بھینچتے ار ترضی خان کو دیکھ رہا تھا۔ اذان ملک ٹھیک ہے

زاویار خان زادہ نے بھی تشکر کا سانس لیا تھا ورنہ ار ترضی  
خان کو وہ کیسے سنبھالتا؟؟؟ زاویار خان زادہ نے ار ترضی خان  
کی طرف بڑھتے اسے سجدے سے اٹھایا۔ وہ روتے  
ہوے زاویار کے گلے سے لگ گیا۔  
لالا اگر اسے کچھ ہو جاتا میں کیسے خود کو معاف کرتا۔  
کیسے اپنے رب کو دمنہ کھاتا۔ ایک بے گناہ کا قتل پوری

انسانیت کا قتل ہے لالا!! وہ زاویار کے گلے لگے ابھی  
بھی رو رہا تھا۔

---

زاویار خانزادہ اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے ہسپتال کے  
کوریڈور سے اپنے بھاری قدموں سے گزر رہا تھا۔  
یکدم کسی سے بری طرح تصادم ہوا تھا۔ زاویار خانزادہ

اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس نازک وجود کو اپنی مضبوط  
بانہوں میں تھام گیا تھا۔ ورنہ بہت بری طرح زمین  
بوس ہوتی۔ وہ بہت برے طریقے سے اس کے ساتھ  
ٹکرائی تھی۔ اس کی نازکی زاویہ خانزادہ کے چوڑے  
سینے سے مس ہوئی تھی۔ وہ بھی گھبراتے ہوئے زاویہ  
خانزادہ کی شال کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔ مگر

اب دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ  
رہے تھے۔ زاویار خانزادہ کے ہاتھوں کی انگلیاں اس  
کے نازک فراک سے اس کی کمر میں سختی سے پیوست  
ہو رہی تھی۔ زاویار خانزادہ کی آنکھوں کی رنگت خون  
میں جیسے تبدیل ہو رہی تھی۔ عایش اس کی آنکھوں کی  
بدلتی رنگت اور اس کے سخت تنے ہوئے نقوش کو

دیکھتے خوفزدہ سی ہوئی دنگھی۔ دل تیزی سے دھڑک  
اٹھا تھا۔ اس کے جسم سے اٹھتی مردانہ خوشبو سے عایش  
کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔

!! نہیں چھوڑوں گی میں ان زمینی خداؤں کو۔ ان  
بغیرت خاندانوں کو!! مقابل کے لفظ سماعتوں میں  
سنائی دیتے زاویہ خانزادہ کی گردن کی رگیں پھلا چکے

تھے۔۔ خون میں آگ کے دریا دوڑ رہے تھے۔ خون  
بری طرح کھول رہا تھا۔

وہ اسے کمر سے تھامے دیوار میں پٹختے اس کے گرد اپنے  
دونوں ہاتھ جماتے اسے محصور کر گیا۔

عائش نے درد سے سسکی لیتے زاویہ خان زادہ کو دیکھا جو  
اس کے بے انتہا قریب اپنی جھلستی آگ جیسی سانسیں

اس کے نقوش پر چھوڑ رہا تھا

غصے سے عایش ملک کی سانسوں میں طوفان اٹھاتا تھا

زاویار خانزادہ کی اتنی نزدیکی اس کے اندر شعلے سے دہکا

چکی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے زاویار خانزادہ کی سرخ

آنکھوں میں اپنی نیلی گہری آنکھیں گاڑھے ہوئے

تھی۔



اس کے نشیب و فراز بھی بری طرح ہچکولے کھا رہے  
تھے۔

اس نے اپنی پوری فورس لگاتے اپنے ہاتھوں سے زاویار  
خانزادہ کو دور دھکیلنے کی کوشش کی مگر وہ اسے ایک انچ  
دور نہ کھسکا سکی تھی۔

آج تمہیں اپنے عورت ہونے پر شکر ادا کرنا چاہیے۔

ورنہ زاویار خانزادہ کی سزا تم سہ نہ سکتی۔ اور زاویار  
خانزادہ عورت کو اتنی ہی سزا دیتا ہے جتنی وہ سہ سکتی  
ہے۔ تمھاری ناز کی کہہ رہی ہے میرے ذرا سے  
چھونے پر تم تڑپ کر رہ جاؤ گی۔ وہ اس کے ہچکولے  
بھرتے قیامت سے نشیب و فراز پر سرخ نگاہیں گاڑھے  
غرایا تھا۔

یو۔۔۔بل۔۔۔ڈ۔۔۔

بکو اس بند۔۔۔ وہ دھاڑتے ہوئے اس کا جبرہ سختی سے  
دبوچ گیا تھا۔ عائش اس کی دھاڑ پر بری طرح لرزا اٹھی  
تھی۔

وہ سچ میں جتنا خوب رو تھا اتنا ہی سخت تھا۔ اس کی بے پناہ  
وجاہت سے خوف آتا تھا۔ اس کا بلند قد و قامت

بارعب پر سنیلٹی تیکھے بے پناہ کشش زدہ نقوش اس  
کے بدن سے اٹھتی خوشبو مقابل سے عجیب سامر عوب  
کرتی تھی۔ عجب سا خوف آتا تھا زو یار خان زادہ سے !!  
عائش ملک پہلی مرتبہ کسی مرد سے گھبرائی تھی۔ ورنہ  
میجر شاہویر جیسے مرد سے وہ کبھی نہیں گھبرائی تھی۔  
مقابل ظالم نہیں بلکہ اس کی پر سنیلٹی بھی ظالم تھی۔

اپنے سامنے بولنے والے کی آواز زاویہ پار خانزادہ گولیوں  
کی خطرناک گونج سے بند کر دیتا ہے۔۔ وہ اپنی جیب  
سے پستل نکالتے اس کی نوک سختی سے اس کے دل پر  
رکھ گیا۔ عائشہ ملک کی پیشانی پر اب پسینے کے قطرے  
نمودار ہوئے تھے۔۔ وہ ایک ہاتھ سے اس کا جبرہ  
دبوچے ہوئے تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ پستل اس کے

دل کے مقام پر رکھے ہوئے تھا۔ یہ غیرت یہ غصہ تب  
چچا تم پر!! جب تم چادر میں لپیٹی ہوتی۔ تم پر نظر  
گاڑھنے والے کی آنکھ خود زاویار خانزادہ بے دردی سے  
نکالتا۔ اپنے علاقے میں کسی بھی عورت پر زاویار  
خانزادہ کسی کی بری نگاہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر تم تو  
ہر مرد کی نظروں کی حقدار ہو۔ وہ اس کے بغیر دوپٹے

کے وجود کو ناگواری سے دیکھتے بولتے اپنی چادر جھٹکتے  
ہوئے اس سے دور ہوتے باہر کی جانب بڑھا۔  
یہاں کے سردار زاویار خانزادہ کے لیے وہی عورت  
عزت کی حقدار ہے جو چادر میں لپیٹی ہوتی ہے۔ یہ کیسی  
منطق ہے بھلا؟؟ وہ استھنزائیہ ہنسی تھی۔ زاویار خانزادہ  
کے بھاری قدم ر کے تھے۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھنجی

تھیں۔

زاویار خانزادہ!! تم ظالم جابر ہو غیر منصفانہ سلوک کرتے ہو اس سرداری کے زعم میں!! عائش ملک تم سے بہت جلد یہ سرداری کا عہدہ چھین کر رہے گی۔ وہ اس کی پشت دیکھتے بے خوف و خطر لہجے میں بولی تھی۔ ظلم سے ڈرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ نہ اس کی تربیت



ایسی ہوئی تھی۔ وہ جھکتی اس طرح کسی کے سامنے۔ مگر  
وہ نہیں جانتی تھی عنقریب وہ زاویار خانزادہ کی سانسوں  
کی آواز سے بھی خوف کھایا کرے گی۔ وہ اس کا غرور  
اس طنطنہ سب کچھ چھین لے گا۔

یہ زاویار خانزادہ کی سرداری ہے تمہارا پہنا ہوا یہ گھٹیا  
لباس نہیں جس کی کوئی وقعت نہ ہو کسی کے بھی

نزدیک !! کوشش کر لو مگر جو ابامیر اوار سہنے کی پوری  
تیاری کر کے آنا۔ سرداری تو جائے گی نہیں ہاں  
تمھاری سانسوں کو ہمیشہ کے لیے ان پہاڑوں میں قید  
کر لوں گا۔ وہ پلٹتے ہوئے خون اشام لہجے میں غرایا تھا۔  
عائش ملک اس کی بات پر سر نفی میں ہلاتے استہزائیہ  
ہنسی تھی۔

ایک بات دیاور کھنا شروعات ہمیشہ سامنے والا کرتا ہے  
اور اس کا اختتام زاویار خانزادہ کرتا ہے۔ اب ختم  
سانسیں کھینچ کر کرنا ہو یا اپنے پیروں پر گرا کر تلوے  
چٹوانا یہ اگلے کے کیے کئے گناہ پر ڈپینڈ کرتا ہے۔  
خود پر رحم کھا لو ورنہ خود پر ترس کھانے کے قابل بھی  
نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔ وہ اسے استہزائیہ ہنستے

دیکھ کر قہر بارنگاہوں سے گھورتے میں غراتے  
ہوے اپنی شال جھٹکتے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ  
کیا تھا۔

عائش ملک بہت تمھاری حویلی میں گھس کر تمھاری  
عزت دو ٹکے کی کر کے رکھ دی۔ تمھارے بھائی کو اور  
تمھیں پولیس کھینٹتے ہوئے نہ لے کر گئی تو میرا نام

عائش ملک نہیں۔ عائش زہر خند لہجے میں بولتے ہوئے  
اذان ملک کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

---

آریان خانزادہ کی گاڑی ہواؤں کے دوش پر اب گیلی  
سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے  
ڈرائیو کر رہا تھا۔ رشنا اور شازمہ آج پاکستان آرہے

تھے۔ اسے حویلی ہونا چاہیے تھا وہ ابھی تک حویلی پہنچ  
ہی نہ سکا تھا۔ آریاں خانزادہ کی گاڑی تیزی سے اندر  
داخل ہوتے طویل ترین کارپورج میں آکر رکی۔ وہ  
اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف  
بڑھا۔ اس کے قدم رکے تھے۔ دوسرے لمحے وہ  
بھاگتے ہوئے شازمہ کی طرف بڑھتے ان کے گلے سے

لگ گیا۔

مام!! وہ شازمہ کو سختی سے خود میں بھینچے ہوئے تھا۔  
شازمہ مسکراتے ہوئے آریان کے سینے سے لپٹی ہوئی  
تھی۔

مام!! آریان خانزادہ نے شازمہ خان سے الگ ہوتے  
ان کی پیشانی پر لب رکھے۔

بھائی!! رشنا آریان کی طرف بڑھتے اس کے سینے میں  
سمائی تھی۔ آریان خان نے رشنا کے سر پر لب رکھتے  
اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

آری یہ سب کیا ہے؟؟ تم نے لاک چینج کر دیے۔ بلکہ  
یہ سب کیا سسٹم لگایا ہے؟؟۔ پاسورڈ مانگ رہا ہے۔  
شازمہ نے غصے سے دروازے کی سکیورٹی سسٹم کی



طرف اشارہ کیا تھا۔

مام یہ ایسے ہی بس؟؟ آریان خانزادہ نے کہتے جلدی  
سے سکیورٹی سسٹم کو پاسورڈ لگاتے دروازہ کھولا تھا۔  
شازمہ آریان کو غصے سے گھورتی اندر داخل ہوئی  
تھیں۔ وہ ان کی طرف بڑھتے انھیں اپنے بازو کے حلقے  
میں لے گیا۔

ماما اتنے مہینوں بعد مل رہی ہیں پھر بھی یہ سلوک مجھ  
سے؟؟ آریان خانزادہ انھیں بازو کے حلقے میں لیے  
صوفے لاونج کی طرف بڑھا۔ انھیں احترام سے  
صوفے پر بٹھاتے وہ خود زمین پر بیٹھتے ان کی گود میں  
سر رکھ گیا تھا۔ جھوٹا پیار مت جتاؤ آری!! کتنے دنوں  
سے نہ کوئی کال نہ رابطہ!! تمہارا نمبر آف آرہا ہے۔ تم

نے ایک کال تک نہیں کی۔ اب محبت جتنا رہے ہو۔  
شازمہ بھڑکتے ہوئے بولی۔

رشنا اپنے سر سے چھوٹی سی شال اتارتے اسے صوفی پر  
رکھتے موبائل میں مصروف ہو چکی تھی۔

مام میں مصروف بہت تھا۔ صرف اسی وجہ سے کال  
نہیں کی۔ مگر میں آپ کے لاپرواہ نہیں ہوا۔ آریان

نے شازمہ کی گود سے سر اٹھاتے ہوئے ان کی طرف  
دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ٹھیک کہہ رہے ہو تم تبھی تمہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ ہم  
لوگ پاکستان آرہے ہیں۔ پچھلے دو گھنٹوں سے میں اور  
رشنا باہر کھڑے تھے۔ شازمہ سنجیدگی سے بولتے  
آریان خانزادہ کو شرمندہ کر گئی تھی

انی ایم سوری مام!!! آئندہ نہیں ہوگا۔ آریان خانزادہ  
کے سوری بولنے پر رشنا خان موبائل سے سر اٹھاتے  
کھلکھلائی تھی۔ شازمہ کے آگے ہی وہ ایسے جھکتا تھا۔  
رشنا کے کھلا کھلانے پر آریان خانزادہ نے گھور کر اسے  
دیکھا تھا۔ رشنا مسکراہٹ دبائے موبائل میں مصروف  
ہو چکی تھی۔

آری میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ میرے پاس تم سے قیمتی کچھ  
نہیں ہے۔ تم یہ سب کیا کرتے پھرتے ہو؟؟ کبھی  
ریسلر بن جاتے ہو کبھی کیا؟؟ منع کیا تھا ریسلنگ نہیں  
کرو گے۔ مگر نہیں تم ریسلر بن کر رہے۔ اب تم  
کیلفورنیا چھوڑ کر پاکستان آ چکے ہو۔ اتنے مہینوں سے تم  
پاکستان میں ہو۔ میرا اور رشنا کا کیا حال ہوا ہے جانتے ہو

تم؟؟ اوپر سے ہمارا گھر سے نکلنا بند تھا۔ کون لوگ ہیں  
جو ہم جہاں جاتے تھے ہمارا پیچھا کر رہے ہوتے ہیں۔  
ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ سازمہ کی  
باتوں پر وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ تمہیں ذرا فکر نہیں  
اپنی مام اپنی بہن کی؟؟ مہینوں غائب رہتے ہو؟؟  
سازمہ غصے سے بولی تھی۔

آریان خانزادہ نے پریشانی سے اپنی پریشانی مسلی  
اس کے ہی پر سنل ہائر کردہ گاڑ ڈز تھے جو ہر ٹائم رشنا اور  
شاز مسہر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ پاکستان آرہی ہیں  
سب کچھ اسے پتہ چلا تھا۔ انرپورٹ سے حویلی تک وہ  
اس کے گاڑ ڈز کی حفاظت میں تھیں۔  
مام آئی ایم سوری وعدہ کرتا ہوں نیکسٹ کبھی آپ اور



رشنا سے لاپرواہی اختیار نہیں کروں گا۔ آریان خانزادہ  
زمین سے اٹھتے ان کی پیشانی پر لب رکھتے کچن کی طرف  
بڑھا۔

کہاں جا رہے ہو؟؟ شازمہ نے اسے لاونج سے جاتے  
دیکھتے پوچھا

مام آپ اور رشنا کے لیے کچھ بنانے جا رہا ہوں۔ آریان

خانزادہ نے مڑتے ہوئے کہا۔

ہم نے کھانا پلین میں کھا لیا تھا آری!! تم میرے پاس آ  
کر بیٹھو۔ مجھے تمہیں جی بھر کر دیکھنا ہے۔ شازمہ نے  
آریان خانزادہ کی چوڑی پشت کو دیکھتے ملائیت سے کہا۔  
آتا ہوں مام چینیج کر لوں!! وہ سنجیدگی سے کہتے اپنے  
کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عنائیہ حویلی کے پچھلے لان کی طرف آئی تھی۔ اس  
وقت وہ بلو ویلوٹ کی فل گاؤن نائیٹ میں ملبوس تھی۔  
جس پر اس نے اپنی خوبصورت شال اوڑھی ہوئی تھی۔  
اس کے سلکی بال کھلے ہوئے تھے۔ درختی اسے حویلی  
کے اندر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا تھا۔ وہ جس طرح

مرضی گھوڑے۔ وہ سارا دن ایسے ہی نائٹیز پہن کر رہتی  
تھی۔ وہ اسے دیکھتے بھی کچھ نہیں کہتا تھا۔ اب کالج جانا  
شروع ہوئی تھی تو باہر جاتے ہوئے چادر سر پر لیتی  
تھی۔ چہرہ ڈھانپنے سے اس نے منع کر دیا تھا۔ وہ سوات  
کے خاندان کی طرح بالکل نہیں تھا۔ ان نو مہینوں  
میں وہ اپنے فون پر وقتاً فوقتاً اس کے گھر والوں سے بات

بھی کرو اتار ہاتھا۔ اب فون اس کے پاس تھا۔ مگر اس کی  
اپنے گھر والوں سے بات کم ہوتی تھی۔ اسلام آباد کے  
واقعے کے بعد وہ درخزی کے غصے کی وجہ سے اس سے  
رابطہ نہیں رکھے ہوئے تھے۔ مگر اب پچھلے دو ماہ سے  
اس کا سب سے رابطہ تھا۔

وہ اپنی بھیگی نگاہیں یہاں سے نظر آتے پہاڑوں پر

جمائے ہوئے تھی۔ نو ماہ سے وہ اس سے دور تھا۔ ایک  
چھت کے نیچے وہ تنہا اس خوفناک کمرے میں اکیلے  
گزارتے آئی تھی۔ کتنی بار وہ اس کے کمرے میں گئی  
تھی۔ وہ اسے کمرے سے نکال چکا تھا۔ مگر اس کے  
سوتے میں وہ اس کے پاس آ جاتا تھا۔ وہ بہت گہری نیند  
سوتی تھی۔ مگر صبح اٹھتے وہ خود سے اٹھتی اس کی خوشبو

محسوس کر لیتی تھی۔ وہ اتنا بھی اچھا نہیں تھا بلکہ وہ ذرا  
بھی اچھا نہیں تھا۔ اس کا قتل کرنے کا وار سوات کے  
خانزادوں سے ڈفرنٹ تھا۔ در خیزی خانزادہ قطرہ قطرہ  
مارتا تھا۔ روز مارتا تھا۔ ان گزرتے ماہ میں اس نے یہی  
محسوس کیا تھا۔ اس کی ایک غلطی معاف کرنے میں  
اسے اتنے ماہ لگ گئے۔ اب بنا کچھ بتائے وہ اسے چھوڑ کر

چلا گیا تھا۔ وہ کتنی شدت سے اسے چاہتی تھی۔ اس نے  
تو کسی بھی بات کی صفائی جواز نہیں مانگا تھا۔ ملا لہ خان  
اس کی آخر کون لگتی ہے؟؟ لہ خانم بحر مند اس کے  
کون ہیں؟؟ کسی چیز کسی بات کے متعلق استفسار نہیں  
کیا تھا۔ جس جگہ اس نے بٹھا دیا وہ وہاں سے اٹھی نہیں  
تھی۔ ان گزرے ماہ میں در خیزی خانزادہ نے سانس



روکنے کو کہا اس نے روکا۔ جو کہا وہ کیا۔ امریکہ سے آئی  
ہوئی اک آزاد ماڈل کی اس کی حویلی میں بنا کسی آہ پکار  
کے قید تھی۔ وہ سمجھ ہی نہ سکا تھا کہ وہ اس سے کتنی  
محبت کرتی ہے۔

عنایتیہ بھیگی نگاہوں سے پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اتنی  
در خیزی کی بے اعتنائی نہیں چھپی تھی۔ جتنا پاس آکر

اس کا دور جانا چھا تھا۔ وہ جیسے مر رہی تھی۔ کالج جاتے  
ہوئے اپنی جیب میں کتنا پیار کرتا رہا تھا۔ اور لاونج میں  
بھی تو کتنی شدت سے پیار کر رہا تھا۔ اب اس پر ایک  
ایک پل بھاری تھا۔

مرحبا بھابھی!! بحر مند کی آواز پر وہ بری طرح اچھلی  
تھی۔

بحر مند نے موچھوں پر ہاتھ پھیرتے عنائیہ کو گہری  
نگاہوں سے دیکھا۔ وہ بحر مند کو غصے سے دیکھتی آگے  
بڑھی۔

اس ویڈیو میں تم ہی تھا ہم اچھی طرح جانتا ہے۔ بحر مند  
کی آواز پر عنائیہ نے پلٹتے ہوئے اسے دیکھا۔  
تو اگر تم جانتے ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟ عنائیہ

نے جواباً سنجیدگی سے استھڑائیہ لہجے میں سوال داغا۔  
اس سے فرق نہیں پڑتا مگر جو بات ہم تم کو بتائے گا اس  
سے تم کو بہت فرق پڑے گا۔ بحر مند مونچھوں پر ہاتھ  
پھیرتے اس کے مقابل آیا۔

اس ویڈیو میں تم تھا یہ بات تو ہم سب جانتا ہے مگر تم یہ  
نہیں جانتا کہ اس دن وہاں جو کچھ ہوا وہ درختی خانزادہ

نے خود کروایا۔

کیا مطلب؟؟ عنائیہ نے نا سمجھی سے در خزئی کی طرف  
دیکھا۔

یہی کہ لالا کو اس کلب میں raid ڈالنے سے پہلے  
سب کچھ پتہ تھا تم ادھر اس مائیکل کے ساتھ ہے۔  
بحر مند عنائیہ کو گہری نگاہوں سے دیکھتے شاطرانہ لہجے

میں بولا۔

واٹ رہش؟! تم یہ سب بکواس کرو گے اور میں تم پر  
یقین کروں گی۔ عنایتیہ استھزاتیہ مسکرائی تھی۔  
یقین تو کرنا پڑے گا کیونکہ یہی سچ ہے۔ بحر مند گہرا  
مسکرایا تھا۔

اچھا یعنی در خیزی خانزادہ نے خود ہی اپنی عزت کو یوں

اچھالا۔ اپنی وردی پر داغ لگایا۔ کیوں وجہ کیا تھی؟؟  
اگر تمہیں اس پر الزام لگانا تھا تو کچھ تو ایسا کہتے جسے مجھے  
یقین آتا۔ در خزئی سے نفرت میں اس حد تک کر گئے  
کہ اس پر بے بنیاد بچوں جیسے الزام لگا رہے ہو۔ عنائے  
بحر مند کو گھورتے ہوئے غصے سے بولی۔  
وجہ سب سے بڑی تم تھا بھابھی!! وہ جانتا تھا اچھی

طرح جانتا تھا کہ تم بھی رخصتی نہیں کرو گی۔ شاید  
زاران خانزادہ بھی اپنی بیوی یعنی تمہارا بہن ابرش کا  
باتوں میں آکر رخصتی میں رکاوٹ بنتا۔ اس لیے اس  
نے یہ چال چلا۔ تم ادھر کلب گیا اور اس سب کا  
در خزئی کو سب خبر تھا۔ اور یہ سب ہو گیا۔ تم بے  
عزت ہو اتم پر کیس بنا۔ تم شرمندہ ہوتے ذلیل ہوا۔



اور وہی ہوا تھیں وہ دھڑلے سے رخصتی کروا کر لے  
آیا۔ کوئی رکاوٹ نہیں بنا۔

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو اول فول بک رہے ہو  
بحر مند!! عنائے سلگتے لہجے میں چینی تھی۔

دماغ نہیں خراب سچ بول رہا ہے ہم!! جو حقیقت ہے  
وہی بتا رہا ہے۔ وہ بہت بڑا گیم پلیئر ہے جو لڑکی اس سے

نفرت کرتا تھا وہی لڑکی اس کا پیار میں پاگل ہو گیا۔ کیا  
غلط تھا اس میں اگر اس نے یہ سب کیا؟؟ اپنی جیت کا  
فتح بھی تو منانا تھا۔ اگر وہ یہ سب نہ کرتا تو اس کی مراد انہ  
آنا کا کیا ہوتا؟!۔ بحر مند کی باتیں وہ گہرے سانس لیتے  
سرخ چہرے کے ساتھ سن رہی تھی۔  
اگر تم بھی در خیزی کو ٹھکرا دیتا تو وہ کیا منہ دکھاتا خانم بی

کو ملالہ کو؟؟ بحر مند استھرائیہ مسکرایا۔

خانم بی اور ملالہ کا کیا تعلق؟؟ عنائیہ نے غصے سے  
سنجیدگی سے استفسار کیا۔ بحر مند کی باتیں اسے پاگل کر  
رہی تھیں۔

ملالہ در خزئی کا منگیتر رہ چکا ہے۔ عین نکاح کا وقت وہ  
در خزئی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بحر مند کی بات پر عنائیہ

کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔  
بہت محبت کرتا تھا وہ ملالہ سے!! جان چھڑکتا تھا اس  
پر!! جب ملالہ در خزئی کا نکاح سے بھاگ کر گیا تو  
در خزئی نے خانم بی سے کہا تھا وہ ایسا لڑکی سے نکاح  
کرے گا جو اس کے لیے بنی ہوگی اس سے دل سے  
محبت کرے گی۔

اس نے ادھر سے جاتے تم سے نکاح کر لیا اسے لگا تم کم  
عمر ہے اس کا محبت کا جال میں پھنس جائے گا۔ یہ  
دیکھو تمہارا نکاح کا تصویر جو اس نے ملالہ کو سینڈ کی  
تھی۔ اپنا جیت کا فتح مناتے ہو۔ بحر مند نے اپنے  
موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ عنایتیہ نے بے یقینی سے  
وہ تصویر دیکھی جو نکاح والے دن کی تصویر تھی اور یہ

تصویر بھی کمرے میں لی گئی تھی۔ اسے یاد آیا تھا  
در خزئی نے اس کی تصویر لی تھی اور یہ وہی تصویر تھی۔  
اگر تم بھی اسے چھوڑ دیتا تو وہ ملالہ اور خانم بی کا سامنے  
سر نہ اٹھا سکتا۔ اپنا ہی باتوں سے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا۔  
تم جھوت کہہ رہے ہو در خزئی ایسا نہیں ہے۔ وہ بہت  
اچھا ہے۔ وہ ایسا نہیں۔۔۔ وہ صرف مجھ سے محبت کرتا

ہے۔ عنائیہ کی آواز اب شدت سے بھیکی تھی۔  
اگر وہ تم سے محبت کرتا تو تم سے اپنا حق بھی لیتا بھی تک  
کیوں نہیں لیا۔ بحر مند نے عنائیہ کو گہری نگاہوں سے  
دیکھتے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا۔  
تمہیں یہ سب کیسے پتہ؟؟ عنائیہ کے سوال پر بحر مند کا  
قہقہہ گونجا تھا۔ اس نے تو ہوا میں تیر چلایا تھا جو نشانے پر

لگاتھا۔ یعنی غنچہ گل کی انفارمیشن ٹھیک تھی۔  
جن سے دشمنی ہو ان کے بارے میں سب خبر رکھنی  
پڑتی ہے۔ جھوٹ نہیں بولوں گا لا امیر اسب سے بڑا  
دشمن ہے۔ مگر جو تم سے کہا وہ ایک ایک لفظ سچ ہے۔ تم  
صرف در خزنئی کا جیت ہے اس کا علاوہ کچھ نہیں۔ اس  
کا بارے میں ابھی بہت کچھ چھپا ہے تمہیں اہستہ آہستہ



پتہ چلے گا۔ بحر مند عنائیہ کا دھواں دھواں چہرہ دیکھتے  
اپنا موبائل عنائیہ کے ہاتھوں سے لیتے انیکسی کی طرف  
بڑھاتا تھا۔

اور کیا ہے جو مجھے نہیں پتہ؟؟ عنائیہ کی بھیگی آواز پر اس  
کے مونچھوں تلے لب گہرا مسکرائے تھے۔  
اور یہ کہ تمہارا شوہر قاتل ہے۔ مار دھاڑ خون خرابہ

کسی کی بھی جان لے لینا اس کے بائیں ہاتھ کا ٹھیل  
ہے۔ وہ ایک وردی فروش ایس پی تھا۔ کتنے ہی بے گناہ  
لوگوں کا کاؤنٹر کے نام قتل کر چکا ہے۔ اور یہاں بھی  
یہی کچھ کرتا ہے۔ وہ ایک عام روایتی سردار ہے جو  
صرف غیر منصفانہ فیصلے کر کے قتل کرتا ہے۔ اتنا  
جائیداد زمینیں اس نے غیر قانونی دھندہ سے کمایا ہے۔

ایک ایس پی کا پاس یہ سب کچھ ہو سکتا ہے جو اس کے  
پاس ہے سوات کا خانزادوں کے پاس اتنا کچھ نہیں جتنا  
اس کے پاس ہے۔ اپنا عقل سے کام لو سب سمجھ آ  
جائے گا۔ وہ سنجیدگی سے بولتا وہاں سے چلا گیا تھا۔  
ہاتھ میں پکڑے فون پر بیل ہوئی تھی وہ رینگ پر لرز  
اٹھی تھی۔ فون پر در خیزی کا نمبر دیکھ کر اس نے فون

اٹھاتے کان سے لگایا۔

ہے مائی سوین!! میری جان کیسی ہے؟؟ در خزنئی کی  
آواز پر وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔

ٹھیک ہوں در خزنئی آپ کیسے ہیں؟؟ وہ بھیگی آواز میں  
بولی

اے اے اے جان سوری مائی سوین!! رو کر یوں مجھے

پریشان تو مت کرو!! کل میں اپنی خوبصورت بیوی کے  
پاس ہوں گا۔ وہ در خزنئی کی بات پر بھیگی سی ہنسی تھی۔  
وہ مر کر بھی بحر مند کی باتوں پر یقین نہیں کر سکتی تھی۔  
اسے در خزنئی پر خود سے زیادہ یقین تھا۔  
میرا دل نہیں لگ رہا جی کر رہا ہے ابھی تمہارے پاس  
آ جاؤں۔ آج آخری بار تکیے سے لپٹ کر سوؤں گا۔ پھر

میرا تکیہ تم ہوگی۔ در خزنئی کی لھمبیر آواز پر وہ سرخ  
ہوتے مسکرا رہی تھی۔

دلہن کا لباس تمہارے لیے لاؤں گا۔ اپنی مرضی کا  
جس میں میری خوبصورت بیوی چھپے گی کم عیاں زیادہ  
ہوگی۔ جانتی ہوناں مجھے تم کہاں سے پسند ہو۔ در خزنئی  
بھاری آواز میں بولا تھا۔

آپ نے بھی بتایا ہی نہیں در خزنی میں کہاں سے پسند  
آپ کو؟ عنائیہ کی بات پر فون پر در خزنی کا قہقہہ گونجا  
تھا۔

عنائیہ بھی کھلکھلائی تھی۔ وہ اسے ہنستے ہوئے کتنا اچھا  
لگتا تھا وہ کیسے بتاتی۔

اپنی شدتوں اپنے لمس سے بتاؤں گا میری جان۔ تب

ایسے ہنسوگی نہیں بلکہ رویا کروگی۔ اتنا ظلم کروں گا تم  
پر۔۔۔ در خزنئی خانزادہ کی باتوں پر وہ لب دانتوں تلے  
دباتے سرخ پڑتے مسکرائی تھی۔ وہ فون کان سے  
لگائے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ اب جس طرح کی  
بے باک باتیں کرنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ یہاں نہیں ٹھہر  
سکتی تھی۔۔۔ اس کی بے باک باتیں اس کی جان لبوں پر



سجڑ ہی تھی۔ عنائیہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔  
وہ باتوں میں اتنا بے باک تھا جب وہ اس کے قریب  
آتے اپنا حق لے گا تو وہ کیسا ہو گا۔ اس کی شدتیں اس کا  
بے باک لمس وہ کیسے برداشت کرے گی؟؟ وہ گلاب  
کی طرح سرخ پڑتے سوچ رہی تھی۔ در خزنئی خانزادہ  
کے قہقہے سنتے وہ بیڈ پر گرتی گہرا مسکرائی تھی۔

اس کا سوا ت کا در خزنئی پلٹ آیا تھا۔ وہ ملا لہ کا نہیں اس  
کا تھا صرف اس کا تھا۔ اسے یقین تھا در خزنئی خانزادہ نے  
اگر کسی سے محبت کی تھی وہ صرف عنائتہ در خزنئی  
خانزادہ تھی۔

رمز جنون

تحریر نور آصف

قسط 18

زر مش بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہی تھی۔ دائیں ہاتھ سے  
کچھ پکڑنا تو دور کی بات وہ موومنٹ بھی نہیں کر پار ہی  
تھی۔ کیا ہو ایسا بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہی ہو۔ حیدر خان

نے اسے بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے ٹوکا تھا۔  
اس وقت وہ لوگ ڈائینگ روم میں بیٹھے ڈنر کر رہے تھے

وہ لالا چوٹ لگی ہے سیدھے ہاتھ میں۔ زر مش نے اہستگی  
سے کہا۔ دکھاؤ مجھے؟؟ حیدر خان نے اس کا ہاتھ پکڑا جو  
اس نے شال میں چھپایا ہوا تھا۔

اس کے ہاتھ میں اتنی بری طرح پٹی کو بندھے دیکھتا وہ  
مزید پریشان ہوا تھا۔

لاالاک کچھ لیکویڈ کر گیا تھا۔ اس لیے احتیاطی طور پر  
ایسے پٹی کی ہے ورنہ انفیکشن پھیل جاتا۔ درد بالکل نہیں  
ہے۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے کرسی سے اٹھتی اپنے  
کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

بیٹا!! حیدر خان نے پریشانی سے اسے پکارا۔ زر مش سنی  
ان سنی کرتے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔  
دریاب زریاب کہاں ہیں؟؟ حیدر خان اب فرشتے کی  
طرف متوجہ ہوا جو سیاہ رنگ کی فرائڈ پر نیٹ کا دوپٹہ  
اوڑھے ہوئے تھی۔ بنا کسی میک اپ کے وہ دھمک رہی  
تھی۔

اور زلہ کے پاس ہیں۔ فرشتے آہستہ سے بولتے ہوئے  
کھانا کھانے لگ گئی تھی۔

تیار رہنا کل تمہیں تمہارے لالا کے پاس چھوڑ دوں گا  
جتنے

دن رہنا چاہو رہ لینا میری طرف سے کوئی روک ٹوک  
نہیں جب کہو گی لینے اجاؤں گا۔ حیدر کر سی سے اٹھتے

ہوے اس کی طرف بڑھا۔ فرشتے حیرانگی سے اس کی  
بات سنتے کر سی سے کھڑی ہوئی۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔  
حیدر خان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے فرشتے کی ٹھوری  
پر اپنے لب رکھے۔ فرشتے گلابی ہوتی نگاہیں جھکا گئی تھی۔  
تم پر اپنی شدتیں نہیں نچھاور کر سکتا۔ یہی تمہاری شرط  
ہے۔ تمہارے قریب تب تک نہیں آؤں گا جب تک تم  
نہیں چاہو گی۔ مگر اس تل پر تم مجھے حق جتانے سے کبھی



نہیں روک سکتی۔ یہاں پر میری شدت سہنی ہی پڑے  
گی۔ حیدر خان نے بھاری آواز میں کہتے فرشتے کے تل پر  
اپنے دانت گاڑھے۔ فرشتے نظریں جھکائے سسکی تھی۔  
وہ بہت بے رحمی سے ہمیشہ اپنا جنون اس کی ٹھوڑی کے  
تل پر دکھاتا تھا۔ حیدر خان اس کے تل پر گہرا نشان دیتے  
پیچھے ہوا۔

تم کھانا کھاؤ میں آتا ہوں۔ حیدر خان فرشتے کے تل پر  
نرمی سے لب رکھتے زر مش کے کمرے کی طرف بڑھ گیا  
تھا۔

---

وہ تیز تیز قدموں سے ہاسپٹل میں داخل ہوئی تھی۔  
سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا بلکہ رات کی ہوئی بارش نے  
سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ آف وایٹ کلر

کی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر بے حد خوبصورت سیاہ  
ایمر ایڈری والی شال اوڑھی ہوئی تھی۔ ہاسپٹل میں اس  
وقت کوئی نظر نہیں رہا تھا۔ اکاد کاسٹاف ہی نظر رہا تھا۔  
وہ کوریڈور سے اندر داخل ہوتے حال میں داخل ہوئی  
تھی۔ آریان خانزادہ کو اسی لمحے حال میں حال کے  
اوٹ میٹک سلائیڈنگ گلاس ڈور سے اندر داخل ہوتے  
دیکھتے وہ بھاگتے ہوئے ریسپینشن ڈائیس کی طرف بڑھی

تھی۔ دل کی دھڑکنیں خوف سے بہت تیزی سے دھڑکی  
تھیں۔ اسے blood thirst beast کے سامنے  
نہیں آنا تھا۔ وہ ریسپشن ڈائس کی طرف بڑھتے اس کے  
پیچھے چھپی تھی۔ اس ہڑبڑاہٹ میں وہ بہت بری طرح  
پھسلی تھی۔ اس کا پیر بری طرح مڑا تھا۔ بینڈج بندھا  
ہاتھ بھی بری طرح مڑا تھا۔ وہ اپنے سارے وزن سمیت  
اپنے ہاتھ پر جیسے گری تھی۔ اب پٹی والا ہاتھ درد سے

چور تھا۔ وہ بری طرح سسکتے ہوئے اپنی چیخیں گلے میں  
گھونٹ گئی تھیں۔

آریان خانزادہ کا خوف اس درد سے کہیں زیادہ تھا وہ کسی  
صورت نہیں چاہتی تھی کہ اس کی نظر اس پر پڑے۔  
آریان خانزادہ نے ریسپشن ڈائیس کو دیکھتے اپنے جبرے  
بری طرح بھینجے۔ وہ نازک وجود بھلا اس سے

چھپ سکتا تھا؟! اس کی زیرک نگاہوں سے او بھل ہو  
سکتا تھا؟؟

وہ اپنے سلکی بھگے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنے  
بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اس وقت  
سفید کاٹن جینز پر سفید شرٹ پر سفید ہی کوٹ پہنے  
ہوئے تھا۔

زر مش اس کے قدموں کی دھمک سنتے اپنے لبوں پر ہاتھ  
جما گئی۔

آریان خانزادہ نے اس کے مقابل آتے اسے سرد سرخ  
نگاہوں سے گھورا۔ زر مش ر سپیشن ڈالیں سے ٹیک  
لگائے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سیاہ  
شال اس کے سر سے اترتی اس کے ایک شانے پر جھول  
رہی تھی۔

کس سے چھپ رہی ہیں مس خان؟ آریان خانزادہ نے  
پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے گلابی ابھرے ہوئے  
عارض کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ جو پہلے سے کہیں  
زیادہ خوبصورت ہو گئے تھے۔ عارض پر زردی کی جگہ  
اب سرخی ہوتی تھی۔

آریان خانزادہ شعلہ بار نگاہیں اس کے جسم کے قیامت  
محملی نشیب و فراز پر تھیں۔ اسے لگا تھا رشنا خان کے



کپڑے ہی بیہودہ ہیں آج اندازہ ہوا تھا مس خان کے  
کپڑے بھی بیہودہ تھے۔ اتنا فٹنگ فراک مقابل کے بدن  
پر دیکھ کر وہ بری طرح سگاتا تھا۔ وہ قیامت لگ رہی تھی۔  
جانتا تھا وہ ہر جگہ سے قیامت ہے۔ اس پر نگاہ ٹھہرنا مشکل  
ہوتا جاتا تھا۔

کسی سے نہیں چھپ رہی تھی۔ زر مش ڈالیں میں سماتی  
سرنفی میں ہلا گئی تھی۔

تو پھر یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟؟ آج کیا یہاں بیٹھ کر بلڈ  
سیمپل لینے ہیں؟؟۔ آریان خانزادہ نے اپنے کوٹ کے  
اگلے بٹن کھولتے سر دلچے میں کاٹ دار لہجے میں استفسار  
کیا۔

جج جی!! زر مش نے خوفزدہ ہوتے سر اثبات میں ہلایا۔  
آریان خانزادہ کی گھوری پر اس نے جلدی سے اب نفی  
میں سر ہلایا۔

تم ڈیساٹیڈ کر لو کہاں بلڈ سیمپل لینے میں وہیں پر انتظام کر  
دوں گا۔ تمہارے لیے آسانی ہو جائے گی تمہیں مردانہ  
وارڈ جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آریان خانزادہ  
نے غصے سے اسے قہر بارنگا ہوں سے گھورتے لفظ چبائے

-

زر مش سراثبات میں ہلاتے اپنا بینڈج ہوا ہاتھ جکڑ گئی  
جہاں شدید درد ہو رہا تھا۔

یہ اگلے سات دن نہیں کھل سکتا تا کہ تمہیں یاد رہے کہ  
کسی بھی مرد کا تم بلڈ سمپل لینا تو دور کی بات تم کسی کے  
نزدیک بھی نہیں پھٹکو گی۔ وہ برفیلے لہجے میں بولتے  
ہوئے کھڑا ہوا۔

اٹھیے ادھر سے مس خان! آج کی ڈیوٹی بھی کرنی ہے اور  
پپ کی ڈیوٹی ہے آج سارا دن میرے سامنے بیٹھنا۔

آریان خانزادہ نے اسے شعلہ بارنگاہوں سے گھورتے اپنا  
کوٹ اتار کر اپنے بازو پر ڈالا تھا۔

زر مش زمین پر بیٹھے اسے سٹل دیکھے جارہی تھی۔  
اب آریان خانزادہ نے اسے گھورتے ہوئے آنکھوں سے  
اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ نچلا لب باہر نکال کر اسے دیکھتے  
سکی۔

زر مش کو ایسے ہی بیٹھ دیکھ کر وہ غصے سے دہک اٹھا تھا۔

اٹھو یہاں سے کیا سارا دن ادھر ہی بیٹھنے کا ارادہ ہے؟؟

آریان خان زادہ اسے ایسے ہی بیٹھے دیکھ کر سلگا۔

نہیں اٹھ سکتی!! زر مش اپنا نچلا لب نکالتے رو دی تھی۔

کیوں؟؟ وہ اس کی معصوم حرکت پر جبرے بھینچ گیا تھا۔

وہ کب سے ایسے ہی اپنا نچلا لب باہر نکالتے اسے بھیگی

آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

چوٹ لگی ہے ہاتھ اور پیر مڑ گیا ہے۔ زر مش نے آریان  
خانزادہ کی طرف دیکھتے ہچکی لی۔  
اچھی بات ہے آج یہیں بیٹھی رہو یہی تمہاری سزا ہے۔  
اب ہلنا مت یہاں سے۔ وہ اس کے ہچکی لینے پر سپاٹ  
حکمیہ لہجے میں دانت پیستے بولا تھا۔  
زر مش نے اسی لمحے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

آج یہیں ایسے ہی بیٹھی رہو گی تم!! ہلو گی نہیں ویسے بھی  
تمہیں تو کبھی میں سہارا نہ دوں۔ اب حیدر خان ہی آ کر  
اٹھائے گا تمہیں یہاں سے!! وہ پنچوں کے بل بیٹھتے  
اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سبز آنکھیں  
گاڑھتے ہوئے مسکرایا تھا  
کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہوں گی میں؟! زر مش نے بھیگے  
لہجے میں پوچھا۔



کچھ بھی کہہ دینا مگر یہاں سے ہلوگی نہیں تم !!  
وہ کاٹ دار لہجے میں بولتے ہوئے کھڑا ہوا۔ اچھی بات  
ہے یہاں پر بیٹھی رہو گی ادھر ادھر نہیں جاؤ گی۔ کبھی  
سٹور روم میں چھپتی ہو۔ کبھی سڑکوں پر بھاگتی ہو اور  
کبھی مردانہ وارڈ میں چلی جاتی ہو۔ وہ لفظ چباتے اسے  
خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

زر مش بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شال اچھی  
طرح اوڑھو۔ معصوم لگتی ہو ہو نہیں۔

آریان نے اس کے قیامت سے وجود اور اس کی  
معصومیت بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے  
میں حکم دیا۔ زر مش نے اس کے حکم ر جلدی سے اپنی  
شال اچھی طرح خود پر اوڑھتے سر پر جمائی۔ آریان اسے  
سر د سرخ نگاہوں سے دیکھتے اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا

تھا۔ زر مش درد سے کراہتے ہوئے ڈیسک سے ٹیک لگا  
گئی۔

وہ سارا دن یہاں کیسے بیٹھ سکتی تھی۔؟! یہ بہت  
embarrassing تھا اس کے لیے۔ وہ blood  
thirst beast کے حکم پر بھی یہاں سارا دن بیٹھ  
نہیں سکتی تھی۔ اس نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی

مگر درد سے کراہتے وہ اپنی سسکیوں پر قابو پاتے دوبارہ  
بیٹھ گئی تھی۔

---

مس زرمش یہاں کیا کر رہی ہیں؟؟ جاؤں لغیاری کے  
لفظ سنتے آریان خانزادہ کے آفس کی طرف بڑھتے بھاری  
قدم رکے تھے۔

چوٹ لگی ہے۔۔ زر مش نے روہان سے لہجے میں ڈاکٹر  
جاؤل لغیاری سے کہتے اسے معصومیت سے دیکھا۔ اسے  
لگا تھا آریان خانزادہ چلا گیا ہے۔ اس blood  
thirsty beast کے قدم عام انسان کے دس  
قدموں کے برابر ہوتا تھا۔ اسے یقین تھا آریان خانزادہ  
چلا گیا ہے۔

جاذل کے سوال پر آریان کے خون میں بھانپھڑ جل رہے  
تھے۔ زر مش کے جواب پر وہ سلگ کر راکھ ہوا تھا۔  
صاف پتہ چل رہا تھا وہ جاذل اغیار سے مدد مانگ رہی  
ہے۔

آریان خانزادہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے زر مش کی طرف  
تیزی سے بڑھا۔

چلیں انھیں میں آپ کی مدد کرتا ہوں جاذل اغیار لغاری  
نے زر مش کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

زر مش نے ہچکی لیتے ہوئے جاذل کے بڑھے ہوئے ہاتھ  
کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے اس کے ہاتھ کو پکڑنے کی  
کوشش کی یکدم وہ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ گئی تھی  
آریان خانزادہ کو دیکھ کر زر مش کی رنگت اسی لمحے زرد  
ہوئی تھی آریان خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں زر مش

کے لیے شعلے دہکے تھے۔ یہ نازک وجود اس کے سامنے  
ڈرنے کی ایکٹنگ زیادہ کرتا تھا اس کے پیچھے وہ جاذب سے  
مدد لے رہی تھی۔ وہ بنا کسی ہچکچاہٹ سے جاذب اغیار کا  
ہاتھ تھام رہی تھی۔ آریان خانزادہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا  
اسے ہو کیا رہا ہے۔ اس کا ہاتھ بڑھانا اس کا خون کھولا گیا  
تھا۔ کل تو اسے کسی نے چھوا تھا آج وہ خود جاذب اغیار کو



اپنی مرضی سے چھوڑ ہی تھی۔ کیا وہ جاذل اغیار پر  
بھروسہ کرتی تھی؟؟

کیا ہوا مس زر مش؟؟ دیں اپنا ہاتھ میں آپ کو ایمر جنسی  
روم میں لے چلتا ہوں وہاں آپ کی ڈریسنگ بھی کر دوں  
گا۔ جاذل اغیار زر مش کی طرف بڑھا ہی تھا۔ آریان  
لمحوں کے ہزار ویں حصوں سے پہلے زر مش کی طرف

بڑھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے بسے بے دردی سے کھڑا  
کر گیا۔ زر مش درد سے چیختے ہوئے آریان کی شرٹ کو  
جکڑ گئی تھی۔ وہ زر مش کو ایک ہاتھ سگ بے دردی سے  
کمر سے جکڑے اپنا دوسرا مضبوط ہاتھ جاذب اغیار لغاری  
کے چوڑے سینے پر جماتے اسے دوردھکیلتے ہوئے اس پر  
اپنی سرخ تنبیچی نگاہیں گاڑھ کیا۔

چوٹ لگی ہے مس زر مش کو!! یہ کیا کر رہے ہو۔ جاذل  
لغیاری آریان خانزادہ کے ساتھ چپکی زر مش کو سلگتی  
نگاہوں سے دیکھتے آریان خانزادہ کو گھورا تھا۔ زر مش  
بری طرح کانپتے ہوئے ایک ہاتھ سے آریان خانزادہ کی  
شرٹ کو مٹھی میں جکڑے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے  
سسکاریاں بھر رہی تھی۔ اس کے پیر میں بہت بری  
طرح درد اٹھ رہا تھا۔ وہ بمشکل ہی کھڑی تھی۔

جو بھی کر رہا ہوں مجھے پتہ ہے۔ میں بھی ڈاکٹر ہوں۔  
مس خان کو کیسے ٹھیک کرنا ہے مجھے پتہ ہے! دور رہ مس  
خان سے!! ورنہ بہت برا حال کروں گا۔ آریاں غراتے  
ہوئے زر مش کی کلائی پکڑے اپنے آفس کی طرف بڑھا  
۔ زر مش اپنی چیخیں روکتے ہوئے اس کے ساتھ گھسٹتے  
ہوئے گئی تھی۔

آریان پپ پلینز میں نہیں چل سکوں گی۔ وہ روتے ہوئے  
فریاد کر گئی۔

آریان نے مڑتے ہوئے اسے سرخ کھا جانے والی  
نگاہوں سے گھورا۔ مجھ سے نہیں چلا جائے گا۔ زر مش  
بھگے لہجے میں بولتی ڈرتے ہوئے نگاہیں جھکا گئی۔  
جاذب لئغیاری وہیں پر کھڑا اپنی پینٹ کے جیبوں میں ہاتھ  
ڈالتے ہوئے آریان خانزادہ کو گھور رہا تھا۔

آریان نے جاذل کو ایک نظر دیکھا تھا دوسرے لمحے وہ  
بہت حق سے زر مش کو اپنی گود میں اٹھا گیا تھا۔ جاذل  
اغیار یہاں نہ ہوتا وہ اسے یہیں چھوڑ کر چلا جاتا مگر وہ کسی  
بھی حال میں اسے یہاں چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا۔  
زر مش کی ہیزل گرے آنکھوں میں سر اسیمگی پھیلی تھی  
۔ و bloody thirst beast کی گود میں بری  
طرح کا پنا شروع ہو چکی تھی۔ اس وقت حال میں کوئی

نہیں تھا سوائے جاذل اغیار لغاری کے۔۔ وہ اسے اس کی  
بیہوشی میں کافی بار اٹھا چکا تھا۔ مگر ہوش میں اس طرح  
پہلی بار اسے اٹھایا تھا۔ زر مش بہت بری طرح لرز رہی  
تھی۔۔

آریان خانزادہ جاذل اغیار لغاری کو گھورتے زر مش کو  
گود میں اٹھائے تیز تیز قدموں سے اپنے آفس کی طرف  
بڑھ گیا۔

آریان کی چوڑی پشت کو دیکھتے جاذل اغیار لغاری کے  
لب گہرا مسکرائے تھے۔۔۔

ار ترضی خان ہاسپٹل کے ریسپشنس سے اذان ملک کے  
کمرے کے متعلق معلومات حاصل کرتے اپنے بھاری  
قدموں سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ اذان  
ملک کے کمرے کا دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوا تو



اذان ملک ار ترضی خان کو دیکھتے حیران ہوتے اٹھ کر بیٹھا  
تھا۔ ار ترضی خان اس کے کمرے میں آئے گا یہ حیران کن  
تھا۔ وہ اس کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اذان ملک اپنے سینے  
پر لگے سٹیچرز پر ہاتھ رکھتے ہلکا سا کراہا۔ ابھی سٹیچرز میں  
اٹھنے بیٹھنے سے بہت بری طرح کھچاؤ پڑتا تھا۔

ار ترضی خان اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے  
چہرے پر پشیمانی دیکھتے اذان ملک حیران نہیں تھا وہ جانتا

تھار ترضی خان ایسا ہی ہے۔ وہ دشمن تھا مگر اس سے ملل  
واقفیت رکھتا تھا۔

یہاں کیا رہے ہو؟؟ اذان ملک نے ار ترضی کے سر پر  
بندھی پٹی کو بغور دیکھتے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔  
میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ میرا یقین کرو میں نے  
جان بوجھ کر نہیں کیا۔ نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ دشمنی

اپنی جگہ مگر تمہیں جان سے مارنا میں مر کر بھی سوچ  
نہیں سکتا۔ ار ترضی خان نے نظریں جھکائے کہا۔  
جو ہو گیا سو ہو گیا ار ترضی !! میں جانتا ہوں تم ایسا نہیں کر  
سکتے۔ وہ ایک incident تھا تمہاری کوئی غلطی نہیں  
تھی۔ اذان ملک ابھی بھی بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔  
ار ترضی خان نے اذان ملک کا بے تاثر چہرہ دیکھتے اپنا نچلا  
لب بے دردی سے کاٹا تھا۔ آج وہ اس کی وجہ سے اس

طرح ادھر ہسپتال میں تھا موت کے منہ سے واپس آیا  
تھا۔ وہ شرمندگی کی انتہا پر تھا۔

میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں اذان!! غلطی جان بوجھ کر  
ہو یا انجانے میں مگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ ار ترضی خان  
نے اپنی جیب سے پسٹل نکال کر اذان ملک کی طرف  
بڑھائی۔ اذان ملک نے ار ترضی خان کو بغور دیکھتے اس کے  
ہاتھ سے پسٹل لیتے اس پر تانی۔ ار ترضی خان یہ دیکھتے

آنکھیں موند گیا تھا۔ اذان ملک ار ترضی خان کو دیکھتے گہرا  
مسکرایا تھا۔ اذان ملک نے پستل کا میگزین نکال کر ٹریگر  
دبایا۔ کلک کی آواز کے ساتھ ار ترضی خان پر ہلکا سا لرزا  
طاری ہوا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ پر چٹان کی طرح کھڑا تھا۔  
اذان ملک کا اب قہقہہ گونجا تھا۔ ار ترضی خان نے آنکھیں  
کھولتے اذان ملک کو حیرانگی سے ہنستے ہوئے دیکھا۔

مکھاری سزا یہی ہے تم اپنے سب سے بڑے دشمن کے  
آگے سر جھکائے کھڑے ہو۔ ورنہ کبھی کوئی سوچ سکتا  
ہے ار ترضی خان اذان لک کے آگے سر جھکائے کھڑا ہو۔  
اذان ملک کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔  
اپنی سزا بھگت لوں پھر تمہارے سامنے ار ترضی خان نہیں  
ار ترضی عالیان خان کھڑا ہو گا۔ ار ترضی خان کی سنجیدگی پر  
اذان ملک کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی

تو تمہیں سزاہر حال میں بھلتی ہے؟!۔ اذان ملک نے

سنجیدگی سے سوالیہ لہجے میں استفسار کیا۔

ہاں!!! ار ترضی خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

ٹھیک ہے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لو۔ میں تمہیں معاف

کر دوں گا۔ اذان ملک نے اپنا موبائل پکڑتے کیمرہ آن

کیا۔

یہ دیکھتے ار ترضی خان کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔

شروع ہو جاؤار ترضی خان! اگر تم معافی نہیں مانگو گے تو  
میں معاف نہیں کروں گا۔ نہ تمہیں کوئی سزا ملے گی۔  
اذان ملک نے طنزیہ مسکراہٹ ار ترضی پر اچھالی۔  
ار ترضی خان نے گہرا سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ  
اذان ملک کو دیکھا تھا۔ اذان ملک کے چہرے پر استہزائیہ  
مسکراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ وہ جانتا تھا ار ترضی خان یہ  
سب کبھی نہیں کرے گا۔ مگر اگلے پل وہ حیران ہوا تھا۔



ار ترضی خان اپنے دونوں ہاتھ جوڑ گیا تھا۔ اذان ملک کو  
دیکھتے اب دروازے کی طرف بڑھا۔

ار ترضی !!! اذان ملک نے اپنے موبائل میں بنی ویڈیو  
ڈلیٹ کرتے ار ترضی کو پکارا۔

ار ترضی خان کے قدم رکے تھے۔ مگر وہ پلٹا نہیں تھا۔  
تسہیں معافی اسی صورت میں ملے گی جب تم مجھ سے  
دشمنی ختم کر کے مجھے اپنا دوست بناؤ گے۔ اذان ملک کی

بات پر ار ترضى خان نے پلٹتے ہوئے اسے ديكھا  
اذان ملك ار ترضى خان كو ديكھتے مسكرايا تھا۔ جواب ار ترضى  
خان بھى گھرا مسكرايا تھا۔ دونوں ايك دوسرے كو ديكھتے  
اب مسكرا رہے تھے۔ ار ترضى خان كى گھرى نگاہ اب  
كمرے كے صوفے پر سوئى عائش كے سنھرى بالوں پر  
تھیں۔ وہ كمبل ليٹے اس كى طرف بيك كے سو رہى تھى۔  
اس كے سنھرى سلكى بال اس كى كمر پر بكھرے تھے۔

ار نقی خان کا دلان سنہری کرنوں والے بالوں کو چھونے  
کو بے تاب ہوا تھا۔ اس نے سوتے ہوئے کروٹ لی۔  
ار نقی خان کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آیا تھا۔ اتنی  
خوبصورتی اس نے آج تک دیکھی نہ تھی۔ عایش ملک کی  
خوبصورتی اس کا ہر انداز ار نقی خان کے دل پر گہرا وار کر  
کیا تھا۔ وہ اپنی منتشر ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے جلدی

سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اپنے گال پر ہاتھ رکھتے  
ار ترضی خان کے لب مبہم سا مسکرائے تھے۔  
!! میں تمہاری جان لے لوں گی!! عائش ملک کے لفظ  
یاد کرتے ار ترضی خان نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا جہاں اس  
نے پسٹل رکھی تھی۔  
جان تو تو تم میری لے چکی ہو۔ وہ اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں  
پر ہاتھ رکھتے گہرا مسکرایا۔

یہ عشق کی بارش ہوئی  
مجھ کو تیری خواہش ہوئی  
وہ گنگناتے ہوئے اپنے بھاری قدموں سے ہاسپٹل سے  
نکل آیا تھا۔۔۔

---

شاہویر میں کچھ نہیں جانتی!!! اس زاویار خانزادہ کو مجھے  
اس کی اوقات یاد دلانی ہے۔ وہ فون پر شاہویر سے بات  
کرتے ہوئے چیخی تھی۔

عائش!!! میں آکر دیکھ لوں گا اس زاویار خانزادہ کو! تم کچھ  
بھی ایسا نہیں کرو گی۔ شاہویر کالج سخت ہوا تھا۔  
شاوی!!! کب آئیں گے آپ؟؟ آپ کے آنے کا دور دور  
تک پتہ نہیں۔ عائش جھنجھلائی تھی۔

عائش تم جانتی ہو مجھے یہاں ٹریننگ پر آنا پڑا۔ موبائل  
فون کی بھی یہاں آجازت نہیں۔ تمہاری اتنی کالز پر مجھے  
لینڈ لائن پر فون کرنے کی آجازت ملی ہے۔ میرے  
افسران نے میری اچھی خاصی کلاس لی ہے۔ اب مجھے  
افسوس ہو رہا ہے تمہیں نمبر دینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ  
فون پر بری طرح جھنجھلایا تھا۔ وہ یہاں ایک مشن پر آیا تھا  
جو سیکریٹ رکھا گیا تھا۔ عائش ملک یا مصطفیٰ ملک کو بھی

اس نے کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ سرحد پر دشمنوں سے لڑ رہا  
ہے۔ جنھوں نے ان کی چوکیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ روز  
گولیوں اور بارود کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ عائش کی باتوں پر  
وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔

میں کچھ نہیں جانتی شاوی!! اذان خون میں لت پت  
تڑپ رہا تھا۔ اس زاویہ خانزادہ کے بھائی نے اذان ملک پر  
گولی چلائی اگر اس کا نشانہ نہ چوکتا وہ جان سے چلا جاتا۔



آپ کیوں نہیں سمجھ رہے میری بات؟؟ کیسے چھوڑ دوں  
زاویار اور اس کے بھائی کو؟؟ وہ ہندیانی ہوئی تھی۔  
کیا چاہتی ہو؟؟ شاہویر نے گہرا سانس لیتے پوچھا۔  
شاوی کچھ بھی کرو مجھے زاویار خانزادہ کا بھائی سلاخوں کے  
پیچھے چاہیے۔ وہ اٹل لہجے میں بولتے شاہویر ملک کو  
پریشان کر گئی تھی۔

میری بات سنو عایش!! زاویار اور اس کے بھائی کے  
ساتھ کیا کرنا ہے میں خود آ کر دیکھوں گا تم کسی قیمت پر  
زاویار کے سامنے نہیں جاؤ گی۔

لیکن شاوی؟؟؟

کیا کہہ رہا ہوں میں کہ تم زاویار خانزادہ کے سامنے اب  
نہیں جاؤ گی تو مطلب نہیں جاؤ گی۔ وہ فون پر غصے سے  
حلق کے بل دھاڑا اٹھا۔

عائش اس کی دھاڑ سنتی یکدم لرزرتے ہوئے بے یقین  
ہوئی تھی۔ وہ پہلی مرتبہ اس پر ایسے چلایا تھا۔  
شاوی۔۔ عائش کی بھیگی بے یقین آواز سنتا وہ گہرے  
سانس لیتے جھنجھلاتے ہوئے فون بوتھ کی گلاس وال پر  
پوری قوت سے مکہ مار گیا پتہ نہیں کیوں اس زاویہ خانزادہ  
کے نام پر ہی اس کی سانسیں اٹک رہی تھیں۔

اگر تم زاویہ خانزادہ کے سامنے بھی اب گئی تو کمھاری  
جان اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔ اتنا جان لو بلکہ تم اچھی  
طرح جانتی ہو میں میجر شاہور ملک ہوں جو اپنی آئی پر آ  
جائے تو یہ دنیا ہلا سکتا ہے۔ مجھے مجبور مت کرو عایش ملک  
میں تم پر سختی کروں۔ وہ اب غرایا تھا۔

کیسے سختی کریں گے آپ مجھ پر شاہویر؟؟ نکاح نہیں ہوا  
ابھی۔ آپ مجھ پر ایسا کوئی حق نہیں رکھتے۔ وہ بھیگی آواز

میں بولی تھی۔۔

حق ہے میرا تم پر عایش ملک!! صرف میجر شاہویر ملک کا  
حق ہے تم پر!! تمہاری سانسوں تمہارے پور پور پر  
صرف میرا حق ہے۔ اس کے لیے نکاح کا ہونا ضروری  
نہیں۔۔ وہ عایش کی بات پر پاگل ہوتا گرج اٹھا۔  
دونوں طرف سے اب گہری خاموشی چھائی تھی۔

شاہویر اپنے لھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنا  
نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے اس کی سانسوں کا  
مدھم رقص سنتے رسیور کان سے لگائے فون بوتھ کی  
دیوار سے ٹیک لگا گیا۔

آئی ایم سوری جان!! آئی ایم ریلی سوری میں تم پر چیخنا  
نہیں چاہتا تھا نہ میں تمہاری کوئی بات ٹال سکتا ہوں۔

مگر میرا تھوڑا انتظار کر لو میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں واپس آ  
کر اس زاویہ خان زادہ کے کلام کے پہاڑوں کو ہلا کر رکھ  
دوں گا۔ وعدہ ہے یہ میجر شاہویر ملک کا۔ وہ اٹل مضبوط  
آواز میں بولا۔

او کے شاوی میں انتظار کروں گی۔ وہ سپاٹ انداز میں  
بولتے فون کاٹ چکی تھی۔

شاہویر جھنجھلاتے ہوئے فون بوتھ کی دیوار پر مکہ مارتے  
ہوئے اپنی پیشانی دیوار پر ٹکا گیا تھا۔ اس کی ناراضگی اب  
اسے ادھر چین نہیں لینے دے گی وہ جانتا تھا۔

---

اذان ملک کی گاڑی کلام کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ اسے  
ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئے دو دن ہو گئے تھے۔ رضا  
خان نے داور خان کی بارات اور ولیمہ delay کر کے



کچھ دن آگے کارکھ لیا تھا۔ رضا خان کے بے حد اصرار پر  
مصطفیٰ ملک رک کے تھے۔ رضا خان اور مصطفیٰ ملک  
ایک دوسرے پر جان دارتے تھے۔ یہ دوستی برسوں سے  
تھی۔۔ وہ لوگ بزنس پارٹنر تھے۔ رضا خان مصطفیٰ ملک  
کا بہت بار مہمان بن چکا تھا۔ مگر مصطفیٰ ملک پہلی مرتبہ  
اپنی فیملی سمیت رضا خان کا مہمان بنا تھا۔ یہ واضح ہو گیا تھا

کہ ار ترضی خان کی عطی سے اذان ملک کو فایر لگا تھا۔ وہ  
ہوائی فایر کر رہا تھا گولی اذان ملک کو لگ گئی  
اذان ملک بالکل ٹھیک تھا اس لیے مصطفیٰ ملک نے اس  
بات کو طول نہیں دیا تھا۔ اذان ملک کی طبیعت آج بہت  
بہتر تھی۔ وہ کلام کی سڑکوں پر ڈرائیو کرتے کلام کے سرد  
موسم اور یہاں کے پہاڑوں اور دریاؤں کی خوبصورتی  
انجوائے کر رہا تھا۔

عائش کے فون پر اذان ملک نے لب بھینچے تھے۔۔ وہ اس سے چھوٹی تھی مگر حق وہ ایک ماں کی طرح جتاتی تھی۔ سبرینہ ملک بہت کم ان لوگوں کے ساتھ رہی تھی۔ وہ بہت بڑی بزنس وومین تھیں۔ مصطفیٰ ملک نہیں چاہتے تھے وہ بزنس وومین کے طور پر ان کے سرکل میں جانی جائیں وہ چاہتے تھے سبرینہ گھر رہ کر اذان ملک اور عائش ملک کو دیکھیں۔ مگر انہوں نے کسی بھی قیمت پر سمجھوتہ

نہیں کیا تھا۔ وہ آج بھی مصطفیٰ ملک کی بیوی تھیں۔ مگر  
سالوں سے وہ اور مصطفیٰ ملک الگ رہ رہے تھے۔ سبرینہ  
ملک اذان ملک اور عائشہ ملک کو بہت بار اپنے ساتھ بہت  
عرصہ کے لیے رکھ چکی تھیں۔ اذان ملک نے بالغ ہوتے  
ہی سبرینہ ملک کے پاس چھٹیوں میں بھی جانے سے انکار  
کر دیا تھا۔ اذان ملک کے بغیر عائشہ بھی نہیں رہ سکتی  
تھی۔ اس طرح وہ لوگ اب سبرینہ کے پاس نہیں جاتے

تھے۔ سبرینہ ملک خود آکر عایش اور اذان ملک سے مل  
کر چلی جاتی تھیں۔ عایش سبرینہ سے بے حد محبت کرتی  
تھی۔ اذان ملک سبرینہ سے اکھڑے مزاج سے ملتا تھا مگر  
عایش بے حد محبت کرتی تھی سبرینہ سے!! سبرینہ کی  
بھی جان بستی تھی عایش میں!! اذان ملک نے غصے سے  
جھنجھلاتے ہوئے فون اٹھایا۔

بولو کیوں فون کیا؟! وہ غصے سے جھنجھلایا۔

ابھی تمہارے سنیچرز میں فرق نہیں پڑا اور تم گاڑی لے  
کر نکل آئے وہ بھی اتنی خطرناک سڑکوں پر؟؟ عایش  
فون پر غصے سے بولی۔

listen۔ عائش چھوٹی ہو چھوٹی بن کر رہو مام مت بنا  
کرو سمجھی تم!!! وہ اپنی عادت کے مطابق بھڑکا تھا۔  
اذان مام نہیں بن رہی تمہاری فکر جتا رہی ہوں سمجھے  
تم!!! وہ بھی غصے سے فون پر چیخی تھی۔

اپنی فکر اپنے پاس رکھو تم۔ وہ لفظ چباتے فون آف کرنے  
لگا تھا کہ یکدم اس کی گاڑی پر فائر آکر لگا تھا۔ اذان ملک

بد حواس ہوتا چینا

فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔  
اذان!! دوسری طرف عایش بھی بد حواس ہوتے چینی  
تھی۔

اذان ملک نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔

اس کی گاڑی پر تڑتڑ گولیاں برس رہی تھیں۔ وہ بدحواس  
ہوتے گاڑی کی سیڈ بڑھائے ہوئے تھا۔ اذان ملک کا پورا  
بدن جیسے پسینے سے شرابور ہوا تھا۔ اس کے لیے گاڑی کا  
کنٹرول سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ سڑک کافی کشادہ تھی  
ورنہ اسے یقین تھا اس کی گاڑی گہری کھائی میں جا گرتی۔



لاہور میں اس کے ساتھ اس کے گارڈ ہوتے تھے مگر وہ انھیں ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ یہاں رضا خان کے گارڈز تھے رضا خان کے کہنے کے باوجود وہ اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ اس پر ادھر حملہ کیوں اور کون کرے گا وہ پریشان ہوا تھا۔

وہ اپنی گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھا گیا۔ فائر اس کی گاڑی کے اطراف میں لگ رہے تھے۔ یکدم اس کی

گاڑی کو دو گاڑیوں نے اپنے حصار میں لیا۔ اذان ملک  
مزید گھبرا یا تھا۔ ان گاڑیوں میں سے گارڈز نکلتے اس کے  
بچاؤ میں فائر کرنے لگے۔ اذان ملک حیران ہوتے انھیں  
دیکھ رہا تھا۔ ایک گاڑی سے ارتضیٰ خان کو سفید شلوار  
قمیض سیاہ مردانہ شال کندھے پر اوڑھے نکلتے دیکھا۔ وہ  
اپنی پسٹل سے ہوائی فائرنگ کر رہا تھا۔

اذان ملک کی گاڑی پر اب فائر ہونا بند چکے تھے۔ مگر  
ار ترضی خان اور اس کے گارڈز کی پہاڑوں پر فائرنگ کی  
گوںج دور تک جارہی تھی۔

!! "وک چہ وی، مخمہ دہ راشی، دبزدلانو پہ شان زہ  
کولھیہ ہ نہ لری!!

(مرد ہو تو سامنے آؤ یوں بزدلو کی طرح فائرنگ کرنے کا  
فائدہ) وہ پشتو میں طیش والہ میں گرجا۔

اذان ملک نے سیٹ سے ٹیک لگائے ار ترضی خان کو دیکھا  
جس کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔

اذان ملک ار ترضی خان کو دیکھتے مسکرایا تھا۔ سنا تھا ار ترضی  
خان دوستوں کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔  
آج اس نے دیکھ بھی لیا تھا۔ ار ترضی خان دل سے اسے  
دوست مان چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ اذان ملک کا بھی یہی  
حال تھا اب یہ یار انہ کبھی نہیں چھوٹنا تھا۔

اذان ملک گاڑی سے نکلتے ار ترضی خان کی طرف بڑھا۔  
ار ترضی خان بھی اپنے بھاری قدموں سے اذان ملک کی  
طرف بڑھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے مقابل آتے  
ایک دوسرے کو سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔  
دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ چھائی تھی۔ دوسرے  
لمحے وہ دونوں سختی سے بغلیگر ہوئے۔

دوست ہو تم میرے!! میرے علاقے میں کوئی سمجھیں  
ایک آنچ بھی نہیں پہنچا سکتا۔۔ جان لے لوں گا اس کی  
جس نے تم پر ایک نگاہ بھی ڈالی۔ ار ترضی خان اذان ملک  
سے الگ ہوتے غرایا۔

جو ابا اذان ملک کا بلند و بانگ قہقہہ گونجتا تھا۔  
جانتا جانتا ہوں ار ترضی خان کی جان سے بڑھ کر اب  
میری جان ہے۔ اس لیے مجھے اب اپنی جان کی کوئی فکر

نہیں۔ اذان ملک نے محبت بھرے لہجے میں بولتے  
ار ترضی خان کے گال پر ہاتھ رکھا۔ ار ترضی خان مسکرایا  
تھا۔

یہ کون لوگ ہیں اور مجھ پر کیوں گولیاں چلا رہے  
تھے؟؟۔ اذان ملک نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔  
یہ تم پر نہیں شاید رضا خان پر گولیاں چلا رہے تھے۔  
کیونکہ تم رضا خان کی گاڑی لے کر آئے ہو اور رضا خان

بھی گارڈز کے بغیر نہیں نکلتا۔ ورنہ تم سے کسی کی کیا  
دشمنی ہو سکتی ہے۔؟؟ ار ترضی خان نے سنجیدگی سے کہا۔  
تم لوگ کیا گارڈز کے بغیر گھروں سے نہیں نکل سکتے؟؟  
یہ تھوڑا عجیب ہے۔ اذان ملک نے حیرانگی سے دریافت  
کیا۔

نہیں ایسا نہیں ہے مگر جب کسی سے دشمنی ہوتی ہے تو پھر  
ہم قبر تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ار ترضی خان ہنستے



ہوے بولا۔

اور جب دوستی ہو جائے تو؟؟؟ اذان ملک نے آئی برو

اچکائے۔

اس کے لیے کفن اوڑھ لیتے ہیں۔ ار ترضی خان کی بات پر

اذان ملک کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا۔

ار ترضی خان کا بھی جوابدہ قہقہہ گونجا تھا۔ وہ دونوں ہنستے

ہوے ایک دوسرے سے گلے لگے تھے۔

آج میرے ساتھ چلو میں تمہیں دعوت کھلاتا ہوں اور  
پورا کلام گھومانا ہوں۔ ار ترضی خان نے مسکراتے ہوئے  
کہا۔

بلکل میں چلوں گا تمہارے ساتھ۔ اذان ملک مسکراتے  
اپنی ہوئے گاڑی کی طرف بڑھتے اس میں سے اپنا  
موبائل نکالتے عایش کا نمبر ڈائل کیا۔

اذان تم کیسے ہو؟؟ یہ فایرنگ کی آواز کیسی تھی؟! تم۔  
چیخے کیوں تھے؟!۔ میں کب سے تمہارا نمبر ڈائل کر رہی  
تھی۔ میری سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔ وہ فون پر شدت  
سے رو دی تھی۔

عائش میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری گاڑی پر حملہ ہوا تھا  
مگر میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں اپنے

دوست کے ساتھ جارہا ہوں دیر سے آؤں گا۔ اذان ملک  
نے نرمی سے کہا۔

کیا مطلب تم پر حملہ ہوا اور کیوں اذان؟؟ اور یہ کونسا  
دوست ہے؟! وہ فون پر پریشان ہوتے چینی تھی۔

نیا دوست میرا بنا ہے یہیں کا ہے اس نے ہی میری جان  
بچائی ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ حملہ مجھ پر نہیں بلکہ  
شاید رضا انکل کی گاڑی پر ہوا تھا۔ وہ لوگ مجھے رضا انکل

سمجھ رہے تھے۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیر سے  
آؤں گا اب بار بار فون مت کرنا ورنہ مجبور آؤں اپنا فون  
اف کر دوں گا۔ وہ سخی سے کہتے فون بند کر چکا تھا۔  
بہت اریٹھٹ کرتی ہے یہ !! چھوٹی ہے مجھ سے مگر پوری  
ماما بنتی ہے میری۔ میں عائش کو بتا دیتا کہ تم میرے  
دوست ہو تو میرا سانس لینا دو بھر کر دیتی۔ تمہارے لالا  
اور تمہارے بہت خلاف ہے۔ اسے سیدھا صرف میجر

شاہویر ملک ہی کر سکتا ہے۔ اذان ملک ار ترضی خان کو  
دیکھتے بولا۔

کون میجر مشاہویر ملک تمہارا بڑا بھائی ہے؟؟۔ ار ترضی  
خان نے سنجیدگی سے سوال کیا۔  
ار ترضی کے سوال پر اذان ملک کا قہقہہ گونجاتھا۔ ار ترضی نے  
الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

ہاں بڑا بھائی ہی ہے میرا بلکہ بھائی سے بھی بڑھ کر! اذان  
ملک مسکرایا تھا۔

ار ترضی خان بھی جوابا مسکرایا تھا۔

عائش!! ار ترضی خان کی دھڑکنوں پر ایک ہی نام دھڑک  
رہا تھا۔ وہ زیر لب بے آواز عائش کا نام دہراتے ہنس پڑا۔

---

عائش فون ہاتھ میں پکڑے گہرے سانس لے رہی  
تھی۔۔

اذان ملک پر حملہ ہوا۔ اس کا دل غم و غصے سے بری طرح  
دھڑک رہا تھا۔ وہ اب اس کلام میں نہیں ٹھہرنا چاہتی  
تھی۔ مگر رضا خان کے مجبور کرنے پر وہ لوگ رکے  
ہوئے تھے۔ رضا خان نے داور کی شادی بھی آگے کر دی  
تھی صرف مصطفیٰ ملک کی خاطر!! ار ترضیٰ خان سے گولی



علطی سے چلی سب اس بات پر یقین کر چکے تھے۔ مگر  
اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ اسے زاویار خان زادہ جیسے ظالم  
اکھڑ مزاج مغرور انسان سے اسی سب کی توقع تھی۔  
ار ترضی خان اپنی دشمنی کی آڑ میں اذان ملک کی جان لینا  
چاہتا تھا اسے یقین اب مکمل یقین ہو چکا تھا۔ ورنہ اذان  
ملک پر حملہ کیوں ہوتا؟؟؟

عائش نے اسی لمحے فون سے سبرینہ ملک کو کال ملائی۔

ماما مجھے ابھی اسی وقت ار ترضی خان کے نام ایف آئی کٹوانی  
ہے۔ وہ بنا سلام دعا کے فون پر چیخنی تھی۔

کام ڈاؤن میری جان کیا ہوا ہے بتاؤ مجھے؟؟ سبرینہ تحمل  
سے بولی۔

ماما یہاں کے کسی زاویہ پار خانزادہ کے بھائی ار ترضی خان نے  
اذان ملک کو مارنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے ہر حال میں  
ار ترضی خان حوالات میں چاہیے۔ عایش چیخنی تھی۔

نہیں مام پاپا اس بات کو سمجھ نہیں رہے۔ آپ کچھ بھی  
کریں یہاں کے ڈی ایس پی کمشنر کسی سے بھی کانٹیکٹ  
کرتے ار ترضی خان کے نام ایف آئی آر کٹوائیں تاکہ وہ  
لوگ ماما ڈر جائیں۔ ورنہ اذان کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔  
عائش کی بات پر سبرینہ پریشان ہوئی تھی۔  
او کے میں کچھ کرتی ہوں۔ ایف آئی آر کٹ جائے گی۔  
جب تک تم لوگ یہاں ہو میں تم لوگوں کے لیے

درجنوں گارڈز بھی بجھوادوں گی۔ مگر تم اس سب سے  
دور رہو۔ سبرینہ نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

اوکے ماما ایک شرط پر اگر آپ ابھی اسی وقت اس ارتضیٰ  
خان لہجے پر آیف آئی کٹواتی ہیں میں وعدہ کرتی ہوں میں  
اس سب سے دور ہو جاؤں گی۔ لیکن آدھے گھنٹے میں یہ  
کام ہو جانا چاہیے۔ عائش ملک ضدی انداز میں کہتے فون  
بند کر چکی تھی۔

اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ سمرینہ کے بیجے  
ہوئے گارڈز پانچ سات گھنٹوں بعد وہاں پہنچ چکے تھے۔  
عائش ملک ان گارڈز اور وہاں کے ڈی ایس پی کے ہمراہ  
زاویار خانزادہ کی حویلی داخل ہوئی تھی۔ مصطفیٰ ملک  
اذان ملک کو اس کے بارے میں کچھ نہیں پتہ تھا۔ رضا  
خان اور مصطفیٰ ملک شکار پر کئے ہوئے تھے۔ اذان ملک

ار تفضی خان کے ساتھ تھا۔ وہ اس وقت شاکنگ پنک کلر  
کی فلیروالی بے حد خوبصورت فراک میں ملبوس تھی۔  
اس کے سنہرے بال کھلے ہوئے تھے۔ اس کا قیامت سا  
بدن اس فراک میں مزید قیامت لگ رہا تھا۔  
مردانے میں اس وقت کسی جرگے کا فیصلہ ہو رہا تھا۔  
مردانہ کھچا کچھ مردوں سے بھرا پڑا تھا۔

زاویار خانزادہ کی حویلی گولیوں کی خطرناک آواز سے  
گوںج اٹھی تھی۔

وہاں کاڈی ایس پی دلفریب خان یہ سب دیکھتے بری  
پریشان تھا۔ وہ پریشر میں زاویار خانزادہ کی حویلی داخل  
ہوا تھا۔ اب وہ اپنا انجام جانتا تھا۔ نوکری بچتی تو شاید وہ  
اب جان سے چلا جاتا۔ ار ترضی خان کے خلاف ایف آئی ار  
اسے مجبور آکاٹنی پڑی تھی۔ مگر عایش ملک اپنے گارڈز کے

ہمراہ تھانے پہنچ جائے گی وہ یہ نہیں جانتا تھا۔ مجبوراً اسے  
یہاں آنا پڑا تھا۔ بلکہ وہ لایا گیا تھا۔ اس کے پاس اتنی  
پولیس فورس نہیں تھی جتنی عایش ملک کے پاس گارڈز  
تھے۔ اب دلفریب خان اپنی پیشانی پر آیا پسینہ بار بار  
صاف کر رہا تھا۔ عایش ملک کے گارڈز نے عایش ملک  
کے حکم پر حویلی کے باہر فائر کیے تھے۔  
اس وقت زاویار کی حویلی کے باہر ایک دو ہی گارڈز تھے۔



وہ لوگ انھیں زد و کوب کرتے حویلی کے اندر داخل ہو  
چکے تھے۔

عائش ملک اپنے درجنوں گارڈز کے ہمراہ مردانے میں  
داخل ہوئی۔ مردانے کے بڑے سے عالیشان لاؤنج  
میں بیٹھے ہوا زاویار خانزادہ اور عالیان خان اپنی اپنی  
کرسیوں سے طیش و الم میں کھڑے ہوئے تھے۔

عائش ملک زاویار خانزادہ کو دیکھتے استھڑائی مسکرائی  
تھی۔۔۔ زاویار خانزادہ دلفریب خان کو خونخوار نگاہوں  
سے گھور رہا تھا۔ عالیان خان بھی عائش ملک کو سرخ  
انکھوں سے دیکھتے دلفریب خان کو گھور رہا تھا جو اس  
وقت پسینے میں نہلایا ہوا تھا۔ وہ رومال سے اپنی پیشانی کا  
پسینہ صاف کر رہا تھا۔

التمش خانزادہ بھی عائش ملک کو خون اشام نگاہوں سے  
گھور رہا تھا۔ زاویار کے اشارے پر التمش خانزادہ نے  
مردانے میں موجود تمام مردوں کو باہر جانے کو کہا۔  
کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ سب یہاں رہ کر اپنے سردار  
زاویار خانزادہ کا انجام دیکھیں گے۔ جب زاویار خانزادہ  
کے بھائی ارتضیٰ خان کو ہتھکڑیاں لگا کر ہسیٹے ہوئے  
یہاں سے لے کر جایا جائے گا۔ تب آپ لوگوں کو پتہ

چلے گا یہ زمینی خدا نہیں ہے بلکہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔  
عائش ملک زاویار خانزادہ کے سامنے آ کر غرائی۔  
زاویار خانزادہ عائش ملک کو سرخ آنکھوں سے گھورتے  
اپنی مٹھیاں سختی سے دبوج کیا ورنہ مقابل پر اس کا ہاتھ  
اٹھ جاتا۔ وہاں کھڑے لوگ چہ گوئیاں کرنا شروع ہو  
چکے تھے۔ ایک لڑکی زاویار خانزادہ کی حویلی یوں

طنطناتے ہوئے داخل ہوئی تھی وہ بھی پولیس کے  
ہمراہ!! یہ حیران کن تھا۔

کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ تم لڑکی ہوش میں ہے تم؟؟  
تمہارا ہمت کیسا ہوا ہمارا حویلی میں گھسنے کا؟؟ تمہارا جان  
لے لیا جائے گا تمہاری اس حرکت پر؟؟ عالیان خان  
طیش والہ میں گر جاتا تھا۔

ابھی تم زمینی خداؤں کی جان میرے قبضے میں ہے۔  
عائش اپنے گارڈز کی طرف دیکھتے استہزائیہ ہنسی تھی۔  
اس کے گارڈز چاروں طرف زاویہ عالیان خان کو اپنے  
حصار میں لیے ہوئے تھے۔

زنان خانہ کی طرف کھلتے بڑے سے لکڑی کے دروازے  
کی آڑ سے یہ سب دیکھتے وہاں کی ملازمائیں اور گھر کی  
عورتیں کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔ پہلی مرتبہ کسی

عورت کو ایسے شیرنی کے روپ اور بے اتنا پاک دیکھا  
تھا۔ وہ لوگ تو اسے ان کپڑوں میں دیکھ کر حیران تھے۔  
پھر وہ زاویار خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی  
تھی۔۔ زنان خانے کی عورتیں عایش کا انجام سوچتے  
پریشان ہو رہی تھیں۔

زاویار خانزادہ نے التمش کو اشارہ کیا۔ زاویار خانزادہ کے  
اشارے پر التمش نے جواباً سر ہلاتے اپنا فون نکالا۔

اپنا گارڈز سے ڈرا رہا ہے۔ وہ بھی ہمارا حویلی میں داخل ہو  
کر یہ تمہارا گارڈز اور تم اپنا ٹانگوں پر آیا ہے مگر جائے گا  
یہاں سے اب گھٹنوں کے بل!! عالیان خان اپنی  
مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے عایش کو خون اتری  
آنکھوں سے دیکھتے غرایا۔

زاویار خان زادہ و لفریب خان کو خون اشام درندے کی  
مانند گھور رہا تھا۔



خان صاحب ہم مجبور تھا۔ دلفریب خان ہکلاتے ہوئے  
بمشکل بولا تھا۔

تمھاری مجبوری میں نکالوں گا۔ زاویار خانزادہ اپنی ہلکی  
گھنی بئیر ڈپر ہاتھ پھیرتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ٹانگ  
پر ٹانگ جما گیا۔

التمش خان نے فون زاویار خانزادہ کی طرف بڑھایا۔

کیا دلفریب خان ڈی ایس پی نہیں رہا اور ایف آئی آر کا  
کوئی ریکارڈ نہیں اب تھانے میں!! زاویار خانزادہ فون  
کان سے لگائے مسکراتے ہوئے بولا۔

دلفریب خان یہ سنتے بوکھلایا تھا۔ عائش ملک نے نا سمجھی  
سے زاویار خانزادہ کو دیکھا۔

بات کرنا نہیں چاہو گے تم دلفریب خان سے جو زاویار  
خانزادہ کے ٹکڑوں پر پلتے جوان ہوتے زاویار خانزادہ کو

ہی کاٹ گیا۔ زاویار خانزادہ نے غراتے ہوئے فون

دلفریب خان کی طرف بڑھایا۔

اس سے پہلے دلفریب خان وہ فون پکڑتا لٹمش خان زاویار

خانزادہ سے فون پکڑ چکا تھا۔

خان!! خوا مخواہ آپ کے ہاتھ گندے ہو جائیں گے۔ اگر

اس کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کو چھو گیا۔ میں پکڑتا ہوں یہ

فون اسے۔ لٹمش نے کھا جانے والی نگاہوں سے

دلفریب کو گھورتے اسے فون پکڑا یا۔ عایش ملک گہرے  
سانس لیتے زاویار کو گھور رہی تھی جو اپنی خون اتری  
آنکھیں دلفریب پر ہی گاڑھے ہوئے تھا۔  
جی سر وہ غلطی ہو گئی سر!! دلفریب لب بھینچے فون پر بولا  
۔ میں معذرت کر لوں گا خان صاحب سے۔۔ پیروں  
میں گر جاؤں گا۔ دلفریب خان کو بھیگی بلے بنتے دیکھتے ب  
عایش ملک بے یقین ہوتے سیخ پا ہوئی۔

زاویار ہنستے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا گیا۔ وہاں  
کھڑے بہت سے لوگ زاویار خان زادہ سے مزید مرعوب  
ہوئے تھے۔

You bloody how can you say  
all this. you are a policeman  
وہ چیختے ہوئے دلفریب خان کی طرف بڑھی۔

شش!!! آواز نہیں ورنہ وہ حال کروں گا تم سوچ نہیں  
سکو گی۔ زاویار خان زادہ صوفے سے ایک ہی جست میں  
کھڑے ہوتے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے عائش ملک کی  
آنکھوں میں خون اتری آنکھیں گاڑھ گیا۔ زاویار کی  
سرخ آنکھوں میں دیکھتے عائش ملک کے پورے وجود  
میں سنسنی دوڑی تھی۔ عائش ملک نے گہرا تے ہوئے  
اپنے گارڈز کی طرف نگاہیں دوڑائیں اس کی نیلی بے حد

خوبصورت آنکھوں میں خوف کی رمل مزید گہری ہوئی  
تھی۔ رنگت تانے کی مانند سرخ ہوئی تھی۔ اس کے  
گارڈز کو زاویار خانزادہ کے درجنوں سے بھی زاید گارڈز  
حراست میں لے چکے تھے۔ وہ سب اس کے گارڈز کی  
کنپٹی پر پستل رکھ کر کھڑے تھے۔ وہ کہاں سے آئے کب  
آئے اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔ عایش کو احساس ہوا تھا  
وہ زاویار خانزادہ کو ہلاک لے چکی ہے۔ اپنے گارڈز کو ایسے

دیکھ کر پہلی مرتبہ وہ گھبرائی تھی۔ عایش نے ہاتھ میں  
پکڑے فون سے مصطفیٰ ملک کو کال ملانے کی کوشش  
کی۔ التمش عایش سے فون چھینتے دیوار پر مار گیا۔ عایش  
کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی تھی۔

زاویار خان زادہ کے اشارے پر التمش نے اسی لمحے مردانہ  
خالی کروادیا تھا۔ اب صرف وہاں عالیان خان ولفریب  
خان التمش خان زاویار خان زادہ اور عایش کے گارڈز تھے۔



زاویار خانزادہ کے اشارے پر زاویار خانزادہ کے گارڈز  
عایش ملک کے گارڈز کو اپنی پستل کے حصار میں باہر لے  
کے تھے۔

باہر سے دو تین فائر کے آواز آئے تھے۔ عایش ملک اور  
دلفریب خان بری طرح لرز اٹھے تھے۔ عایش ملک  
گھبراتے ہوئے آنکھیں میچ گئی۔

جسے دیکھتے زاویار خانزادہ کا بلند و بانگ قہقہہ گونجاتھا۔  
التمش بھی گہرا مسکرایا تھا۔ عالیان خان اپنی مونچھوں کو  
تاؤ دیتے دلفریب خان کو گھور رہے تھے۔  
تمہارے ایک دو گارڈز کو صرف ابھی زخمی کیا ہے مگر  
اب سوچ رہا ہوں سب کو موت کے گارڈ اتار دوں۔  
کیوں التمش؟؟ زاویار خانزادہ نے اپنی گھنی بے پردہ ہاتھ  
پھیرتے آئی برواچکائے تھے۔

یہ موقع مجھے دیا جائے خان ذرا نوازی ہوگی آپ کی !!

التمش عایش ملک کو گھورتے ہوئے غرایا۔

زاویار خان زادہ نے بلند و بانگ قہقہہ لگایا۔

زاویار خان کے قہقہے پر عایش ملک کے قدم نا محسوس انداز

میں پیچھے کی جانب بڑھے۔

جانے دو اس لڑکی کو زاویار !! اس بے شرم لڑکی کا لیے

آج کا سبق بہت ہے۔ ہم خان لڑکی لوگ سے نہیں

الچھتا۔ مگر مصطفیٰ ملک کا معافی ہم کو اب ہر حال میں  
چاہیے۔ یہ آج ہی ممکن ہونا چاہیے۔ عالیان خان غصے  
سے بولتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

التمش!! زاویار خانزادہ عایش کو گھورتے ہوئے گر جا۔  
جی خان! التمش آگے آیا تھا۔ گم کر واس دلفریب خان کا  
شکل۔ آئندہ یہ مجھے اس کلام میں نظر نہ آئے۔ زاویار  
خانزادہ کی نگاہیں ابھی تک عایش پر تھیں جو گہرے سانس

لیتے اسے ہی دہکتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے  
نشیب و فراز میں طوفان آیا ہوا تھا۔ وہ اپنے خوف پر قابو  
پاتے ابھی بھی زاویار خانزادہ کو دیکھتے اپنے چکراتے وجود  
پر قابو پائے ہوئے تھی۔

زاویار خانزادہ اپنی گھنی بےیر ڈپر ہاتھ پھیرتے عایش ملک  
کو دیکھتے اپنے سیاہ بوٹ والے پاؤں کو ہلارہا تھا۔ اس کے  
بوٹ کی دھمک مردان خانے میں گونج رہی تھی۔

التمش دلفریب خان کو گریبان سے جکڑے بے دردی  
سے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے گیا۔

اب مردانے میں صرف زاویار خانزادہ اور عایش ملک  
تھے۔

عایش ملک زاویار خانزادہ کی خون اتری آنکھوں کو دیکھتی  
مسلسل پیچھے کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔ زاویار خانزادہ

اپنی سیاہ شال کندھوں پر جھٹکتے ہوئے عایش کی طرف  
بڑھا۔

تم مجھے جانتے نہیں زاویار خانزادہ میں کون ہوں؟!۔  
ملکوں کی بیٹی ہوں آگ لگا دوں گی تمہیں!! اگر تم  
میرے قریب بھی آئے۔ وہ انگشت شہادت اٹھائے  
غرائی۔ زاویار خانزادہ کے سیاہ بوٹوں کی دھک اس کی

طرف مسلسل بڑھ رہی تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں اس  
کے وجود کا آحاطہ کیے ہوئے تھیں۔

میں نہیں جانتا تم کون ہو؟؟ نہ کبھی جانتا چاہوں گا مگر آج  
تم یہاں سے جان کر جاؤ گی زاویہ خان زادہ آخر ہے کون؟؟  
وہ غراتے ہوئے اس کی کلائی جکڑے مردانے میں بنے  
اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیات



چھوڑ مجھے! عایش ملک کی چپخیں مردانے میں گو بجتی  
زنان خانے میں گونجی تھیں۔

اللہ زرقہ خانم نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ملازموں کو  
گھورا جو جلدی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

یہ لڑکی ہے کہ آفت کا پر کالہ!! بہت ہی کوئی بے شرم  
لڑکی تھا۔ ہمارے سامنے آ جاتا ہم اس کا گال تھپڑوں سے

لال کر دیتا!!! اس کو بالوں سے بھیج کر گھسیٹتا۔ زرقہ خانم  
غصے سے گرجی۔

لیکن بھابھی زاویار اس طرح کسی لڑکی کو اپنا کمرے میں  
کیسے لے کر جاسکتا ہے؟؟ تاہنا خانم کو اپنے بیٹے زاویار کی  
حرکت بالکل پسند نہیں آئی تھی

بالکل ٹھیک کر رہا ہمارا زاویار وہ لڑکی حقدار ہے۔ ہمارا  
حویلی میں پولیس لے کر آیا۔ ہمارے ارتضی خان کو

گرفتار کروائے گا۔ زرقہ خانم غصے سے غرائی تھیں۔  
مورے تائی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ جو زاویار لالا کے  
لیے جایز وہ ہمارا لیے ناجایز ہو جاتا ہے۔ اس طرح میں  
کسی لڑکے کے سامنے چلی جاؤں تو لالا میرے سینے میں  
گولیاں تو چلائیں گے ہی اس لڑکے کے سینے کو بھی چھلنی  
کر دیں گے۔ زمر خان لاونج کے صوفے پر سنگترہ چھلتے  
ہوئے استھڑا سیہ مسکرائی تھی۔ چھلکے زنان خانے کے

کے ٹوکنے پر زمر خان کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔  
وہ غصے سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔  
کیا ضرورت تھی اسے ٹوکنے کا؟؟ تم اچھی طرح جانتا ہے  
اس کا مزاج کتنا نازک ہے؟؟۔ زرقہ خانم نے تابانہ خانم  
کو غصے سے دیکھا۔

ہمارا سب بچوں کا عادت تم نے بگاڑ کر رکھا ہے بھابھی۔  
سب کا مزاج شاہانہ ہے سوائے ہمارا ارتضیٰ کے۔ تابانہ

خانم نے سر جھٹکتے کہا۔

یہ بچہ تمہارا نہیں ہمارا ہے یاد رکھنا اور زمر تو خاص طور پر  
ہمارا بیٹی ہے۔ ہمارا زرق کا دلہن بنے گا۔ وہ اٹھالے گا اس  
کا سارا نخرہ۔ جتنا خوبصورت ہے نخرہ جتنا ہے ہمارا زمر  
پر! زرقہ خانم کی بات پر تابانہ خانم نے مسکراتے سر ہلایا  
تھا۔

---

زاویار خانزادہ عائش ملک کو لیے کمرے میں داخل ہوتے  
اپنے واش روم کی طرف بڑھا۔ عائش ملک کی سانسیں  
رکی تھیں اسے واش روم میں داخل ہوتے دیکھتے !!  
وہ واش روم میں داخل ہوتے عائش ملک کو دیوار میں بے  
دردی سے ٹک گیا۔ عائش ملک نے چیختے ہوئے اپنی کمر میں  
اٹھتے درد پر قابو پایا۔ درد کی لہر پوری کمر میں سرایت کر  
گئی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے زاویار خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو  
اسے واش روم میں کیوں لایا؟؟ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔  
جو وہ سمجھ رہی تھی وہ اسے بے حد خوفزدہ کر چکا تھا۔  
تت۔۔ میرے۔۔ قریب۔۔ مت۔۔ آنا۔۔ وہ  
زاویار خانزادہ کو خود کی طرف بڑھتے دیکھتے ہذیانی چیخی  
۔۔ زاویار خانزادہ نے عائشہ ملک کو گہری سر دنگا ہوں

سے دیکھتے اپنی شال بھیج کر اپنے گلے سے اتاری۔ عایش  
ملک کی نیلی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔

میرے قریب مت آنا زو یا رخا زادہ!! جان لے لوں  
گی تمھاری۔ وہ حلق کے بل خوفزدہ ہوتی چیخی۔

وہ اس کی طرف بڑھتے استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس  
کی دونوں کلائیوں کو شاور کے ہینڈل کے پیچھے لے جاتے  
بے دردی سے اپنی شال سے سختی سے باندھ کیا۔



کک کیا کر رہے ہو یہ؟؟ عایش ملک کے لفظ حلق میں  
گھٹے تھے۔ وہ اس کے ہاتھ باندھ چکا تھا وہ کچھ نہ کر سکی  
تھی۔

وہ اب اس کے بے حد قریب کھڑے اپنے دونوں ہاتھ  
اس کے گرد جماتے اسے محصور کر گیا تھا۔ زاویار خان زادہ  
کی سرخ آنکھیں عاٹش کی گہری نیلی بے حد خوبصورت  
مگر خوفزدہ آنکھوں میں گڑھی تھیں۔

عورت ہو تم اور عورت کے لیے کیا سزا اس کی موت بن  
جاتی ہے۔ وہ آج تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ وہ اس کی  
خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے استہزائیہ ہنسا۔ مقابل جتنے

طنطنے سے آئی تھی اب اس کے سامنے جیسے بھیگی بلی بنی  
تھی۔ وہ ابھی بھی اپنے خوف پر قابو پائے ہوئے تھی مگر  
اس کی نیلی آنکھوں میں اس کی نزدیکی پر خوف گہرا ہو رہا  
تھا۔

کیا سزا موت بن جاتی ہے؟؟ عایش نے کپکپاتے لبوں  
سے استفسار کرتے اس کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔

تمہیں اپنی جان سے پیار ہے یا عزت سے؟؟ زاویار

خانزادہ نے شاور کھولتے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

مجھے اپنی عزت سے پیار ہے مگر تمہیں اپنی جان سے پیار

نہیں تم نے مجھے چھوا بھی تو تمہارا حال موت سے بدتر ہو

گازاویار خانزادہ!! ہم ملکوں کو اتنا ملے میں نہ لو۔ اگر ملکوں

کی بیٹی دن دھاڑے تمہاری حویلی گھس سکتی ہے سوچو

جب ملکوں کے مرد تمہاری حویلی میں گھسیں گے تو کیا ہو

گا۔ وہ زاویار خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے تنبیہ لہجے میں  
غرائی۔۔ شاور سے گرتا ٹھنڈا پانی اس پر کپکپی طاری کر  
چکا تھا۔ وہ ہل بھی نہیں بارہی تھی۔ پانی کی تیز بو چھاڑ  
اس کی سانسیں تیز کر چکی تھی۔ بدن گیلا ہوتے فرائ  
جسم سے چپک چکا تھا۔ زاویار خانزادہ کے سامنے اپنا یہ  
حلیہ اس کا چہرہ ضبط سے سرخ کیے ہوئے تھا۔ وہ زاویار  
خانزادہ کو دیکھتے غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

ملکوں کی بیٹی کا جو حال ہوا ملکوں کے مردوں کا اس سے  
بھی برا حال ہو گا۔ وہ اس کے اطراف میں مکہ مارتے  
ہوئے حلق کے بل دھاڑا تھا کہ پورا واش روم اس کی  
دھاڑ سے لرزا اٹھا تھا۔ عایش اس کی دھاڑ پر شدت سے  
لرزا اٹھی۔ وہ سچ میں مقابل کو اپنے سامنے خوف سے  
کپکپانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اس کی دھاڑ میں خون اشام

درندے کی غراہٹ نمایاں تھی۔ عایش ملک بری طرح  
لرز رہی تھی۔

آج تمہیں پتہ چلے گا تم نے کس کو للکارا ہے؟! جب میں  
تمہاری عزت تارتا کروں گا۔ جب تم پھٹے ہوئے  
کپڑوں میں اس حویلی سے نکل کر جاؤ گی۔ وہ اس کا جبرہ  
دبوچتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

تت۔۔ تم۔۔ ایسا۔۔ نہیں۔۔ کر۔۔ سکتے۔۔ مم۔۔  
میں۔۔ ایسے۔۔ نہیں ہونے۔۔ دوں۔۔ گی۔ عایش  
ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔ وہ اس کا جبرہ بے  
دردی سے دبوچے ہوئے تھا۔ اس کی سخت انگلیاں اس  
کے نازک گالوں میں گڑھی جا رہی تھیں۔  
وہ زاویار خانزادہ کی نزدیکی پر اب بری طرح خوفزدہ ہوئی  
تھی۔ وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ وہ اس کا مقابلہ



نہ کر پاتی۔ ہاتھ تو وہ اس کے پہلے ہی باندھ چکا تھا۔  
عائش ملک کی آنکھوں میں پھیلی سراسیمگی اور اس کے  
ٹوٹے لفظ سننے زاویار خان زادہ کا قہقہہ گونجا۔  
عائش ملک اس کے قہقہے پر مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔  
قسم کھاتا ہوں تمہاری جگہ کوئی مرد ہوتا اس کے بدن  
کے چیتھڑے اڑا دیتا۔ تمہیں آج اپنے عورت ہونے پر

شکر منانا چاہیے۔ وہ اس کا جبرہ ایک جھٹکے سے چھوڑتے  
ہوئے دھاڑا۔

عائش ملک نے بمشکل گہرے سانس لیتے اپنے جسم پر نگاہ  
ڈالی جس کی کارستانیاں عروج پر تھیں۔ زاویار خانزادہ اس  
کے چہرے پر نگاہ کیے ہوئے تھا۔ زاویار خانزادہ نے ایک  
بار بھی اس کے جسم پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ مگر عائش کا دل  
کیا تھا وہ زمین میں گڑھ جائے۔

تمہیں چھوؤں گا نہیں کیونکہ عورت کی عزت میرے  
لیے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ مگر تم جس طرح میری  
حویلی میں گھسی ہو مجھے یقیناً تمہیں اور نہ تمہارے گھر  
کے مردوں کو تمہاری کوئی پرواہ ہے۔ وہ استھڑائیہ  
مسکرایا تھا۔

اگر تم میرے گھر کی عورت ہوتی میں تو تمہیں زندہ  
زمین میں گاڑ دیتا۔۔۔

میں مر کر بھی تمہارے گھر کی عورت نہ بنوں۔ وہ اس کی  
بات کاٹتے ہوئے بلبلاتے ہوئے گہرے سانس لیتے  
چینچی۔

میں تمہیں اپنے گھر کی عورت بنانے سے پہلے ہی تمہاری  
سانسیں کھینچ لوں وہ اس سے بھی زیادہ اونچی آواز میں  
دھاڑا تھا۔ عایش ملک نے بری طرح لرزتے ہوئے اسے  
گلابی آنکھوں سے دیکھا۔

جتنا ہو سکتا ہے چیخو چلاؤ!! یہاں مکھاری چیخیں کوئی نہیں  
سنے گا۔ تم آج کی رات ایسے ہی بندھی رہو گی۔ صبح  
ہوتے ہی اب تم یہاں سے جاؤ گی اس گیلے لباس میں۔  
سب کے سامنے اور سب کو یقین دلاؤ گی آج رات ہم  
دونوں کے بیچ کچھ نہیں ہوا۔ دیکھتے ہیں کون تم پر یقین  
کرتا ہے؟؟۔ زاویار سرد لہجے میں غراتے ہوئے لمبے  
ڈگ ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

کھولو مجھے زاویہ خانزادہ!!! میں کمھاری جان لے لوں  
گی۔ عایش ملک خود کو چھڑواتے ہوئے چیخنی۔  
وہ دروازہ بند کرتا چلا گیا تھا۔ وہ مسلسل خود کو چھڑواتے  
ہوئے چیخ رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی اس کے جسم کو فریز کرتا  
جا رہا تھا۔ اس کی چیخو پکار بڑھتی جا رہی تھی۔ زاویہ  
خانزادہ اپنے بیڈ پر کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ  
کے گہرے کش لیتے اس کی چیخیں سنتا گہرا مسکرا رہا تھا۔

رمز جنون  
تحریر نور آصف

قسط 19

زر مش نے آریان خانزادہ کو دیکھا جو پچھلے کئی  
گھنٹوں سے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھے  
ہوئے کوئی کام کر رہا تھا۔ وہ صوفے پر ٹانگیں

پھیلائے بیٹھی تھی۔ اب وہ اپنے گھٹنوں میں اپنا چہرہ  
دے گئی تھی۔ وہ جب سے اسے اندر آفس میں لے  
کر آیا تھا وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔ آریان خانزادہ نے  
اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی وہ  
blood thirst beast اسے سزا دے رہا



اب اسے ریسپشن ڈائیس کے پیچھے بیٹھنا زیادہ آسان  
لگ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی کب سے کتنے  
گھنٹوں سے بیٹھی تھی اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود  
پگھل جائے گا یوں اس وحشی دہندے کے سامنے  
ایسے بیٹھے رہنے سے!! یہ سزا اس کے لیے سب سے  
زیادہ خطرناک تھی۔ وہ اس کے سامنے تو کیا اس

وحشی درندے کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں  
رہ سکتی تھی۔ اسے اس وحشی درندے سے نفرت  
تھی جس نے حویلی میں گزرے اس کے دن موت  
سے بھی بدتر بنا دیے تھے۔ اس کا ایسا روپ دیکھا تھا  
وہ موت سے زیادہ اس سے وحشت کھاتی تھی۔ اس  
کے بس میں ہوتا وہ کبھی اس blood thirst

کے سامنے بھی نہ آتی۔ حیدر خان کو وہ کسی قیمت پر  
نہیں کھوسکتی تھی۔ اگر اسے پتہ چل جاتا وہ آریان  
خانزادہ کے پاس اتنے دن رہی ہے۔ وہ کیسے اپنی پاکی  
کا ثبوت دیتی۔ حیدر خان اسے چھوڑ دیتا تو وہ کہاں  
جاتی۔ یا پھر شاید وہ حیدر خان اسے موت دے دیتا وہ  
بد کرداری کا بوجھ لیے کیسے مرتی۔ وہ آریان خانزادہ

کے مغرور لے حد خوبصورت نقوش کو دیکھتے مسلسل  
سوچ رہی تھی۔ اسے مقابل کی مردانہ وجاہت سے  
نفرت تھی۔

اس کی ہر چیز سے نفرت تھی۔ اس کے نام اس کی  
خوشبو اس کی سانسوں ہر چیز سے نفرت تھی

وہ اسے دیکھتے ہوئے بیٹھے بیٹھے تھک چکی تھی۔ وہ  
گھٹنوں سے چہرہ نکالتے ہوئے صوفے کی پشت سے  
سرٹکائے آنکھیں موند گئی۔ وہ مزید اس وحشی  
درندے کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں کو  
بھی اسی ایک انسان کو دیکھنے سے نفرت تھی۔ جن

سبز آنکھوں سے بھی عشق تھا آج اس رنگ کی  
آنکھوں سے نفرت تھی شدید نفرت تھی۔  
وہ کب نیند کی وادیوں میں گم ہوئی تھی اسے پتہ ہی نہ  
چلا تھا۔

آریان خانزادہ اسی لمحے لیپ ٹاپ کی سکرین سے  
نگاہیں ہٹائے اسے دیکھنے لگا۔ آریان خانزادہ نے اس

کی بند آنکھوں کو دیکھتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں  
گاڑھے جہاں وہ نازک وجود دکھائی دے رہا تھا۔ ان  
کتنے گھنٹوں میں وہ اسے سکرین پر دیکھ رہا تھا۔ اس کی  
ہر ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ کتنی بے  
چین تھی۔ کتنی بار روچکی تھی۔ ان ہیزل گرے  
آنکھوں میں وہ اپنے لیے شدید نفرت بھی وہ دیکھ چکا

تھا۔ نفرت کا جنون ہی تو یہ تھا جو اسے ایک پل کے  
لیے بھی اسے اس ناپاک وجود سے غافل نہیں ہونے  
دیتا تھا۔

۔ اس کی سانسوں کا مدھم مدھم رقص اب اس کمرے میں  
گوںج رہا تھا۔ وہ صوفے پر سائیڈ کر وٹ لیے سوچتی  
تھی۔



وہ اپنی کرسی پیچھے کود کھیلتے اس کے چاکلیٹی سلی بالوں  
کو دیکھنے لگا جو اس کی نازک کمر پہ بکھرے تھے۔  
وہ سگریٹ کے کش لیتے اسے بہت گہری نگاہوں  
سے دیکھ رہا تھا۔ جس عورت سے شدید نفرت تھی  
اسی عورت کے حسن کو بہت قریب سے دیکھا تھا کہ  
عورت اپنے آپ میں ایک قیامت ہے۔

آریان خانزادہ کی سبز آنکھوں میں جنون کی سرخی  
بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نازک وجود کے لیے اس کی  
سبز آنکھوں میں نفرت کا طوفان تھا۔ ان چار قبروں  
کو جب بھی وہ دیکھتا اس کا دل کرتا وہ چار قبریں مزید  
کھودے۔

حاکم خان، رائینہ خان، حیدر خان، اور اس ناپاک  
وجود کی قبر!! سامنے لیٹا ناپاک وجود کبھی اس کا عشق  
نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تو اسے جاذب اغیار لغاری سے

بچانا چاہتا تھا۔

وہ دشمن کی ہی بیٹی سہی مگر وہ کسی کو بھی اپنی وجہ سے  
نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چاہے وہ اس ذلیل

حاکم خان اور رائینہ خان کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔ اسے  
اس ناپاک وجود سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اگر کبھی  
اس کی جان جائے گی تو جان لینے والا وہ خود ہوگا۔ وہ  
اپنی چھیر سے ٹیک لگائے اب اسے سلگتی شعلہ بار  
نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

مکھاری قبر میری حویلی میں ضرور بنے گی میرا ناپاک  
وجود!! وہ چسیر سے ٹیک لگائے اونچی آواز میں بولتے  
قہقہہ لگا گیا۔ اپنی ہی بات کو سوچتے وہ قہقہے لگا رہا تھا۔  
زر مش اس کے قہقہوں سے ہڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر  
بیٹھی تھی۔ اپنے سامنے چسیر پر پیٹھے آریان خانزادہ کو

دیکھتے وہ اپنے دونوں گالوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔ اس  
کے تھپڑ وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

اس کے ایکٹ پر آریا خانزادہ کے چہرے کے  
نقوش تنے تھے۔ مسکراہٹ سمٹی تھی۔ وہ  
سگریٹ کے گہرے کش لیتے اب اسے شرر بار

نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جب جب اپنے گال اس  
سے چھپاتی تھی نہیں کیوں وہ سلگ اٹھتا تھا؟؟  
زر مش نے گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا۔  
وہ مزید اس blood thirst beast کے  
سامنے مجسمہ بن کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔۔۔ اسے اس

کمرے سے جانا ہی تھا۔ ورنہ وہ اپنی سر دسرخ

آنکھوں سے اس کی جان نکال دیتا۔

زر مش نے اپنے پاؤں صوفے کے نیچے رکھتے اٹھنے

کی کوشش کی مگر وہ درد سے کراہتے ہوئے دوبارہ

سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ پاؤں پر وزن ڈالنا بے حد

مشکل تھا اس کے پیر کی ہڈی مڑ گئی تھی۔ یہی باتھ



دائیں ہاتھ کا حال تھا۔ جس طرح وہ پیٹوں سے جکڑا  
تھا۔ وہ اسے موو نہیں کر پار ہی تھی۔ اب اس میں  
درد بھی اٹھ رہا تھا۔ زرمش نے کراہتے ہوئے اپنے  
بال سمیٹنے چاہے جس کا کلپ کھل گیا تھا۔ وہ اپنے  
بکھرے بالوں کو سمیٹتے ان پر کلپ لگا رہی تھی جو  
اس سے ایک ہاتھ سے لگ ہی نہیں رہا تھا۔ شال بھی

ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔ آریان خانزادہ کی  
نگاہیں وہ مسلسل خود پر گڑھی محسوس کر رہی تھی۔  
وہ اس سے کیا چاہتا تھا؟؟ وہ اب تک سمجھ نہیں پائی  
تھی۔ وہ اس سے شدید نفرت کرتا ہے وہ جانتی تھی  
مگر وہ اسے ابھی تک مار کیوں نہیں رہا تھا وہ سمجھ نہیں  
پارہی تھی۔ وہ اس کی سزاؤں سے تھک چکی تھی

۔۔۔ جس طرح اس نے پچھلے کئی گھنٹوں سے اپنے  
سامنے بٹھایا تھا۔ وہ خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کر  
رہی تھی۔۔۔ گلاس وال سے تاریکی پھوٹتی اب  
محسوس ہو رہی تھی۔ مقابل سچ میں scariest  
animal تھا۔ اسے کیسے وہ اپنے سامنے اتنے گھنٹے

بٹھا سکتا تھا؟؟ پہلی مرتبہ اسے خوف وحشت سی بے  
بسی سی محسوس ہوئی تھی۔

زر مش اب بے بسی سے روتے ہوئے اپنا چہرہ  
دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی۔ آریان خانزادہ قہقہہ  
لگاتے ہوئے آنکھیں موند گیا تھا۔ اس کی سسکیاں  
بے بسی اسے سکون دیتی تھیں تو وہ کیسے اس کا عشق

جنون ہو سکتی تھی۔ وہ صرف اس کا نفرت بھرا جنون  
تھی۔ ورنہ اسے اس کے آنسوؤں سے تکلیف ہوتی۔  
مگر اس کی سسکاریوں پر اسے ایشال خان کی  
سسکاریاں سنائی دیتی تھیں۔ وہ آج تک ایشال خان  
کی چخیں سسکیاں بھول نہیں سکا تھا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھتا اپنے بھاری قدموں سے  
زر مش کی طرف بڑھا۔ زر مش نے اس کے  
قدموں کی دھمک سننے پھر سے صوفے سے اٹھنے کی  
کوشش کی۔ اس بار وہ اپنے درد کی پرواہ کیے بغیر  
جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ اس کی

طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑے دروازے  
کے ساتھ لگا گیا

زر مش نے درد سے کراہتے ہوئے اسے دیکھا اپنے  
پاؤں پر کھڑا رہنا اسے بے حد مشکل لگ رہا تھا۔ درد  
سے اس کی ہیزل گرے آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر  
اس کے عارض پر برس رہے تھے۔

کک کیا چاہتے ہو؟؟؟ مم میں تت تمھارے دشمن کی  
بٹی ہو تو مجھے مار کیوں نہیں دیتے؟؟۔۔ یہ سزائیں  
کب تک دو گے۔ زر مش نے چیختے ہوئے اس کی سبز  
آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔

تب تک تم سزائیں سہوگی جب تک میرا بدلہ پورا  
نہیں ہو جاتا۔ جب تک تمھاری قبر میں اپنے ہاتھوں



سے نہیں کھود دیتا۔ وہ اس کے چہرے کے نقوش پر  
دکھتی سانسیں چھوڑ گیا۔

کھودو وہ قبر!! میں۔۔ اس۔۔ میں۔۔ لیٹنے۔۔  
کے۔۔ لیے۔۔ تیار۔ ہوں۔ مگر۔۔ مجھے۔۔ یوں۔۔  
مت۔۔ بے۔۔ بسی۔۔ کا۔۔ احساس۔۔ دلاؤ۔۔

زر مش نے درد سے کراہتے ہوئے اس کی آنکھوں  
میں دیکھتے ہچکلی لی۔

مجھے تمہارا قاتل نہیں بنا۔ صرف تمہاری قبر کھودنی  
ہے قاتل تو حاکم خان بنے گا۔ میں تو گورکن بنوں  
گا۔ وہ زر مش کی آنکھوں میں دیکھتے قہقہہ لگا گیا۔  
زر مش نے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔

گور کن بنوں گا۔ وہ اس سے دور ہوتے اب قمقے لگا رہا  
تھا۔ گور کن بنوں گا میں!! آریاں خانزادہ اپنے  
چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے اونچے قمقے لگا رہا تھا۔  
زر مش اسے بھیگی خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی  
۔ اس وحشی درندے کے قمقے آج بھی اس کی نیندیں  
چھین لیتے تھے۔ مقابل کے قمقوں میں عجیب سا درد

عجیب سی وحشت تھی جو روح کو بھجھوڑ دیتی تھی۔  
وحشت ہی وحشت تھی۔ کوئی بھی ان قہقروں کا  
عذاب نہیں سہہ سکتا تھا۔ زر مشاب کانوں پر ہاتھ  
رکھ گئی تھی۔

گور کن بنوں گا میں۔ آریان خان زادہ اپنے لفظ  
دہراتے اپنی آنکھوں کو دو انگلیوں سے مسل گیا۔ وہ

اپنی سرخ آنکھوں کو مسلتے اب قہقہے لگا رہا تھا۔  
زر مش حیرانگی سے اس کی سبز آنکھوں میں نمی دیکھ  
رہی تھی۔ blood thirst beast کی سبز  
آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ رو رہا تھا کیا؟؟  
وہ اب ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے غیر مرئی نقطے کو  
گھور رہا تھا۔ زر مش کانوں سے ہاتھ ہٹائے اسے بھیگی

بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھی پتھر آنسو نہیں  
بہاتے اسے یقین تھا۔ وحشی درندے کی آنکھوں  
سے خون تو برس سکتا تھا مگر پانی نہیں۔۔  
گورکن بنوں گا میں!! آریاں خانزادہ نے غیر مرئی  
نقطے کو گھورتے آہستگی سے کہا تھا۔

گور کن بنوں گا میں!! آریان خانزادہ چیختے ہوئے  
ٹیبیل سے واز اٹھائے دیوار پر پوری قوت مار گیا۔ واز  
ٹوٹ کر چکنا چور ہوا تھا۔ زر مش گالوں پر ہاتھ  
رکھے چیخی تھی

قبر میں لیٹنا چاہتی ہو تم؟؟ آریان خانزادہ نے اسی  
پوزیشن سے اس کی طرف چہرہ موڑتے سر دلچے میں

استفسار کیا۔

نن نہیں۔۔۔ زرمش کو مقابل کے چہرے سے خوف  
آیا تھا جہاں عجیب سی وحشت چھائی تھی۔  
مرنے کی باتیں کرنا بہت آسان ہے۔ مگر مرنا بہت  
مشکل !!۔ اگر مرنا اتنا آسان ہوتا تو آج سے بیس



سال پہلے میں خود کو گولی مار دیتا۔ آریان خانزادہ سر کو  
جھٹکتے تلخی سے ہنسا۔

اپنی ٹیبل سے اپنی پسل پکڑے وہ زر مش کی طرف  
بڑھا۔ زر مش درد سے کراہتے دروازے میں مزید  
سمائی تھی۔ اس وحشی درندے کی مردانہ خوشبو سے  
بھی اسے وحشت کی خوشبو آتی تھی۔ جیسے کافور کی

خوشبو جو مردے کو لگائی جاتی ہے۔ اس کی خوشبو  
سہنا بھی آسان نہ تھا۔

لو پکڑو چلاؤ خود پر گولی!! آریان خانزادہ نے اس کے  
ہاتھ میں اپنی پسٹل تھمائی۔ زر مش کے چہرے پر  
خوف لہرایا تھا۔

نن نہیں۔۔۔ مم میں کک۔۔۔ کیسے؟؟ زر مش نے سر  
نفی میں ہلاتے وہ پستل اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑی۔۔  
چلاؤ گولی!! ریان خانزادہ نے سر دلچے میں کہتے اس  
کے چہرے پر رقصاں خوف کو بغور دیکھا۔  
نن نہیں۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ یہ۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔  
کک۔۔۔ کر۔۔۔ سکتی۔۔۔ مم۔۔۔ مجھ۔۔۔

رحم۔۔ کرن۔۔ زر مش نے روتے ہوئے التجا کی۔  
کیوں نہیں مار سکتی؟؟ ابھی تم نے کہا تم قبر میں لیٹنا  
چاہتی ہو کیا زندہ لیٹو گی؟۔ آریان خان زادہ نے اسے  
قہر بارنگا ہوں سے گھورتے ہوئے لفظ چبائے تھے۔  
اس کے جسم سے اٹھتی کستوری خوشبو سے اسے بھی

نفرت تھی۔ وہ اس کی کستوری خوشبو زیادہ دیر تک  
اپنی سانسوں میں نہیں اتار سکتا تھا۔  
ہاں!! زرمش نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا  
تھا۔

زندہ لیٹوگی تو پھر تمہیں آج ہی زندہ لٹا دوں گا  
مڈ نائٹ کی قبر میں؟؟۔ آریان خانزادہ نے

مسکراتے ہوئے اپنے سوال پر زور دیا۔ اسے یقین تھا  
مقابل نے اس کا سوال سنا نہیں۔

نن نہیں آریاں۔۔۔ مہمیری سانسیں گھٹ جائیں گی  
مڈناٹ کی قبر کو دیکھتے ہی۔۔۔ آپ کی حویلی کو  
دیکھتے ہی۔۔۔ زر مش روتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے

آریان کی شرٹ بائیں ہاتھ سے جکڑ گئی تھی۔ پسل  
بھی وہ اسی ہاتھ میں جکڑے ہوئے تھی۔

گولی چلاؤ مس خان؟؟ آریان اس کی ہیزل کرے  
آنکھوں میں دیکھتے دھاڑا۔

نن نہیں میں نہیں چلاؤں گی۔ زر مش بھی جوابا اس  
کی سبز آنکھوں میں دیکھتے چیخی۔

چلاؤ گی تم گولی آج خود پر چلاؤ گی گولی۔۔۔ وہ حلق

کے بل پوری قوت سے چیخا تھا۔

نہیں چلاؤں گی گولی میں۔۔۔ وہ بھی اپنی پوری قوت

سے حلق کے بل چیخی تھی۔

ٹھیک ہے میں تمہیں مار دوں گا پھر!! وہ اس سے

پسل چھینتے اس پر تان گیا۔



زر مش سرفی میں ہلاتے آنکھیں خطرناک حد  
پھیلاتے دروازے میں مزید سمائی تھی۔ وہ بے رحم  
درندہ پاگل انسان مار سکتا تھا۔ کتنے قتل کیے تھے اس  
نے وہ جانتی تھی اسے رحم نہیں آتا تھا۔  
تمہارے پاس دو سیکنڈ ہیں مس خان؟؟ تم ان دو  
سیکنڈ میں اس کمرے کے سلائیڈنگ ونڈو سے باہر

کے لان کی طرف نکلتے ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ کی  
طرف بھاگو گی۔

دوسیکنڈ میں تم اس کمرے سے باہر ہونی چاہیے ہو!  
ورنہ میری پستل تمہارا سینہ چیر دے گی۔ آریان  
خانزادہ کے حکم پر وہ اسے سٹل لرزتے ہوئے دیکھ  
رہی تھی۔۔۔ دل کی دھڑکنیں خوف سے کانوں میں

بج رہی تھی۔ جو آریان خانزادہ تک بخوبی پہنچ رہی  
تھیں۔

بھاگو مس خان!!! ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں  
گا۔

وہ دھاڑا تھا۔ زر مش اس کی دھاڑ پر اسی لمحے تیزی  
سے اس کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھی۔ وہ اپنے

پاؤں کا درد بھول گئی تھی۔ اگر کچھ یاد تھا موت کا  
خوف!! وہ تاریک مڈنائٹ کی قبر جو اس نے خود  
کھودی تھی۔

موت کے خوف نے اسے ہر چیز بھلا دی تھی۔  
زر مش نی گلاس سلائیڈنگ ونڈو کھولتے جہان کا نیچے

تین فٹ گہرائی پر پروانچا نیچا لان تھا۔ وہ اسی لمحے نیچے  
کی طرف کود گئی۔

آہہ۔۔۔ وہ درد سے چیختی تھی۔ اس کی دردناک  
چیخ پہاڑوں میں گونجتی اس تک پلٹی تھی  
تاریکی گہری تھی۔ ہاسپٹل کی یہ بیک تھی۔ جو کافی  
میلوں پر پھیلی تھیں۔ جس میں اوپر نیچے پتھر پلے

راستے تھے۔ پہاڑوں کو کاٹ کر یہ ہاسپٹل تعمیر کیا  
کیا تھا۔

زر مش نے اپنے پاؤں کو جکڑے درد سے سسکاری  
بھرتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ اسی ونڈو میں کھڑا اسے  
دیکھ رہا تھا۔ زر مش کی خوفزدہ نگاہیں اس کی ہاتھ  
میں پکڑی پسل پر تھیں۔ وہ بری طرح درد سے

سسکاریاں بھرتے اٹھتے ہوئے بھاگنے لگی۔ وہ بنا  
رکے ہر درد کی پرواہ کیے بغیر بھاگ رہی تھی۔ اس  
کے پاؤں میں شدید درد تھا مگر اسے اس وحشی  
درندے کے ہاتھوں مرنا نہیں تھا نہ اس مڈناٹ کی  
قبر میں لیٹنا تھا۔ وہ روتے ہوئے آسمان کی طرف  
دیکھتے بھاگ رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا تھا وہ وحشی

درندے سے زیادہ موت سے خوف کھاتی ہے۔ اسے  
آج پتہ چلا تھا اسے اپنی زندگی سے پیار تھا۔  
وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔  
اس سے پہلے وہ گیٹ عبور کرتی آریان خانزادہ اس کی  
کلائی جکڑے اپنی طرف کھینچ گیا۔ زرمش کے لبوں  
سے خوفناک چیخ برآمد ہوئی تھی۔ وہ اس



scariest animal کا لمس خوشبو پہچانتی  
تھی۔ وہ روتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ  
گئی۔

مجھے مرنا نہیں ہے۔ زر مش نے اس کی شرٹ  
مٹھیوں میں جکڑے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے  
التجا کی۔

تمہیں مارنا بھی کون چاہتا ہے؟؟ آریان خانزادہ  
مسکراتے ہوئے وہ پسل اس کی پیشانی پر رکھ گیا۔  
زر مش نے خوفزدہ ہوتے اسے دیکھا۔ وہ  
پر سرایت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔  
زر مش کی پیشانی پر موتی چمکے تھے۔ اپنی موت کو اس  
وحشی درندے کی آنکھوں میں دیکھنا موت سے زیادہ

خوفناک تھا۔ موت اور اس وحشی درندے کا ڈراس  
کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔ اپنے قدموں کے  
سہارے کھڑا رہنا مشکل تھا۔  
آریان خان زادہ نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا۔ کلک  
کی آواز پر زرمش چیختے ہوئے بری طرح لرزی  
تھی۔

زر مش نے بے یقینی سے اسے دیکھا  
- گولیاں نہیں ہیں اس میں۔۔ آریان خانزادہ نے  
مسکراتے ہوئے پستل اپنی پاکٹ میں ڈالی۔ زر مش  
نے اپنے چکراتے وجود پر قابو پایا تھا۔  
اس پستل میں اندر بھی گولیاں نہیں تھیں۔۔

اتنی اسان موت تمھیں نہیں دے سکتا۔ ممھاری  
زندگی کو اتنی بدتر بنا دوں گا تم خود اپنی جان لوگی۔  
آریان خانزادہ زہر خندلجے میں بولتے اس کی کلائی  
جکڑے اپنے آفس کی جانب بڑھا۔ زر مش در دے  
سکاریاں بھرتے اس کے ساتھ اب بمشکل گھسٹ

رہی تھی۔ ایک بار پھر سے پاؤں میں درد اٹھ رہا تھا۔  
پاؤں میں ٹرائے اٹھ رہی تھیں۔

موت کا خوف ختم ہوا تھا اسے اب شدید درد پاؤں  
میں اٹھتے محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی سسکاریوں کی  
پرواہ کیے بغیر اسے کھسیٹتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔  
اپنے آفس میں داخل ہوتے آریان خانزادہ نے اسے

بے حد نرمی سے صوفے پر بٹھایا۔ زر مش سسکتے  
ہوئے کانپتے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جو  
سرد سرخ ہو رہا تھا۔ آریان خانزادہ اسے صوفے پر  
بٹھاتے ہوئے اس کے قدموں میں پنچوں کے بل  
بیٹھتے اس کے پیر سے بے حد نرمی سے اس کا شوز

اتارا۔

آریان اس کا دودھیاں پیر ہاتھ میں پکڑے ہوئے  
اس کے پاؤں کا بغور معائنہ کر رہا تھا جو سو جھ گیا تھا  
جس کی ہڈی صاف مڑی نظر آرہی تھی۔ زر مش درد  
سے چور ہچکیاں بھر رہی تھی۔

مرنا کتنا مشکل ہے ناں! آریان خان نے اس کے  
دوہیا پیر پر ہاتھ پھیرتے مسکراتے ہوئے استفہامیہ



سر دلجے میں پوچھا۔

زر مش اسے مثل اب پتھرائی کیفیت سے دیکھ رہی  
تھی۔ وہ اس کے پیر کو جکڑے کیا کرنا چاہتا تھا

آخر؟؟

جب کوئی خود کا قتل کرتا ہے حرام موت مرتا ہے۔  
سوچو وہ کتنی اذیت پر ہوگا۔ کتنی تکلیف میں ہوگا کہ وہ

خدا کی دی ہوئی انمول زندگی کو خود اپنے ہاتھوں سے  
گھونٹ جائے!!۔ وہ اس کے پیر پر اپنا ہاتھ مضبوط  
کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔  
دور ہو رہا ہے۔۔۔ زرمش نے روتے ہوئے اس پتھر  
کو بتانے کی کوشش کی یہ جانتے ہوئے بھی اس کے

درد کی پرواہ نہیں کرے گا۔ مگر شدید خوف اسے  
گرا گرانے پر مجبور کر رہا تھا۔  
نہیں ہے تمہیں درد۔ وہ اس کی ہیزل گرے  
آنکھوں میں دیکھتے وحشت سے چیخا۔  
ہے درد!! زرمش نے روتے ہوئے اثبات میں سر  
ہلایا۔

تمہیں نہیں پتہ درد کیا ہوتا ہے؟؟ آج مجھے اندازہ ہوا  
تمہیں درد کا نہیں پتہ۔۔ جو موت سے ڈرے اسے  
پتہ ہی نہیں درد تکلیف کسے کہتے ہیں؟!؟۔ تم صرف  
مجھ سے ڈرتی ہو صرف خوف و ہشت کھاتی ہو۔ مگر  
درد کیا ہوتا ہے؟ دل پر زخم کیسے لگتے ہیں تمہیں ابھی

پتہ ہی نہیں۔۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے  
کاٹ دار لہجے میں بولا۔

زر مش صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں میچتے  
سسکاریاں بھرنے لگی۔ اس وحشی درندے کے ہاتھ  
میں اس کا پاؤں تھا۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔۔  
سمجھ گئی تھی کھیل ہی صرف ڈر کا تھا وحشت کا تھا۔

جس اس نے اس blood thirst beast  
سے ڈرنا چھوڑ دیا۔ وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مگر  
مقابل کا ڈر اس کے پور پور میں سما گیا تھا۔  
تمہیں نہیں پتہ حرام موت مرنا کیسے ہوتا ہے؟! جو  
حرام موت مرتے ہیں ان کے پیچھے ان کے گھر  
والوں کو کتنی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب جب

میں سوچتا ہوں کہ فارس خان اور ایشال خان کی  
قبروں میں آگ دہک رہی ہو گی تو میرے سینے میں  
بھی آگ دہکتی ہے۔ آگ دہکتی ہے۔ وہ اپنے سینے پر  
بے دردی سے ہاتھ مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔  
زر مش اس کی دھاڑ پر اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے اپنی  
چنچیں روک گئی۔

آریان خانزادہ نے اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں مسلتے  
ہوے اس کے پاؤں جکڑے مڑوڑا۔ زرمش کے  
لبوں سے دلخراش چیخ برآمد ہوئی تھی۔ آریان  
خانزادہ زمین سے اٹھتا ٹیبل کی طرف بڑھا۔ بینڈج  
اور ڈرار سے ایک ٹیوب لیتے وہ پھر سے اس کے



قدموں میں بیٹھا تھا۔ زر مش بری طرح سسکاریاں  
بھر رہی تھی۔ وہ سچ میں ظالم تھا۔

وہ اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے پاؤں پر بے  
حد نرمی سے ٹیوب سے جیل نکال کر لگاتے ہوئے  
مسااج کرنے لگا۔

وہ اب خاموشی سے سر جھکائے مساج کر رہا تھا  
زر مش بری طرح رو رہی تھی۔ اسے بہت بری  
طرح درد ہوا تھا۔ وہ بھول ہی نہیں رہا تھی۔۔ وہ  
تکلیف جب اس نے اس کا پاؤں مڑوڑا تھا۔  
اب تو درد نہیں تھا۔ اس ٹیوب سے بھی راحت مل  
رہی تھی۔ جس سے وہ مساج کر رہا تھا۔

وہ اس کے پیر کے اوپر سے مساج کرتے وہاں بے حد  
نرمی سے بینڈج کرنے لگا۔ بینڈج کرنے کے بعد  
آریان خانزادہ نے بے حد نرمی سے اسے اس کا شوز  
پہنایا۔

زر مش ہچکیاں بھرتے اپنی شال سے اپنی ناک اور  
گال بار بار رگڑتے خوفزدہ ہوتے اس blood

thirsty beast کو دیکھ رہی تھی وہ جانتی ہی  
نہیں تھی کہ اس bloody thirst beast  
نے کبھی کسی کے پیروں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا یہاں  
تک سازمہ کے پیروں کو بھی نہیں۔۔ اور یہ بات وہ  
وحشی درندہ خود بھی بھول گیا تھا وہ کسی کے پیروں کو  
ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔

آریان خانزادہ سرخ خون اتری آنکھوں سے زر مش  
کو دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑے اپنی کل کی کی ہوئی  
بینڈج کھولنے لگا۔ زر مش درد سے سسکاری بھرتے  
آنکھیں موند گئی۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھتے وہ  
بینڈج کھول رہا تھا۔ آریان نے بینڈج کھولتے وہاں  
نرمی سے اس ٹیوب سے مساج کیا۔

اب وہ بہت نرمی سے پھر سے اس کے ہاتھ پر بینڈج  
کر رہا تھا۔ کل تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ کل  
چھٹی کر لینا۔ آریاں سنجیدگی سے بولتے کھڑا ہوا۔  
زر مش اثبات میں سر ہلاتے اسی لمحے ہوئے صوفے  
سے اٹھی۔ اس کی سزا ختم ہو چکی تھی وہ مزید یہاں  
نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

حیدر خان آتا ہی ہو گا۔ اس کی کال اٹینڈ کر کے اپنا  
فون میری ٹیبل پر رکھ کر جاؤ گی تم۔ کل ہاسپٹل  
نہیں آرہی تو تمہیں فون کی ضرورت بھی نہیں۔ وہ  
سرد آنداز میں کہتے کمرے سے نکل گیا تھا۔ زر مش  
نے صوفے پر بیٹھتے بے دردی سے اپنے عارض سے  
بہتے آنسو صاف کرتے اپنا موبائل اپنے پر س سے

نکالتے ہوئے ٹیبل پر رکھا تھا۔ اور دوسرے لمحے وہ  
آفس سے نکلتی بار کنگ ایریا کی طرف بڑھی۔ جب  
تک حیدر نہیں آ جاتا تھا اسے ادھر ہی انتظار کرنا تھا۔  
آریان خانزادہ کو وہ کسی صورت مزید نہیں دیکھ سکتی  
تھی۔



وہ پچھلے چار گھنٹوں سے شاور سٹینڈ کے ساتھ بندھی  
تھی۔ شاور سے گرتا ٹھنڈا پانی اسے جیسے فریز کر گیا  
تھا۔ چیخ چیخ کر اس کا گلہ بیٹھ گیا تھا۔ رورو کر اس کی  
آنکھیں متورم اور گلابی تھیں۔ اب نہ اس میں چیخنے  
کی ہمت تھی نہ کھڑے رہنے کی اس میں طاقت

نھی۔ ٹھنڈا پانی مسلسل اس کے بدن پر گرتا اس کے  
بے پناہ خوبصورت بدن پر کپکپی طاری کر چکا تھا۔  
عائش ملک کو لگ رہا تھا وہ مزید ایسے کھڑی رہی وہ  
اپنی سانسوں سے بھی جائے گی۔

اس کے جسم کے ساتھ اب جیسے دماغ بھی ماؤف ہو  
رہا تھا۔ ناز و میں پٹی بڑھی تھی کسی نے اسے آج تک

انگلی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ زاویار خانزادہ نے جیسے  
اس کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ اسے زاویار خانزادہ  
سے پہلے سے بھی زیادہ شدید نفرت ہو چکی تھی۔  
اتنی نفرت کہ وہ بے رحمی سے کسی تیز دھار آلے  
سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتی تھی۔  
آہہ۔۔ عایش نے چیختے ہوئے خود کو چھڑوانے کی

کوشش کی۔ وہ اسے بہت بے دردی سے باندھ کر گیا  
تھا۔ اس کی نازک کلاسیاں سرخ ہوتے اب نیلی ہو  
رہی تھیں۔ گلابی کپکپاتے ہونٹ بھی نیلے پڑ رہے  
تھے۔ آتش گلابی نازک سے فراک میں اس کا انگ  
انگ واضح ہو رہا تھا۔ اس کے جسم کے نازک سیاہ  
پردے بھی واضح ہو رہے تھے۔!! وہ خود کو دیکھتے

بے بسی سے رو دی۔ زاویار خانزادہ سچ میں سفاک  
ظالم جابر تھا۔ وہ اس زاویار خانزادہ سے جتنی شد و مد  
سے نفرت کرتی تھی اس سے کہیں زیادہ اس زاویار  
خانزادہ کے لیے خوف پیدا ہو چکا تھا۔ وہ بمشکل اپنی  
آنکھیں کھلی رکھے ہوئے تھی۔ وہ اگر ہوش کھودیتی  
تو کہیں زاویار خانزادہ کی حوس کی بھینٹ نہ جڑے

جائے۔ مرنا گوارا تھا کوئی اس کے شاہویر کے علاوہ  
اسے ہاتھ لگائے یہ گوارا نہ تھا۔ عائش نے ٹھنڈے  
برفیلے پانی کی تیز بو چھاڑ میں اپنی سوچی آنکھیں  
کھولتے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا۔ بے  
بسی کے احساس سے وہ پھر سے چیخ چیخ کر رو دی تھی  
!! جتنا ہو سکتا ہے چیخو چلاؤ!! یہاں تمھاری چیخیں

کوئی نہیں سنے گا۔ تم آج کی رات ایسے ہی بندھی رہو  
گی۔ صبح ہوتے ہی اب تم یہاں سے جاؤ گی اس گیلے  
لباس میں۔۔ سب کے سامنے اور سب کو یقین دلاؤ  
گی آج رات ہم دونوں کے بیچ کچھ نہیں ہوا۔ دیکھتے  
ہیں کون تم پر یقین کرتا ہے!!

زاویار خان زادہ کے لفظ یاد کرتے اس اس کی ہدائی

چینوں میں اضافہ ہوا تھا۔



صوفے پر بیٹھے سیاہ ٹراؤز اور سیاہ ہاف سلیوز ٹی  
شرٹ پہنے زاویار خانزادہ کی نگاہیں ٹیبل پر رکھے  
لیپ ٹاپ پر اور سماعتیں عایش ملک کی چینوں پر



نکھیں۔ وہ سگریٹ کو انگلیوں میں دبائے کش لیتے  
عائش ملک کی چیخیں سنتا استھزاتیہ مسکرا رہا تھا۔ اس  
کی ہندیانی چیخوں کی آواز پر زاویار خان زادہ صوفے سے  
ٹپک لگائے آنکھیں موند گیا۔ ہاف سیلیوز ٹی شرٹ  
میں اس کے مسلز نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کی  
گردن کی سرخی بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ جو اس کی

مردانہ وجاہت کی پرکشش میں آضائف کا باعث بن  
رہی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال اس کی پیشانی پر  
بکھرے تھے۔ عایش ملک کی مسلسل چیخوں پر اب  
اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے  
ملکوں کی بیٹی سے شدید نفرت تھی۔ اس کے بھائی  
ارتضیٰ خان پر بھرے مجمعے میں ہاتھ اٹھایا اسے

گالیاں دیں۔ آج اس کی حویلی زاویار خانزادہ کی  
حویلی میں پولیس کے ساتھ طنطناتی داخل ہوئی تھی  
۔ یہ سزا اس لڑکی لیے ناکافی تھی۔ اگر وہ عورت نہ  
ہوتی وہ اس کی سانسوں کو بے رحمی سے کھینچتے اس کی  
بوٹی بوٹی کر دیتا۔ زاویار خانزادہ اپنی بند آنکھیں  
کھولتے صوفے سے اٹھا

سگریٹ کے کش لیتے وہ اپنے بھاری قدموں سے  
واش روم کی طرف بڑھا۔

وہ واش روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ عایش  
ملک زاویار خانزادہ کو دیکھتے خوفزدہ ہوتے جیسے خود  
میں سمائی تھی۔ زاویار خانزادہ اس کی حالت دیکھتے  
ہنستے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

عائش ملک کی نیلی گلابی آنکھوں میں خوف و ہراس  
پھیلا تھا۔

وہ اس کی طرف بڑھتے اپنے دونوں ہاتھ اس کے  
گرد محصور کرتے اس کی نیلی گہری متورم آنکھوں  
میں اپنی چاکلیٹی براؤن آنکھیں گاڑھ گیا۔ سگریٹ کا  
ٹوٹا اس کے دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ جو پانی کی برستی

بوچھاڑ میں گیلیا ہو چکا تھا۔ ٹھنڈ پانی زاویار خانزادہ پر  
برستا بھی اسے بھی مکمل بھگو چکا تھا۔ عائش ملک  
مقابل کی چاکلیٹی براؤن آنکھوں میں خوفزدہ  
نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوا نکل گیا طنطنہ غرور؟؟ زاویار خانزادہ کی نگاہیں  
اس کے نیلے پڑتے کپکپاتے لبوں پر تھیں۔ وہ بہت

بری طرح کانپ رہی تھی۔

مم۔۔ مجھے۔۔ جانے۔۔ دو!! عایش ملک نے زاویار  
خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے فریادی لہجے میں سسکی  
لی۔

اس کے سسکنے پر زاویار خانزادہ کا بلند و بانگ قہقہہ  
گونجاتھا۔

اتنی سی سزا پر کمھارا یہ حال ہو گیا!!! پھری شیرنی  
سے بھیگی بلی بن گئی۔۔۔ وہ بھی وہ بھیگی بلی جو زاویار  
خانزادہ کے تلوے چاٹتی ہے۔ وہ اس کی ٹھوڑی کو  
جکڑے اس کا چہرہ اوپر کرتے استھڑا سیہ ہنستے ہوئے  
بولا۔

میں۔۔۔ ت۔۔۔ تم۔۔۔ سے۔۔۔ فریاد۔۔۔ کر۔۔۔



سکتی۔۔ ہوں۔ مگر۔۔ تت تمھارے۔۔ قدموں۔۔  
کو۔۔ مر۔۔ کر۔۔ بھی۔۔ نہ۔۔ چھوؤ۔۔ عایش  
ملک۔۔ اس۔۔ وقت۔۔ بے۔۔ بس۔۔ ہے۔  
اپنی۔۔ عزت۔۔ کا۔۔ خوف۔۔ ہے۔۔ تم۔۔  
میرے۔۔ لیے۔۔ کبھی۔۔ زمینی۔۔ خدا۔۔ بھی  
ہوے۔۔ میں تب بھی تمھارے پیروں کی نہیں

چھوڑ گی مجھے۔۔ تم۔۔ جیسے۔۔ ظالم۔۔  
خانزادہ۔۔ کے۔۔ کبھی پیر۔۔ چھونے۔۔ پڑے۔۔  
میں۔۔ اس۔۔ دن۔۔ ہی۔۔ اپنی۔۔ سانسیں۔۔  
خود گھونٹ۔۔ دوں۔۔ گی۔۔ وہ زاویار خانزادہ کی  
آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے ٹوٹے لفظوں سے  
بمشکل بولی تھی۔ زاویار خانزادہ کی نزدیکی اس کے

بدن پر مزید لرزا طاری کر چکی تھی۔ مگر وہ پھر بھی  
اپنی نیلی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے ہوئے  
تھی۔ عایش ملک کا طنطنہ غرور یہ ظالم سفاک انسان  
کبھی نہیں توڑ سکتا تھا۔ مگر عنقریب شاہویر ملک  
مقابل کا طنطنہ غرور توڑے گا وہ یہ ضرور جانتی تھی۔  
وہ اپنا ہر بدلہ شاہویر ملک کے ہاتھوں سے لے کر

رہے گی۔ اس کا شاہویر ملک بہت طاقتور تھا یہ مقابل  
ابھی جانتا ہی نہ تھا۔

میں تمہارے لیے زمینی خدا نہیں وقت کافر عون  
ثابت ہوں گا اگر تم دوبارہ میرے مقابل آئی۔ وہ اس  
کا جبرہ دبوچتے دھاڑا عایش ملک اس کی دھاڑا اور اس  
کی سلگتی سانسوں کی تپش سے بری طرح لرزا ٹھی

نہی۔۔

قسم کھاتا ہوں میں خدا کی۔ اب دوبارہ تم کبھی زاویار  
خانزادہ کے مقابل آئی تمہیں پیروں میں جھکا کر  
تمہارا بچھا کچھا غرور طنطنہ توڑ ڈالوں گا۔ وہ غراتے  
ہوے اس کا جبرہ چھوڑ گیا تعالیش ملک نے بمشکل  
سانس لیتے اپنی سسکیوں پر قابو پایا۔ زاویار خانزادہ

کے خوف سے اس کا انگ انگ اب لرز رہا تھا۔  
زاویار خانزادہ نے اس کے پیچھے ہاتھ لے جاتے اپنی  
شال کھولی۔ عایش نے بے یقینی سے زاویار خانزادہ کو  
دیکھتے اپنے کھلے ہاتھ دیکھے۔  
زاویار خانزادہ اسے ابھی بھی خون اتری آنکھوں سے  
گھور رہا تھا۔ عایش ملک گہرے سانس لیتے پانی کی

ٹھنڈی برفیلے بوچھاڑ میں اسے دیکھ رہی تھی۔ پانی  
دونوں پر برس رہا تھا۔ کلاسیاں آزاد ہونے پر عائش  
ملک کا اپنے قدموں کے سہارے کھڑا رہنا مشکل ہوا  
تھا۔ وہ پیچھے کو ہوتے دیوار میں سمائی۔۔  
صبح ہونے سے پہلے تمہیں آزاد کر چکا ہوں۔ آج  
تمہاری ناز کی نے تمہیں زاویار خانزادہ کے قہر سے

بچا لیا۔ عورت جتنی سزا سہن کر سکتی ہے۔ میں اسے  
اتنی ہی سزا دیتا ہوں۔ مجھے لگا تھا جس طنطنے سے تم  
میری حویلی داخل ہوئی تم میں سہن کرنے کی طاقت  
بہت زیادہ ہے۔ مگر تم تو چار گھنٹوں میں ہی مرنے  
والی ہو گئی۔ وہ عایش کو بری طرح کانپتے دیکھتے  
استغزائیہ مسکرایا۔



عائش ملک بمشکل سانس لیتے اپنے چکراتے وجود کو  
سنجھالتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ وہ مزید  
کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔۔۔ برفیلے پانی اور عزت کے  
خوف اس کے اعصاب بھاری کر چکے تھے۔  
تم تو ابھی سے زاویار خانزادہ کے قدموں میں آگئی۔  
وہ اسے اپنے قدموں کے پاس بیٹھے دیکھ کر زہریلے

ہنس۔

عائش ملک اپنی بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے اپنے  
گھٹنوں میں اپنا چہرہ چھپا گئی تھی۔

زاویار خانزادہ اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو دیکھتے  
پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ عائش ملک اس  
کی نزدیکی پر بری طرح کپکپا اٹھی تھی۔ زاویار خانزادہ

کے لبوں پر مسکراہٹ چھائی تھی۔

The war is not over yet. it has just begun. The apology for your actions will now be sought by Mustafa Malik

Don't come in front of my  
eyes, otherwise I will take  
your breath away

(جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی یہ ابھی شروع ہوئی ہے۔  
تمہارے کیے کی معافی اب مصطفیٰ ملک مانگے گا۔  
آئندہ میرے سامنے مت آنا ورنہ میں تمہاری

سائیں پینچ لوں گا)

وہ اس کے قریب ہوتے انگریزی میں غرایا تھا۔  
عائش ابھی ابھی چہرہ گھٹنوں میں دیے ہوئے تھی۔ وہ  
زمین سے اٹھتے دروازے کی طرف بڑھا۔  
پانچ منٹوں میں تم باہر ہونی چاہیے ہو ورنہ آج کی  
رات تمہیں اسی واش روم میں گزارنی پڑے گی۔

زاویار خانزادہ سرد حکمیہ انداز میں بولتے دروازہ  
کھولتے باہر نکل گیا تھا۔

---

عائش ملک اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے ہوئے  
جلدی سے اٹھی تھی۔ وہ مزید یہاں رہتی وہ خود اپنے

آپ کو مار ڈالتی۔ اسے زاویار خان زادہ سے منسلک ہر  
چیز سے شدید نفرت تھی۔ یہ حویلی یہ کمرہ اس کے  
لیے تاریک قبر تھا۔ وہ واش روم سے نکلتی باہر آئی۔  
زاویار خان زادہ صوفے پر بیٹھا سگریٹ سلگائے ہوئے  
تھا۔ عائش کو تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتے اس نے  
مسکراتے ہوئے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

اس کا بھیگا چہرہ متورم آنکھیں اس کا کپکپاتا دیکھتے  
زاویار خان زادہ کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ  
دوڑی تھی۔

عائش اسے مکمل نظر انداز کرتے بہت تیزی سے  
کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی ت



زاویار خانزادہ نے اس کے قدموں کی عجلت دیکھتے  
استہزائیہ مسکراتے ہوئے اس کی پشت پر نگاہیں  
گاڑھیں۔ اس کے گیلے فراق سے نظر آتی اس کی  
دودھیا کمر پر لپٹا سیاہ پردہ دیکھتے زاویار خانزادہ نے  
جلدی سے اپنی نگاہیں پھیریں تھیں۔ اس کا حلیہ  
بے حد خراب تھا وہ آتش گلابی بھیکے فراق میں عیاں

ہوتی قیامت لگ رہی تھی۔

عائش ملک نے دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھتے  
لاک کھولا۔

رکو!! زواری کی آواز پر اس کا کپکپاتا ہاتھ لاک پر ٹھہرا  
تھا۔ دوسرے لمحے وہ پینڈل کو گھماتے دروازہ  
کھولتے تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔ اسے جلد از

جلد اس وحشت زدہ حویلی سے نکلنا تھا۔ زاویار  
خانزادہ بھی تیزی سے اٹھتے اس کے پیچھے بھاگا تھا۔  
زاویار خانزادہ کو اپنے پیچھے آتے دیکھتے عائش ملک کی  
سانسیں تھمی تھیں۔ وہ اپنی پوری قوت لگائے بھاگ  
رہی تھی۔۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ وہ مختلف  
راہداریوں سے گزرتے تیزی سے بھاگ رہی تھی۔

زاویار خانزادہ اس کی پھرتیاں دیکھتے جبرے بھینچے ہوا  
تھا۔ زاویار خانزادہ کا غیض و اشتعال اس لڑکی پر مزید  
بڑھا تھا۔ مقابل سچ میں عورت نہ ہوتی وہ اسے چیونٹی  
کی طرح مسل دیتا۔ ایک عورت اسے اپنی حویلی میں  
یوں دوڑائے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ زاویار  
خانزادہ کے قدموں کی رفتار سنتے وہ اپنی پوری فورس

لگائے بھاگ رہی تھی۔ وہ اب کیا اس سے چاہتا تھا  
؟؟ وہ اسے آزاد تو کر چکا تھا عایش ملک نے روتے  
ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ زاویار خان زادہ اس سے چند  
قدم کے فاصلے پر تھا۔ عایش ملک مزید تیزی سے  
بھاگی تھی۔ وہ اسی لمحے یہ چند قدموں کا فاصلہ ایک  
ہی جست میں طے کرتے اس کی کلائی جکڑ گیا۔

عائش نے چیختے ہوئے ربداری میں رکھی اوپچی سی  
ٹیبیل پر پڑے واز کو اٹھایا۔ اس سے پہلے وہ واز زاویار  
خانزادہ کو مارتی وہ اس دونوں کلاسیاں بری طرح  
مڑوڑتے اس کی کمر پر باندھ کیا۔ واز عائش ملک کے  
ہاتھ سے گرتا چکنا چور ہوا تھا۔  
وہ خود زاویار خانزادہ کے چوڑے سینے سے آن

ٹکرائی تھی۔

عائش کی نیلی آنکھوں میں خوف پانیوں کی صورت  
میں آن ٹھہرا تھا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کی  
آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھے۔

مجھے مار مار ہی تھی وہ وازہاں؟؟ وہ اس کی کلائیوں کو  
بے دردی سے مڑوڑتے ہوئے غرایا۔

تت میرے قریب آئے تو یہی حال کروں گی۔

عائش ملک ٹوٹے لفظوں سے غرائی تھی۔

کر کے دکھاؤ میرا برا حال آگیا تمہارے قریب؟!۔

وہ اس کے مزید قریب ہوتے تمسخرانہ لہجے میں بولا

زاویار خانزادہ کی دہکتی سانسیں اس کے چہرے پر

بکھر رہی تھی۔ زاویار خانزادہ کے ہونٹ اس کے



نیلے پڑتے ہونٹوں کے بے حد قریب تھے اگر  
دونوں میں سے کوئی بھی موومنٹ کرتا ان کے لب  
ایک دوسرے کے لب سے ٹکرا جاتے۔

میرے قریب مت آنا زاویار خان زادہ جان لے لوں  
گی تمھاری!! وہ حلق کے بل چیخی۔۔ مردانے میں  
گو نجی اس کی چیخ پر زاویار خان زادہ کی آنکھوں میں

خون اتر اٹھا۔ وہ اس کے لبوں پر سختی سے ہاتھ جماتے  
اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔ عائش ملک کی کلاسیاں  
زاویار خان زادہ ایک ہاتھ سے سختی سے جکڑے اس کی  
کمر پر لگائے ہوئے تھا۔ ایک ہاتھ وہ اس کے لبوں پر  
بے حد سختی سے جمائے ہوئے اس کی نیلی بھیگی  
خونفزدہ آنکھوں میں اپنی خون اتری آنکھیں گاڑھے

ہوے تھا۔

اچلاؤ!! وہ اس کے لبوں پر اتنی بے دردی سے ہاتھ  
جما گیا تھا کہ عایش ملک کو اپنی سانسیں رکتی محسوس  
ہوئی تھیں۔ وہ اس کی سخت گرفت میں پھڑپھڑا کر  
رہ گئی تھی۔ ایک آواز نہیں ورنہ میں تمہارے ساتھ  
وہی کچھ کروں گا جس کی وجہ سے تم بھاگ رہی

نھی۔ وہ سرفنی میں ہلاتے اسے تشبیہ کر گیا۔ عایش  
ملک خود کو چھڑوانے کی سعی کرتے اپنی آنکھیں  
زاویار خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔  
ویسے سچ میں ہو بڑی جی دار عورت!! تم جیسی  
عورت آج تک زاویار خانزادہ نے نہیں دیکھی۔ وہ  
اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہنسا۔

وہ اب مسکراتے ہوئے اس کی کلائیوں کو آزاد کرتے  
اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹا گیا۔ عائش ملک گہرے  
سانس لیتے سانسوں کو بے حال ہی کر رہی تھی کہ وہ  
اس کی کلائی سختی سے جکڑے اپنے کمرے کی طرف  
بڑھ گیا۔

خدا کا واسطہ ہے زاویار!! مجھے چھوڑ دو۔ وہ اس کے  
ساتھ گھسٹتی فریادی لہجے میں التجا کرتے چیختی تھی۔  
وہ تیزی سے بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتے اپنے  
کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عایش ملک خود کو  
چھڑواتے ہلکان ہو رہی تھی۔ اسے اس کمرے میں  
زاویار خانزادہ کی پناہوں میں ایک لمحے میں واپس

نہیں جانا تھا۔ زاویار خانزادہ اپنے کمرے میں داخل  
ہوتے اسے بیڈ پر بٹخ گیا۔ وہ اس کے بیڈ پر اوندھے منہ  
کرتی خوفزدہ ہوتے چیخ پڑی تھی۔ وہ سیدھے ہوتے  
خوفزدہ نگاہوں سے زاویار خانزادہ کو دیکھنے لگی۔  
زاویار خانزادہ اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھتے اس  
کی طرف بڑھات وہ کھسکتے ہوئے بیڈ کراؤن سے جا

لگی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں ڈر خوف سرا سیمکی  
پھیلی تھی۔ بدن پر مزید کپکپی طاری ہوئی تھی۔ وہ  
اسے سرخ آنکھوں سے گھورتے اپنی ہلکی گھنی بےیر ڈ  
پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے اس پر  
جھکا تھا۔ عایش ملک کی نیلی آنکھیں پھٹنے کی حد تک  
کھل گئی تھی۔ زاویار خانزادہ اس کی نیلی کبری



آنکھوں میں اپنی سرخ خون اشام آنکھوں سے دیکھتے  
بیڈ پر پڑی اپنی سفید مردانہ شال اٹھائے ہوئے اس  
کے وجود پر اوڑھا گیا۔ عایش ملک بے یقینی سے اس  
ظالم جابر خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی شال  
سینے سے مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔۔ تم اس چادر کے بغیر  
اس حویلی میں آئی تھی۔ مگر جاؤ گی اس چادر میں

لپٹی!! زاویار خانزادہ کی پناہوں میں اتنی ہوئی عورت  
سے زاویار شدید نفرت بھی کرتا ہو مگر اس کی عزت  
زاویار خانزادہ کو اپنی جان سے بھی زیادہ بڑھ کر ہوتی  
ہے۔ وہ اس پر جھکے سلگتی سانسوں سے بولا۔

میری حویلی سے نکلتے ہوئے تم پر میرے کسی ملازم  
کی بھی نظر پڑتی مجھ سے برداشت نہ ہوتا کیونکہ تم

ایک غیرت مند خان کی حویلی سے نکلو گی۔ میں  
تمہارے گھر کے مردوں کی طرح بغیرت نہیں! وہ  
کاٹ دار لہجے میں بولتے اس سے دور ہوا۔  
عائش ملک اسے شل خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی  
تھی۔

اب جاؤ یہاں سے تمہارا وجود مجھے اپنے بستر پر گوارا

نہیں۔ وہ عایش ملک کو سٹل اپنے بیڈ پر دیکھتے دھاڑا  
۔۔ عایش ملک اس کی دھاڑ پر خوفزدہ ہوتے لرزتے  
ہوئے تیزی سے بیڈ سے اٹھتی دروازے کی طرف  
بڑھی۔ دروازہ کھولتے وہ بھاگتے اس وحشت زدہ  
حویلی کو عبور کرنے لگی جو اس کی سانسیں روک رہی  
تھی۔ وہ مر کر بھی اب اس حویلی نہیں آنا چاہتی

تھی۔

وہ حویلی سے نکلتے باہر آئی ہی تھی کہ اس کے گرد دو  
بڑی بڑی گاڑیاں آکر رکی تھیں۔ وہ اس کے گارڈز کی  
گاڑیاں نہیں تھیں۔ وہ اپنی نیلی خوفزدہ آنکھوں سے  
ان گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایک گاڑی سے التمش  
خانزادہ نکلتے باہر آیا۔ وہ اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے

عائش ملک کو سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے اس  
کی طرف بڑھا۔ عائش ملک خوفزدہ ہوتے اپنے قدم  
پیچھے کی طرف بڑھانے لگی۔

چلیے مس ملک!! گاڑی میں بیٹھے خان کا حکم ہے  
عزت و احترام سے آپ کو رضا خان کی حویلی چھوڑا  
جائے۔ التمش اپنی پسٹل کا چیمبر چڑھاتے ہوئے

سامنے درخت کا نشانہ لیتے ہوئے بولا۔ عایش فائر کی  
آواز پر چیخ پڑی تھی۔

چلیے!! وہ اب عایش ملک کو گھورتے ہوئے دھاڑا  
۔ عایش بھاگتے ہوئے التمش خانزادہ کی گاڑی کا پچھلا  
دروازہ کھولتے بیٹھی۔ التمش خانزادہ نے بمشکل خود  
پر قابو پاتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ

سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔ اب اس کی  
گاڑی کلام کی سڑکوں پر خطرناک انداز میں دوڑ رہی  
تھی۔

---



رمز جنون

تحریر نور آصف

قسط 20

عائش رضا خان کی حویلی میں داخل ہوئی۔ مراد ن خانے  
میں اس وقت رضا خان مصطفیٰ ملک داور خان اذان ملک  
موجود تھے۔ سب کے چہرے سرخ اور تنے ہوئے تھے۔

وہ لوگ ابھی ابھی شکار سے آئے تھے اور انھیں آتے ہی  
پتہ چلا تھا عایش ملک نے کیا کیا؟؟

مصطفیٰ ملک، رضا خان، داور خان کے چہرے سب سے  
زیادہ سخت اور تنے ہوئے تھے۔ وہ لوگ اپنے غصے پر  
بمشکل قابو پائے خود پر ضبط کیے بیٹھے تھے۔

عائش ملک مردانے کے راستے حویلی میں داخل ہوئی  
تھی۔ مصطفیٰ ملک اور اذان ملک کو دیکھتے عایش ملک کی

آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں اضافہ ہوا تھا۔  
پاپا! عائش ملک روتے ہوئے تیزی سے ان کی طرف  
بڑھی۔ رک جاؤ قریب مت آنا میرے!! مصطفیٰ ملک  
صوفے سے اٹھتے عائش کو دیکھتے گرے۔  
پاپا! عائش نے بے یقینی سے مصطفیٰ ملک کی طرف دیکھا  
تھا۔ وہ سب کے سامنے اس پر چیخ رہے تھے۔

پاپا ایسا کچھ نہیں ہوا وہ زاویار خانزادہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔

وہ ایک نمبر کا ظالم جابر بغیرت انسان ہے۔۔۔۔۔

عائش!! مصطفیٰ ملک نے چیختے ہوئے عائش کو تھپڑ مارنے

کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ اذان ملک اسی لمحے مصطفیٰ ملک کے

مقابل آتے عائش اپنی بیک پر کر گیا تھا۔

کیا کر رہے ہیں پاپا؟؟ عائش پر ہاتھ اٹھا رہے تھے آپ؟؟

اذان ملک نے مصطفیٰ ملک کو بے یقینی سے دیکھتے عائش کو  
اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔ عائش بے یقینی سے مصطفیٰ ملک  
کو بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جو یوں سب کے  
سامنے اس پر ہاتھ اٹھائیں گے اسے یقین نہیں آرہا تھا۔  
تو کیا کروں پھر کیا کروں میں؟؟ یہ جو آج اس نے کیا کیا  
اسے یہ سب کرنا زیب دیتا تھا۔ مصطفیٰ ملک غیض و غضب  
سے چیخے۔

کیا کیا ہے میں نے پاپا؟؟ کیا کیا ہے میں نے؟؟ ظلم کے  
خلاف آواز اٹھانا کیا غلط ہے؟؟ وہ زاویار خانزادہ فرعون بنا  
ہوا ہے۔ آپ سے اچھی مام ہیں جنہوں نے میرا ساتھ دیا۔  
اور آپ اس زاویار خانزادہ کو سبق سکھانے کی بجائے مجھ  
پر چیخ رہے ہیں۔ وہ بھی یوں سب کے سامنے۔ عائشہ ملک  
نے جواباً چیختے ہوئے رضا خان اور داؤر خان کی طرف

دیکھا۔ ان کے سامنے اسے اسے مصطفیٰ ملک کا چہننا اور ہاتھ  
اٹھانا اسے سوئیوں کی چبھاتھا۔

دیکھو اس کی طرف !!! اسے ذرا بھی احساس نہیں ہے اس  
نے جو کی۔ اور سبرینہ بھی یہ کم عقلی کرے گی مجھے اندازہ  
نہیں تھا یا پھر اس عورت سے مجھے ہر چیز کی ایکسپیکٹیشن  
کرنی چاہیے۔ یہ بھی تو اس کی ہی بیٹی ہے۔ مصطفیٰ ملک نے  
عائش کی طرف دیکھتے کرب زدہ لہجے میں کہتے لب بھینچے۔

مام کی بیٹی ہوں آپ کی نہیں ہوں کیا پاپا؟؟ عائش کا

استغفہامیہ لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔

ہاں نہیں ہو۔ اسی کی بیٹی ہو اسی عورت کی بیٹی ہو جسے پتہ  
ہی نہیں عورت کی عزت کیا ہوتی ہے اور تم بھی اسی کے  
نقشے قدم پر چل رہی ہو۔ مصطفیٰ ملک سرد بر فیلے لہجے کی  
غراہٹ پر عائش کی آنکھوں سے بہتے اس کے عارض کا  
حصہ بنے تھے۔



ماما کی ہی بیٹی ہوں میں پاپا!! آئندہ مجھے اپنی بیٹی مت کہیے  
گا۔ میں چلی جاؤں گی ماما کے پاس واپس نہیں آؤں گی کبھی  
بھی آپ کے پاس! عائشہ نے اپنے آنسو صاف کرتے  
سردوشیاٹ لہجے میں لرزتے لبوں سے دھمکی دی۔  
مصطفیٰ ملک عائشہ کو سرد سرخ چہرے کے ساتھ ضبط کے  
ساتھ دیکھ رہے تھے۔ عائشہ کی بات پر ان کے چہرے پر  
درد و کرب لہرایا تھا۔

رضا خان یہ دیکھتے مصطفیٰ ملک کی طرف بڑھے۔ مصطفیٰ  
ملک اپنے بچوں اپنی بیوی سے کتنی محبت کرتے تھے وہ  
جانتے تھے۔ سبرینہ ملک سے آج بھی وہ دیوانوں کی طرح  
محبت کرتے تھے۔ تبھی تو آج تک اسے طلاق نہ دے سکے  
تھے۔ مگر دن رات جلتے انھیں دل کی بیماری ہو گئی تھی۔  
انھیں اکثر دل میں درد رہنے لگا تھا۔ وہ بیمار رہنے لگے  
تھے۔

عائش کی بات پر ان کے چہرے پر تاریک سائے لہراتے  
صاف دکھائی دیے تھے۔

بیٹی ہے آرام سے بات کرو مصطفیٰ! بیٹیوں پر ہاتھ نہیں  
اٹھاتے۔ رضا خان نے مصطفیٰ ملک کے کندھے پر ہاتھ  
رکھا انھیں کام ڈاون کرنے کی کوشش کی۔

بابا اس نے اچھا حرکت نہیں کیا جو اس سے اچھا طریقہ  
سے بات کیا جائے۔ کیا ہمارا حویلی کی کوئی عورت اس

طرح کرتی؟؟ اور آپ اس سے اچھے طریقے سے بات  
کرتے یا جان سے مار ڈالتے؟؟ اور خان عایش کو سرد  
نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

دور خان کی سرخ آنکھیں عایش پر گڑھی دیکھ کر اذان  
ملک نے گھور کر دور خان کو دیکھا تھا۔ دور خان کا عائشہ کو  
گھورنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔

داور!! مہمان ہے ہمارا یہ لوگ۔۔ عائش کمھارا چھوٹی  
بہنوں کی طرح ہے۔ رضا خان نے سختی سے داور خان کو  
ٹوکا تھا۔

مہمان ہے بابا اس لیے تو کہہ رہا ہوں۔ عائش کا عزت ہمارا  
عزت ہے۔ جس طرح یہ زاویار خانزادہ کی حویلی گئی۔  
اپنے گارڈز سے فائرنگ کروائی۔ جانتے ہیں ناں زاویار  
خانزادہ کتنا خطرناک ہے۔ کتنا اثرورسوخ ہے اس کا!! کتنا

طاقتور ہے وہ؟؟۔ یہ اس کا اچھائی ہے۔ جو اس نے عائش کو  
کچھ نہیں کہا۔ اپنا حویلی کی عورتوں کے درمیان اسے  
عزت سے بٹھایا۔ اپنا چادر اسے دیا۔ ایک لفظ اسے نہیں کہا  
ایک نگاہ اس پر نہیں ڈالی۔ صرف اس لیے کہ یہ ہماری  
مہمان ہے۔ میری دوستی کا خیال اس نے صرف کیا۔  
داور خان کی بات پر عائش کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل  
گئی تھیں۔ وہ ظالم ہی نہیں شاطر بھی تھا۔ اسے چار گھنٹے

اپنے واش روم میں بے دردی سے باندھ کر اس کی توہین و  
ہتک کرتے اس نے سب کو یہ کہانی سنائی تھی۔

زاویار خانزادہ کے لیے عائش ملک کی نفرت میں اضافہ  
ہوا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا چیخ چیخ کر سب کہ بتائے زاویار  
خانزادہ نے اس کے ساتھ کیا کیا؟؟ مگر وہ جانتی تھی اس  
سے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ الٹا اس کے کردار پر  
انگلیاں اٹھیں گی۔ وہ چار گھنٹے زاویار خانزادہ کے واش روم

میں بندھی رہی۔ یہ کیسے ممکن تھا اس کی عزت سلامت  
تھی؟؟

عائش تم نے یہ سب کیوں کیا؟؟ سب کلیر ہو چکا تھا مجھے  
فار غلطی سے لگا۔ میں بھل ٹھیک بھی ہوں۔ جس کے  
خلاف تم نے ایف آئی کٹوائی۔ وہ میرے ساتھ تھا۔ میں  
ار نقی خان کے ساتھ اس کے ڈیرے پر موجود تھا۔



اب بتاؤ اس حماقت کا کوئی جواز مٹتا تھا۔ تم یوں اس کی  
حویلی میں پولیس اور گارڈز کے ساتھ چلی گئی۔  
اذان ملک نے عائش سے سختی سے استفسار کیا۔  
عائش ملک بے یقینی سے یہ سب سنتے سر نفی میں ہلا رہی  
تھی۔ سب اسے مودر الزام ٹھہرائیں گے اسے یقین  
نہیں آرہا تھا۔

رضا خان مجھے لگتا ہے مجھے بذات خود عالیان خان سے  
معافی مانگنی چاہیے۔ ضودن رہ کئے ہیں ہمارے ادھر!!  
میں یہ دشمنیاں نہیں چاہتا۔ نہ تمہارے لیے کوئی مسائل  
کھڑا کرنا چاہتا ہوں۔ مصطفیٰ ملک نے رضا خان سے کہا۔  
اس کا ضرورت نہیں مصطفیٰ میں خود بات کر لوں گا عالیان  
خان سے۔ رضا خان نے سنجیدگی سے مصطفیٰ ملک کے  
بات کی تردید کی تھی۔

معافی میں ضرور مانگوں گا۔ میری بیٹی نے جو علطی کی اس  
کی معافی اس کے باپ کو ہی مانگنا پڑے گی۔ مصطفیٰ ملک  
عائش کو دیکھتے لب بھیج کئے تھے۔

نہیں پاپا آپ اس ظالم جابر فرعون سے معافی نہیں مانگے  
گے۔ عائش اٹل لہجے میں بولتے مصطفیٰ ملک کی طرف  
بڑھی۔

سب نے غصے اور تاسف بھری نگاہوں سے اس کی طرف  
دیکھا تھا۔ اذان اس کو سنبھالو!! مجھے کچھ دیر پہلے اس پر  
ہاتھ اٹھانے کا دکھ تھا۔ اب تاسف صرف اس بات کا ہے  
میرا ہاتھ اس کا گال لال کیوں نہیں کر سکا۔ مصطفیٰ ملک  
نے سرخ سر و نگاہ عائش پر ڈالی۔

عائش پاپا کہہ رہے ہیں وہ سب دیکھ لیں گے تم اب کسی  
معاملے میں نہیں بولو گی۔ اذان ملک نے اس کی طرف

بڑھتے انگشت شہادت اٹھائی۔ اسے بذات خود عایش کی  
حرکت سخت ناگوار گزری تھی۔

عایش ملک اپنا نچلا لب کاٹے گہرا سانس لیتے خاموش  
ہوتے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پانے لگی۔ وہ ابھی بھی  
سردی سے کپکپا رہی تھی۔

یہ تمھارے کپڑے کیوں بھگے ہوئے ہیں؟؟ تم کانپ  
کیوں رہی ہو۔ کیا ہوا ہے تمھیں؟؟ اذان ملک نے پریشانی

سے عائش کے گال پر ہاتھ رکھا۔ اس کے ہونٹ بری  
طرح ٹھٹھر رہے تھے۔ عائش نے شکوہ کناں نگاہوں سے  
اذان کو دیکھا۔ جس نے پہلی بار یہ نوٹس کیا تھا کہ وہ کانپ  
رہی ہے۔

اذان ملک کی بات پر سب بری طرح چونکے تھے۔ غصے  
میں کسی کی بھی نگاہ اس کے بھیکے حلیے پر اور اس کے بدن  
کی کپکپاہٹ پر نہیں گئی تھی۔

کیونکہ مس ملک بہتے دریا میں منہ کے بل گری تھیں۔  
التمش خانزادہ کی گرج دار آواز مردانے میں گونجتی سب  
کو اس کی طرف متوجہ کر گئی تھی۔  
وہ اپنی سیاہ شال کندھوں پر جھٹکتے داخلی دروازے سے  
اندر داخل ہوتا اپنے بھاری قدموں سے ان سب کی  
طرف بڑھا۔

خان نے کہا تھا میں مس ملک کو عزت و احترام سے آپ  
کے پاس چھوڑ کر ہی واپس آؤں۔ جب تک ان کی سیفٹی کا  
یقین نہ ہو جائے میں وہاں سے ہلوں بھی ناں۔۔۔ التمش  
خانزادہ اپنی ہلکی گھنی بئیر ڈپر ہاتھ پھیرتے عائش کو دیکھتے  
بولا تھا۔ عائش ملک کی آنکھوں میں التمش خانزادہ کو دیکھتے  
چنگاریاں پھوٹی تھیں۔ وہ عائش ملک کو دیکھتے استہزائیہ  
مسکرایا تھا۔



بہتے دریا میں گر گئی کیسے؟؟ اذان ملک نے سنجیدگی سے  
سوال کیا۔

یہ میری گاڑی میں بیٹھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ میں نے  
بہت منت سماجت کی ان کی۔ مگر یہ اپنی ضد پر قائم رہی۔  
مجبور آ مجھے ان کے پیچھے پیچھے ہی اپنی گاڑی رکھنی پڑی اور یہ  
راستے میں پیدل چلتے ایک بہتے دریا میں منہ کے بل گر  
گئیں۔ التمش عائش ملک کو تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتے

بول رہا تھا۔ منہ کے بل گرنے پر اس نے خاص طور پر زور  
دیا تھا۔ عائش مٹھیاں دبوچے بمشکل خود پر ضبط کیے ہوئے  
تھی۔

جب یہ منہ کے بل گری تو تب ہی یہ میری گاڑی میں بیٹھنے  
کو تیار ہوئی تھیں۔ التمش نے عائش ملک کا سرخ و سفید  
چہرہ دیکھتے اسے آنکھ و نک کی۔ عائش ملک توہین و خجالت  
سے سرخ ہوئی تھی۔

نکھارا بہت بہت شکریہ۔ ہم اور مصطفیٰ عالیان خان سے  
مل کر اس سب کا معذرت کرنا چاہتا ہے۔ رضا خان نے  
سنجیدگی سے کہا۔

جی ضرور خان آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ التمش خانزادہ  
عائش ملک کے سرخ چہرے کو دیکھتے ابھی ابھی گہرا مسکرا  
رہا تھا۔

عائش ملک اپنا غصہ ضبط کرتے اسی لمحے تیزی سے وہاں  
سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

میرا مطلب ہے خان آپ کا انتظار کریں گے۔ اب مجھے  
اجازت دیں میرا کام ہو گیا ہے۔ التمش خانزادہ خانزادہ  
سنجیدگی سے بولتے اپنی شال کا سرادو سرے کندھے پر  
ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

---

ار نضی خان اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹے اپنے سر کے نیچے  
اپنے دونوں بازو باندھے ہوئے چھت کو دیکھتے گہرا مسکرا  
رہا تھا۔ آج جو کچھ ہوا اسے پتہ چلا تھا۔ وہ پولیس اور گارڈز  
کے ہمراہ حویلی داخل ہوئی تھی۔ وہ اس کاشیرنی والا روپ  
یاد کر کے کب سے مسکرا رہا تھا۔

زویا رخا زادہ کا وہ دل سے شکر گزار تھا۔ جس نے عایش کو  
کچھ نہیں کہا تھا بلکہ اسے ذنان خانے میں عزت و احترام

سے بٹھاتے واپس رضا خان کی حویلی بھیجا۔ ورنہ اسے  
زاویار خانزادہ ٹیڑھی آنکھ کر کے بھی دیکھ لیتا وہ برداشت  
نہ کر پاتا۔ عایش ملک اس کی زندگی بن چکی تھی۔ اس کا  
عشق !! وہ بیس سال کی عمر میں عائش ملک کے عشق میں  
بری طرح گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کا ہر انداز ہر چیز دل کو بھا  
چکی تھی۔ وہ ہر وقت ارتضیٰ خان کو اپنے دل کی دھڑکنوں  
میں دھڑکتی محسوس ہوتی تھی۔ اس کا دل ہر وقت عائش

ملک کی مالا جیتار ہوتا تھا۔ اب اسے عائش ملک سے عائش  
خان بنانا تھا۔ وہ چھت کی طرف دیکھتے مدھم سا ہنسا تھا۔  
مسسز عائش ار نقی خان!!! مسسز ار نقی خان!!! وہ  
زیر لب عائش ملک کو اپنا نام دیتے آنکھیں موند گیا۔  
تیری پہلی نظر نے میرا چین چرایا  
تیرا خواب جو آیار اتوں کو جگایا  
تیری پیاس کو میں نے ہونٹوں پہ سجایا

چاہت کیسی ہے تو نے مجھ کو بتایا  
وہ بند آنکھوں سے مسکراتے تکیہ اپنے سر کے نیچے سے  
نکالتے اس کے ساتھ لیٹا تھا۔ بہت جلد عائش ملک تم  
عائش ار ترضی خان بن کر میری بانہوں میں ہوگی۔ وہ  
منظبوطی سے بولتے گہرا مسکرایا تھا۔۔۔

---



داور خان کا آج ولیمہ تھا۔ مرد سارے ان کی حویلی کے  
بڑے سے مردانے میں موجود تھے جہاں عالیشان طعیام  
کا انتظام تھا۔

عورتیں زنان خانے میں موجود تھیں۔ داور خان کی دلہن  
بھی زنان خانے کے لاونج میں دلہن کی طرح سچی بیٹھی  
تھی۔۔ عائش ملک سب کو دیکھ کر بری طرح بوریست کا  
شکار ہو رہی تھی۔ اب وہ اس کالام اور یہاں کی عجیب و

غریب رسموں سے اکتا چکی تھی۔ یہ کلام یہ پہاڑ اس کے  
نہ تھے۔ اسے بچپن سے پاکستان کے ناردان ایریاز جانے کا  
بے حد شوق تھا۔ مصطفیٰ ملک اور سبرینہ ویکیشن میں  
انہیں ابرو ڈالے جاتے تھے۔ پوری دنیا اس نے دیکھی  
تھی۔ اپنے ملک کو دیکھنے کی خواہش اسے اس افیت سے  
دوچار کرے گی اسے اندازہ نہ تھا۔ زاویار خانزادہ کا کیا ہوا  
سلوک اسے بھول نہیں رہا تھا۔ توہین و خجالت اور ٹھنڈے

برفیلے پانی کے نیچے چار گھنٹے کل سارا دن وہ بخار میں  
پھنکتی رہی تھی۔ پہلی بار مصطفیٰ ملک نے اسے منایا نہیں  
تھا۔ اس کے بخار کا سن کر بھی وہ اس کے کمرے میں نہیں  
آئے تھے۔ اذان ملک ہی ساری رات اس کے پاس رہا  
تھا۔ مصطفیٰ ملک نے سبرینہ ملک کو فون پر بہت باتیں  
سنائی تھیں۔ انھیں بے حد ذلیل کرتے اپنے بچوں سے  
دور رہنے کو کہا تھا۔

سبرینہ ملک بھی اس سے بری طرح ناراض ہو چکی تھی۔  
سبرینہ ملک کے گارڈز زاویار خان زادہ نے مرتضیٰ ملک کے  
حوالے کر دیے تھے۔ دو گارڈز بری طرح زخمی تھے۔  
جن کی ٹانگوں پر بے دردی سے گولیاں ماری گئی تھیں۔  
زاویار خان زادہ کے ظلم پر اسے زاویار خان زادہ سے خوف  
سے زیادہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت سی  
گرین کلر بے حد سٹائیش بہت بڑے برینڈ کی بے حد

خوبصورت سی ڈیلی کیٹ لانگ میلسی پہنے ہوئے تھی۔  
اس کے خوبصورت سنہری کرنوں جیسے سلکی بال اس کی کمر  
پر بکھرے تھے۔ نیلی آنکھوں میں آج کا جل کی گہری تہہ  
تھی۔ آنکھوں پر سمو کی بلومیک اپ کیا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر  
نیوڈلپ سٹک لگائے عارض پر ہائی لائٹر لگائے وہ بے حد  
خوبصورت لگ رہی تھی۔ جیولری میں وہ صرف گرین  
زرقون میں نیکلس پہنے ہوئے تھی۔ اس کی بے پناہ

خوبصورتی اس کے بغیر دوپٹے کا نازک وجود عورتوں کی  
توجہ کا بھی مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے عجیب و غریب  
نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ دو دن پہلے زاویار خانزادہ  
کی حویلی پولیس اور گارڈز کے ہمراہ گئی تھی۔ اس لیے وہ  
خاص طور پر سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

میکسی میں اس کا خوبصورت بدن قیامت ڈھار ہا تھا۔ پچھلا  
گلہ بھی ڈیپ تھا۔ وہ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتی تھی

وہاں اسے کسی چیز کی روک ٹوک نہ تھی۔ نہ مصطفیٰ نہ  
اذان مکہ نے کبھی روک ٹوک کی تھی۔ شاہویر ملک کو  
صرف اس کی ڈریسنگ پر اعتراض ہوتا تھا۔ جو وہ کبھی  
ملحوظ خاطر نہ لائی تھی۔ یہاں عورتوں کو عورتوں کے  
درمیان بھی دوپٹے لیے دیکھتے اس کی سانسیں گھٹ رہی  
تھیں۔ وہ تو مر کر بھی یہ سب نہ کرے۔۔ عایش نے سب  
کو اکتاہٹ بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اذان ملک کو

کال ملائی جو اس نے اسی لمحے کاٹ دی تھی۔ عایش نے  
روہانے ہوتے موبائل کو دیکھا اس نے اب غصے سے پھر  
سے اذان ملک کو کال ملائی جو اس نے پھر سے کاٹ دی  
تھی۔ وہ غصے سے لب بھینچے اسی لمحے طنطناتی ہوئی زنان  
خانے کے راستے مردانے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بہت  
سی راہداریاں پار کرتے مردان خانے کے بڑے سے  
لاونج میں داخل ہوئی۔ جہاں سب مرد حضرات بیٹھے



تھے۔ مصطفیٰ ملک اور رضا خان اپنے دوستوں کے ساتھ  
بیٹھک میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ باقی مرد حضرات  
ادھر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

وہ جیسے ہی مردانے میں داخل ہوئی سب مردوں کی  
نگاہوں کا مرکز وہ اسی لمحے بنی تھی۔ سامنے صوفے پر  
بیٹھے زاویار خان زادہ نے اسے تاسف بھری شعلہ بار نگاہوں  
سے دیکھا۔ اس کا انگ انگ اس لباس میں جھلک رہا تھا۔

وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ وہاں بیٹھے مرد نہ چاہتے  
ہوے بھی اسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ویسے بھی آج کل  
عائش ملک کا تذکرہ ہر مرد کے زبان پر زو عام تھا۔ سب ہی  
اس حسینہ نازک دلربا کو دیکھنا چاہتے تھے جس نے زاویار  
خانزادہ پر چڑھائی کی تھی۔

ار ترضی خان عائش ملک کو دیکھتے جبرے بچنے اپنی نگاہیں  
جھکا گیا تھا۔ چہرے پر سرخی کی حدت چھائی تھی۔ اس کا

اتنے مردوں میں آنا راضی خان کو سوئیوں کی طرح  
چبھاتا تھا۔ بلکہ رگوں میں فشار خون تیزی سے بلند ہوا تھا۔  
وہاں بیٹھے مردوں کی نگاہیں اسے عائش ملک پر برداشت  
نہیں ہو رہی تھیں۔ پورے وجود میں مرچیں سی دھک اٹھی  
تھیں۔

اذان!! میری بات سنو!! عائش نے زاویار خانزادہ کو  
گھورتے ہوئے اونچی آواز میں دانت پیستے اذان ملک کو

مخاطب کیا۔ مگر شعلہ بار نگاہیں زاویار خانزادہ پر ہی کھیں۔  
زاویار خانزادہ کھانے سے ہاتھ روکتے اپنی ہلکی گھنی بیئرڈ  
پر ہاتھ پھیرتے اسے ہی سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا  
تھا۔

اذان اپنی بہن کی بات سنو!! اسے سمجھاؤ یہاں اتنے  
مردوں میں اس کا اس حلیے میں آنا مناسب نہیں ہے۔  
ار ترضی خان خود پر بمشکل قابو پاتے ہوئے اذان سے

مخاطب ہوا جو صوفے پر عایش کو سرد کھا جانے والی  
نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ عائش ملک پر وہ کوئی روک  
ٹوک نہ کرتا تھا۔ مگر یہاں کا ماحول ایسا نہ تھا کہ وہ یوں  
سب مردوں کے سامنے آتی۔ وہ عایش ملک کو گھورتے  
ہوے صوفے سے اٹھتا غصے سے عائش کی طرف بڑھا۔ وہ  
اس کی کلائی نرمی سے تھامے لاونج سے باہر نکل آیا تھا۔

کیا کر رہی ہو یہاں؟؟؟ اذان ملک نے اسے مردانے میں  
ایک طرف لاتے غصے سے اس سے دبی آواز میں چیختے  
ہوئے اس سے استفسار کیا۔

کب سے تمہیں فون کر رہی ہوں؟؟؟ تم مسلسل میرا فون  
کاٹ رہے ہو!!! پاپا مجھ سے بات نہیں کر رہے۔ ماما مجھ  
سے ناراض ہے۔ دودن سے میں کیسا محسوس کر رہی

ہوں؟؟۔ تمہیں میری تکلیف کا اندازہ ہے؟؟۔ عایش  
نے جواباً اذان ملک سے شکوہ کناں لہجے میں سوال کیا۔  
تم نے جو کیا وہ ٹھیک تھا کیا عائش؟؟ پاپا کا غصہ وقتی ہے  
ٹھیک ہو جائے گا۔ ماما جب ناراض ہوتی ہیں وہ لمبی ہو جاتی  
ہے اب اگلے چھ مہینوں تک انہیں بھول جاؤ۔ اذان ملک  
نے استہزائیہ بولتے اس پر استغہامیہ نکاہیں گاڑھ گیا۔

مجھے ماما نہیں تم اور پاپا چاہیے ہو۔ عائش ملک کی اواز نہ  
چاہتے ہوئے بھی بھیگ اٹھی تھی۔

ہم ہیں تمہارے پاس!! بتاؤ کیوں آئی تھی یہاں؟! کیا  
کہنا تھا مجھے؟؟ کیوں فون کر رہی تھی؟؟ عائش کی بھیگی  
آواز محسوس کرتے اذان ملک نے اپنا ہجہ نرم کیا۔ چھوٹی  
بہن تھی بے حد محبت بھی کرتا تھا۔ یہ الگ بات تھی ان  
دونوں کی بنتی کم ہی تھی۔



بھی ایسا سلوک کیا نہیں تم نے! بے شک ہم پیار سے  
زیادہ ایک دوسرے سے لڑائی جگھڑا کرتے ہیں۔ مگر تم یہ  
اچھی طرح جانتے ہو ہم پیار بھی ایک دوسرے سے بے  
حد کرتے ہیں۔ مگر پچھلے دو دن سے تم اجنبی بن گئے  
ہو۔

عائش ملک نے شکوہ کناں لہجے میں کہتے اپنی نیلی آنکھیں  
اپنی انگلیوں کے پوروں سے صاف کیں۔ زاویار خانزادہ

کے ہتک امیز سلوک کا سوچتے ہی اس کی آنکھیں بار بار  
بھگ جاتی تھیں۔

کیا سلوک کر رہا ہوں؟؟ بتاؤ مجھے پر سوں ساری رات  
تمہارے پاس تھا۔ بخار اتر چکا ہے کیا اب تمہاری پٹی سے  
لگ کر بیٹھ جاؤں۔ اپنی عادت کے مطابق وہ عائش سے  
زیادہ دیر نرمی سے بات نہیں کر سکتا تھا۔

ہاں بیٹھنا چاہیے تھا جب تمہیں فائر لگا تھا۔ میں تمہارے  
ساتھ ایک ایک لہ تھی۔ وہ بھی اب غصے سے بھڑکی  
تھی۔

وہ تو تمہاری عادت ہے میری مام بننے کی۔  
مگر آئی ایم سوری میں تمہارا پاپا نہیں بن سکتا۔ بھائی ہوں  
بھائی کی طرح ٹریٹ کروں گا۔ یہ شدید محبت بہنوں کے  
فضول سے نخرے اٹھانا تمہارے ان فضول سے ناولز میں

ہوتا ہے۔ اذان ملک اس کی نیلی آنکھوں میں آنسو دیکھتے  
تپتے لہجے میں بولا۔

آئی ہیٹ ناولز!! یہ تم ہی پڑھتے رہتے ہو یوٹیوب پر  
موسٹ رومانٹک ٹائٹل دیکھتے اندر گھس جاتے ہو کہ اندر  
ایسا کیا ہے جو تمہاری نالج میں نہیں۔ عایش ملک غصے  
سے طنزیہ لہجے میں لفظ چبائے۔ اس نے بہت بار اذان  
ملک کو یوٹیوب پر ناول پڑھتے دیکھا تھا۔

بہت زیادہ رومانس ہوتا ہے ان ناو لزمیں استغفر اللہ!! یہ  
تم لڑکیاں ہی پڑھ سکتی ہو۔ اذان ملک نے کانوں کو ہاتھ  
لگائے تھے۔

بکو اس بند کرو میں نہیں پڑھتی۔ عائش غصے سے بولی  
تھی۔

مان لیتا ہوں تم نہیں پڑھتی۔ جانتا ہوں عائش ملک بہت  
سمجھدار ہے۔ مگر عائش ملک کی سمجھداری کا لام آکر کہاں

چلی گئی؟؟ اذان ملک نے مسکراہٹ دبائے پوچھا تھا۔  
وہ جانتا تھا وہ ناولز کے نام پر دور بھاگتی تھی۔ وہ ناولز پڑھنے  
والی لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔

میں نے کچھ غلط نہیں کیا اذان!!! میں نے زاویار خانزادہ  
جیسا مرد آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے تمہیں دیکھا ہے پاپا  
کو دیکھا ہے۔ شاہویر ملک کا روپ دیکھا ہے۔ مجھے پتہ تھا  
میں کچھ بھی کروں گی میرے پیچھے مصطفیٰ ملک اذان ملک

شاہویر ملک میری طاقت بن کر کھڑے ہوں گے۔ کمزور  
تو میں کبھی تھی ہی نہیں۔ تم پر دودو بار حملہ ہوا مجھے لگا  
ار تضي نے کروایا ہے۔ اس کے ساتھ دشمنی کے قصے تم  
نے ہی مجھے بڑھ چڑھ کر سنائے ہیں۔

یہی کہتے رہے اگر کبھی تم دونوں کو موقع ملے تم دونوں  
ایک دوسرے کی جان لے لو گے۔ کیا غلط کیا ار تضي خان  
کے خلاف ایف آئی آر کٹوا کر؟؟ بتاؤ مجھے!!

ہو سکتا ہے ار نضی خان دوستی کی آڑ میں تم سے کوئی ہیل  
کھیل رہا ہو یا پھر زاویہ رخا زادہ یہ سب کروار رہا ہو۔ عایش  
ملک کی بات پر اذان ملک سر نفی میں ہلاتے ہنس پڑا تھا۔  
سی ایس ایس کے ایگزامز میں تم ہاپ کرو گی مجھے بلکل  
یقین ہے۔ کیا دماغ ہے تمہارے پاس جلد اسسٹنٹ کمشنر  
بنو گی۔ اذان ملک نے شرارتی لہجے میں اسے چھیڑتے تالی  
بجائی تھی۔



اب تو میری زندگی کا مقصد ہی یہی ہے۔ سی ایس ایس کا  
ایگز امرز پاس کرنا۔ جس دن میں کمشنر بن گئی اس دن سب  
سے پہلے اس زاویہ پر خانزادہ کو جیل میں ڈالوں گی۔ وہ اپنی  
مٹھیاں بھینچتے غرائی تھی۔

عائش ملک کی بات پر اذان ملک کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا  
تھا۔ پلر کے پیچھے چھپ کر کھڑا رضی خان بہ سب سنتے  
اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہنس پڑا تھا۔

دور کھڑا زاویار خان زادہ یہ سب سنتے اپنی مٹھیاں سختی سے  
بھینچ گیا تھا۔ ارغی خان کا بس نہیں چل رہا تھا عایش ملک  
کو اپنی بانہوں میں بسالے۔

زاویار خان زادہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس نازک وجود کی  
سانسوں کو بے دردی سے کھینچتے کے اس کے بچے ادھیڑ  
ڈالے۔

ابھی تم جاؤ یہاں سے ہم رات کو بات کریں گے۔ آج

آخری رات ہے یہاں۔۔ کل ہم یہاں سے چلے جائیں  
گے۔ لاہور چل کر پاپا ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ عائش کا گال  
تھپھپاتے ہوئے مردانے کے لاونج کی طرف تیزی سے  
بڑھ گیا تھا۔

عائش گہرا سانس لیتے زنان خانے کی طرف بڑھی ہی تھی  
کہ ارتضیٰ خان اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی کھینچتے  
اسے پلر کے ساتھ لگا گیا تھا۔ عائش ملک کے لبوں سے چیخ

بلند ہوئی تھی۔ ارغسی خان بے حد نرمی سے اس کے لبوں  
پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔  
بے چینی بڑھتی جاتی ہے  
تم نے کیسا یہ درد دیا ہے  
تیری ان بانہوں میں اب  
مجھ کو جینا مرنا ہے  
سوچ لیا حد سے زیادہ

عشق تجھ سے کرنا ہے

وہ اس کے نقوش کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے گنگناتے  
ہوے اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹا گیا تھا۔

عائش گہرے سانس لیتے اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھ رہی  
تھی۔ وہ اسے یوں محصور کرے گا وہ بے یقین تھی۔ کل

زاویار خان زادہ نے چھو آج اس کا بھائی چھو رہا تھا۔

تم کمشنر بن کر مجھے اپنی جیل میں قید کر لینا نف نہیں

کروں گا مگر ایک التجا ہے میرے لالا کو چھوڑ دینا۔ وہ  
مسکراہٹ دبائے اس کی شعلہ بار قاتلانہ آنکھوں میں  
دیکھ رہا تھا

تمھاری بانہوں میں۔۔۔۔۔ وہ اس کی ساحرانہ نیلی  
قاتلانہ آنکھوں میں دیکھتے شرارت سے لب دانتوں تلے  
دبا گیا تھا۔ نیلی آنکھوں کا قہر بڑھا تھا ارغی خان کے دل  
کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

میرا مطلب ہے تمھاری جیل میں صرف ایک ہی قیدی ہو  
گا وہ صرف ارغی خان ہو گا۔ اس کی نیلی گہری آنکھوں  
میں دیکھتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔  
اس کی نیلی پری!! وہ اسے دل ہی دل میں یہ نام دیتے  
دیکھتے ہنس رہا تھا۔

دور رہو مجھ سے!! اور میں تمھاری کوئی التجا نہیں سنوں  
گی۔ تم اور تمھارا لالا جاؤ بھاڑ میں۔۔۔ عایش ملک نے

اسے سکتی شعلہ بارنگاہوں سے دیکھتے اس کے چوڑے  
سینے پر ہاتھ رکھے اسے دور دھکیلا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے عائش  
سے دور ہوا۔ عائش اسے گھورتے ہوئے وہاں سے چلی گئی  
تھی۔ ارتضیٰ خان نے عائش کے جانے کے بعد مردانے  
میں ادھر ادھر دیکھا تھا۔ مردانے کے اس حصے کی طرف  
کوئی نہیں تھا۔ وہ بھرپور ہنستے ہوئے اپنے بالوں کو انگلیوں  
سے سنوارتے ہوئے مراد خانے کے لاونج بڑھ گیا تھا۔



زاویار خانزادہ یہ سب دیکھتے اپنے جبرے بھینچتے تیز تیز  
قدم اٹھاتا عائش کی طرف بڑھا جس نے ابھی مردانہ عبور  
نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی کلائی جکڑے دیوار میں مٹچ گیا تھا۔  
واٹ دا ہیل!! وہ زاویار خانزادہ کو دیکھتے دبی آواز میں چیخی  
تھی۔ زاویار خانزادہ ایک پل کے لیے اس کی بے پناہ  
خوبصورتی دیکھ کر ٹھٹھکا تھا۔ وہ دور سے جتنی خوبصورت  
لگ رہی تھی پاس سے اس سے کہیں زیادہ خوبصورت لگ

رہی تھی۔ دوسرے لمحے زاویار خانزادہ کی آنکھوں میں  
غیض و غضب چھایا تھا۔

دور رہو! تفسی خان سے!! زاویار خانزادہ نے انگشت  
شہادت اٹھائے برقیے لہجے میں تنبیہ کی۔

مسٹر زاویار خانزادہ!! اپنے بھائی سے کہو مجھ سے دور  
رہے۔ بلکہ تم بھی مجھ سے دور رہو۔ کل میں اور میری  
فنیلی تمہارے اس سرد سخت پہاڑوں کو چھوڑ کر ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے جارہے ہیں۔ ان پہاڑوں اور یہاں کے  
لوگوں سے مجھے سخت نفرت ہے۔ میں مر کر بھی اب کبھی  
یہاں نہیں آؤں گی۔ مگر جو تم نے میرے ساتھ کیا۔ اس  
کا حساب ایک دن تم سے ضرور لوں گی۔ اس نے ایک  
ایک لفظ چباتے زاویار خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں  
گاڑھے اسے دونوں ہاتھوں سے دوردھکیلا تھا۔ وہ اپنی  
جگہ پر ویسے ہی چٹان کی طرح مضبوط جما کھڑا تھا۔ وہ ایک

اچھ اسے نہ ہلا سکی تھی۔ میں بھی چاہوں گا تم آئندہ مجھے نہ  
نظر آؤ۔ ورنہ زاویار خانزادہ کو ان پہاڑوں سے کہیں زیادہ  
سخت پاؤ گی۔ جس کی سخی تمھاری جیسی شہر کی نازک جان  
برداشت نہیں کر پائے گی۔ وہ اس کی نیلی آنکھوں میں  
دیکھتے سرد بر فیلے لہجے میں وارن کرتے لمبے لمبے ڈگ  
بھرتا چلا گیا تھا

---

ار نضی خان کی گاڑی اندھی طوفان بنی حویلی داخل ہوئی  
تھی۔ وہ طیش والہ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا مردانے میں  
موجود اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے اس نے اپنے کمرے کی ایک ایک  
چیز اٹھا کر پھینکی تھی۔ اس نے بیڈ شیٹ بیڈ سے کھینچ کر  
اتاری تھی۔ کمبل اٹھا کر زمین پر پھینکا تھا۔ کمرے میں  
رکھے واز ڈیکوریشن پیسز اٹھا کر وہ توڑ چکا تھا۔

آہستہ اب وہ زمین پر بیٹھتا اپنے بال جکڑے چیخا تھا۔  
اذان ملک سے اسے ابھی بھی پتہ چلا تھا کہ عایش ملک کی  
گمنی ہو چکی ہے۔ وہ شاہویر ملک کو پسند کرتی ہے یہ سنتے  
اس کے سینے میں بھانپھڑ جلے تھے۔ وہ کسی اور کی ہے۔ یہ  
ار ترضی خان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ ٹوٹ کر بکھر رہا  
تھا۔ ار ترضی خان زمین پر بیٹھے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے  
اپنی نم سرخ آنکھیں چھت میں گاڑھے ہوئے تھا۔

عائش کسی اور کی ہے۔ یہ سننا اس کے لیے اتنا تکلیف دہ تھا  
جب وہ کسی اور کی ہو جائے گی یہ سب کیسے برداشت  
کرے گا؟؟ اس کا زخمی دل فگار ہو رہا تھا۔ سینے میں مدھم  
مدھم سادرواٹھ رہا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے رو دیا۔  
عائش صرف میری ہے۔ میں اسے کسی قیمت پر کسی کا  
نہیں ہونے دے سکتا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے روتے ہوئے  
شدت گریہ سے چیخا۔ وہ بری طرح اپنے بال مٹھیوں میں

جکڑے چیخ رہا تھا۔ بیس سال کی عمر میں وہ عشق کا ایسا  
روگ لگا بیٹھا جو اس کا دل سینے سے نکال رہا تھا۔ اس کی  
دھڑکنیں رک رہی تھیں۔

ارتضیٰ خان نے اپنی قمیض کی پاکٹ سے موبائل نکال کر  
عائش کا نمبر ڈائل کیا۔ اس نے دو دن پہلے اذان ملک سے  
کسی بہانے سے موبائل لیتے عائش کا نمبر لیا تھا۔

---



عائش ملک نے مسکراتے ہوئے موبائل کو دیکھا۔

جہاں شاہویر ملک کے بہت سے میسجز تھے۔

جان جاناں۔ مائی لو سویٹ ہارٹ، لایف جانم میری زندگی

اور کتنے ہی سوری کے میسجز تھے۔ جس میں وہ بار بار اس

سے معافی مانگ رہا تھا۔

وہ ہنستے ہوئے مغروریت سے اس کے میسجز پڑھ رہی تھی

شاہویر ملک کو بہت انسٹ کرنے پر تھوڑی دیر کے لیے  
اس کا موبائل دیا گیا تھا۔ شاہویر ملک نے بہت بار کال بھی  
کی تھی جو عائشہ نے غصے سے اٹینڈ نہیں کی تھی۔ مگر اب  
میسجز پڑھ کر اسے بے حد افسوس ہو رہا تھا۔

عائشہ نے شاہویر ملک کے نمبر پر کال ملائی جواب آف رہا  
تھا۔ وہ مایوسی سے دل پر اپنا موبائل رکھتے تکیے پر سر رکھے  
لیٹی۔۔۔ اس کی نیلی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو بہتے

اس کے تکیے کو بھگور رہے تھے۔

آئی لو یو شاہویر!!! آئی لو یو سوچ۔ اس نے مسکراتے

ہوے موبائل کی سکرین پر اپنے لب رکھے

آئی لو یو ٹو! اس نے ڈھیروں emoji کے ساتھ شاہویر

ملک کو میسج سینڈ کیا تھا۔

میسج بیپ پر عائش نے جلدی سے موبائل سکرین پر دیکھا۔

میں جانتا تھا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میری محبت کی سچی

آج تم تک نہ پہنچے یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ تم ار ترضی خان کی ہو  
اور ہمیشہ رہو گی۔ عایش نے میسج پڑھتے اپنی آنکھیں بے  
یقینی سے پھیلائیں۔ وہ کرنٹ کھا کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔  
وہ شاہویر والا میسج کسی ان ناؤن نمبر پر کر سینڈ چکی تھی۔ جو  
اس کے میسج فیڈ کی سکریں پر سب سے اوپر تھا۔ عایش نے  
جلدی سے سکروں کیا۔

جہاں ڈھیروں آئی لویو کے میسج تھے۔ یہ ار ترضی خان کا نمبر

تھا جس کے بہت سارے میسجز تھے۔ ونس اپ پر ارنلڈ  
خان کا نام بھی شوہر ہاتھ تھا۔ وہ غلطی سے اسے میسج کر چکی  
تھی۔

عائش ملک نے لب بھینچے ارنلڈ خان کا نمبر اسی لمحے بلاک  
کرتے فون آف کر دیا تھا۔

---

عائش ملک نے صبح اٹھتے اپنا فون آن کیا۔ اسے ونس اپ

پر ڈھیروں مسڈ کالز میسجز رسیو ہوئے تھے۔ جس پر ار ترضی  
خان لکھا ہوا تھا۔ وہ رات کو ایک نمبر بلاک کر چکی تھی۔  
اب وہ اپنے دوسرے نمبر ز سے کالز کر رہا تھا۔ عائش نے  
غصے سے موبائل سکرین کو دیکھا یہ ار ترضی خان آخر چاہتا  
کیا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اسے کیسے اس سے یہ  
دھواں دھار عشق ہو سکتا تھا؟؟ وہ اس سے کیا چاہ رہا  
تھا؟؟۔ وہ کیا اس سے اپنے تھپڑوں کا بدلہ لے رہا تھا یہ

سب کچھ کر کے۔۔ آخر کیا چاہتا تھا وہ؟؟

عائش نے اس کے ڈھیروں میسجز پڑھے۔ وہ جن میں اپنے  
عشق کا اظہار کر رہا تھا۔ بلکہ گڑ گڑا رہا تھا۔

عائش گہرے سانس لیتے اپنے سلکی سنہرے بالوں کو کو  
مٹھیوں میں جکڑے ہوئے تھی۔ شاہویر ملک کے بعد

پہلی مرتبہ کسی مرد نے اس سے اتنی شدت سے اپنے  
عشق کا اظہار کیا تھا۔ اور اسے ارتضیٰ خان کے لفظ بری

طرح چہرہ رہے تھے۔ وہ شاہویر ملک کے علاوہ کسی مرد  
کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔  
ار ترضی خان کی کال پر اس نے غصے سے کھولتے اس کا فون  
اٹھایا۔

عائش میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں عشق کرتا ہوں۔  
تم میری ہو صرف میری۔ میں تمہیں کسی اور کا ہوتے  
نہیں دیکھ سکتا۔ وہ فون پر عائش کی آواز سنتے گڑ گڑایا تھا۔



What nonsense are you  
talking? Do you even know  
?what you are saying

وہ فون پر غصے سے چیختی تھی

I know very well what I am  
saying, to express my love for  
.you so much

وہ بھی فون پر حلق کے بل چیخا تھا۔

تم پاگل ہو چکے ہو جو تم یہ بکواس کر رہے ہو۔ عائش نے

گہرے سانس لیتے بمشکل ہی خود پر ضبط کیا

پاگل میں نہیں تم ہو چکی ہو۔ رات تم اپنی محبت کا اظہار مجھ

سے کر چکی ہو ساری رات تمہارے اس ایک میسج کو میں

نے ہزاروں بلکہ لاکھوں بار پڑھا ہے۔۔ تم اب کیسے اپنے

لفظوں سے پھر سکتی ہو؟! مجھ سے محبت کا اظہار کر کے

کیسے تم مجھے بلاک کر سکتی ہو؟!۔۔ ار نقی خان گہرے  
سانس لیتے اپنے بال نوچتے تڑپتے ہوئے بولا۔

you have lost your mind irtaza  
khan

Even after death, I should not  
say love for you. In this life, I  
am one and only my Shavir

malik

عائش ملک طیش والہ سے فون پر غصے سے غرائی۔  
جان سے مار ڈالوں گا اگر تم نے اپنی زبان سے اس شاہویر  
ملک کا نام بھی لیا۔ زاویار خان زادہ کی پاور کو تم جانتی نہیں  
ایسے منٹوں میں شاہویر ملک کو اس صفحہ ہستی سے غایب  
کر دے گا۔ وہ اس کے لبوں سے شاہویر ملک کا نام سنتے  
پاگل ہوتے دھاڑا۔

تم اپنے بھائی زاو یار خانزادہ جیسے ہو ظالم جابر سفاک !! مگر  
تم ابھی میجر شاہویر ملک کو نہیں جانتے۔ وہ تم خانزادوں  
سے کہیں زیادہ سفاک ہے۔ بہت پاور ہے میرے  
شاہویر ملک میں۔ تم لوگوں سے کہیں زیادہ وہ زمین و  
جائیداد کا مالک ہے۔ وہ بہت بڑے بزنس مین اشیر ملک کا  
اکلو تاپیٹا ہے۔ اگر میرے شاہویر کی پاور جانی ہے ایک  
بار اشیر ملک کے بارے میں سرچ کر کے دیکھنا ضرور !!

وہ گہرے سانس لیتے فون پر غصے سے چیخنی لگی۔ اذان  
ملک اسی لمحے کمرے میں داخل ہوتے اس سے فون چھین  
چکا تھا۔

میں جان سے مار ڈالوں گا تمہیں بھی اور اس شاہویر ملک  
کو تم صرف میری ہو یعنی ار ترضی خان کی۔ ار ترضی خان کی  
غراہٹ سنتے اذان ملک کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔  
کیسے مارو گے ہاں بتاؤ مجھے کیسے مارو گے تم میرے بھائی اور

بہن کو ار تفضی خان؟ اذان ملک فون پر یہ سب سنتا اپنے  
حواص کھوتا غصے سے گر جا۔

عائش ملک اپنی پیشانی انگلی سے مسلتے ہوئے اب کمرے  
میں چکر لگا رہی تھی۔ ار تفضی خان آخر کر کیا کر رہا تھا؟؟  
اس کا غصہ ار تفضی خان کے لیے مسلسل بڑھ رہا تھا۔

اذان! عائش میری ہے بہت محبت کرتا ہوں یہ یاد رکھنا وہ  
میرے ہوتے کسی کی نہیں ہو سکتی۔ ار تفضی خان نے خود پر

قابو پاتے اذان سے کہا۔

ابے بکو اس بند کر بغیرت انسان !! ورنہ تیری جان میں  
خود لوں گا۔ اذان ملک غصے سے غرایا۔

گالی مت دینا۔ ار ترضی خان پاگل ہوتے چیخا۔

تو گالیوں کا حقدار ہے ار ترضی عالیان خان۔ مجھے بیوقوف

بنایا۔ ایہ تھا تیری دوستی کا مجھ سے مقصد؟؟ تو میرے

تو ست میری بہن تک پہنچنا چاہتا تھا۔۔۔ میں ہی پاگل تھا



جو سمجھ نہ سکا۔ اذان ملک کی بات پر ار تفضی خان کی آنکھیں  
شدت گریہ سے سرخ ہوئی تھیں۔

میں سچی محبت کرتا ہوں عایش سے!! مجھے اسے پانے کے  
لیے تجھے سیڑھی بنانی کی ضرورت نہیں وہ میری تھی  
میری رہے گی۔ ار تفضی خان اٹل لہجے میں بولتے اپنی  
مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا۔

تو بھی ایک بات سن کان کھول کر سن!! عایش شاہویر

ملک کی ہے اور اسی کی رہے گی۔ اذان ملک غصے سے کہتے  
فون بند کرنے ہی لگا تھا کہ ارتضیٰ کی گرج پر وہ فون بند نہ  
کر سکا تھا۔

گولیوں کے شادیانے بجے گئے ہر طرف اگر کسی نے بھی  
اسے اپنا بنانے کی کوشش کی۔ اس کی دلہن کے لباس ڈولی  
میں نہیں!!! بلکہ کفن میں لپٹا اس کا جنازہ اٹھے گا۔ وہ فون  
پر دھاڑ تھا۔

تو پھر آج میں تیرے سینے پر گولیاں چلا کر تجھے گہری نیند  
سلاؤں گا۔ اگر دم ہے تو آمیرے سامنے! اذان ملک غصے  
سے طیش و الم میں اپنا آپہ کھو بیٹھا تھا۔ وہ اسے دھمکیاں  
دے رہا تھا۔

آج پھر ادھر جدھر تیری جان بچاؤ تھی۔ آج ادھر ہی  
تجھے موت دوں گا۔ ارتضیٰ خان کہتے فون بند کر چکا تھا۔  
اذان ملک فون بیڈ پر اچھالتے غصے سے اپنے کمرے کی

طرف بڑھا۔ عائش بھی جلدی سے اس کے کمرے کی  
طرف بڑھی تھی۔ اذان ملک کو سائیڈ ڈرار سے پسٹل  
نکالتے دیکھتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔  
اذان تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ عائش ملک نے اس سے پسٹل  
چھینی تھی۔

بکو اس بند کرو اپنی!! تم یہ بتاؤ کب سے یہ چل رہا ہے یہ  
سب؟! تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟! وہ اسے بیڈ پر دھکا

دیتے پسل اپنی ٹراؤزر کی پاکٹ میں ایڑس گیا تھا۔  
کب سے چل رہا ہے کیا مطلب؟؟ تمھاری وجہ سے یہ  
سب ہوا۔ تمھیں کہا تھا کہ وہ ذلیل زاویار خانزادہ کا بھائی  
ہے۔ اس سے دور رہو۔ اس نے تم سے دوستی کیوں کی  
تمھیں اب سمجھ آیا۔ اب تم مجھ پر ہی چیخ رہے ہو غلطی  
تمھاری ہے۔ عایش غصے سے اذان کی طرف بڑھتے اس کا  
گریبان جکڑ گئی تھی۔ اپنی غلطی وہ اس پر ڈال رہا تھا۔ وہ

غصے سے پاگل ہوئی۔

غلطی میری ہے تو آج میں اسے مار کر اپنی غلطی کی بھرپائی  
کر کے رہوں گا۔ وہ عایش کے ہاتھ اپنے گریبان سے  
چھڑواتے ہوئے اسے زمین پر دھکا دیتے باہر کی جانب  
تیزی سے بڑھ گیا تھا۔

عایش ملک زمین سے اٹھتے گہرے سانس لیتے اپنے بال  
مٹھیوں میں جکڑ گئی۔ دوسرے لمحے وہ اپنے کمرے کی

طرف بڑھی تھی۔ اس وقت حویلی میں رضا خان اور  
مصطفیٰ ملک نہیں تھے۔

وہ لوگ آج جا رہے تھے۔ داور خان کے ولیمے کے بعارضا  
خان مصطفیٰ ملک اور اپنے باقیوں دوستوں کے ساتھ اپنے  
فارم ہاؤس نکل گئے تھے۔ دوپہر تک ان سب کی واپسی  
ہونی تھی۔ دوپہر کو ہی انہوں نے لاہور کے لیے نکلنا تھا۔  
عائش ملک نے اپنے موبائل سے مصطفیٰ ملک کا نمبر ڈائل

کیا تھا۔ جو آوٹ آف ریج آرہا تھا۔ عایش ملک نے رضا  
خان کا نمبر ڈائل کیا وہ بھی آوٹ آف ریج آرہا تھا۔ عایش  
ملک بھاگتے ہوئے اب داور خان کے کمرے کی طرف  
بڑھی۔

داور بھائی!! عایش ملک نے داور کے کمرے کا دروازہ  
دھڑا دھڑکھٹکٹایا تھا۔ اس وقت صبح کے سات بج رہے۔  
گھر میں شادی کی وجہ سے سب تھکے ہارے اپنے اپنے



کمرؤں میں گہری نیند سو رہے تھے۔

داور بھائی!! عالیشان نے داور خان کو پکارتے دروازہ مزید  
زور سے بجایا تھا۔

"داجیبہ مکمل عذاب دہ، ہر دور بہ نہ نہ شور  
جو وی اوز مو دا مکلی سہار خرابوی۔ لا داچہ دو مخلکوں  
وجہ زما وادہ ہم دور و و اند و شو۔ اوس زہ وکا م،  
خدا یہ؟"

(یہ لڑکی لڑکی نہیں عذاب ہے پتہ نہیں اب اس نے کیا  
و بال مچایا ہے۔ آگے ان لوگوں کی وجہ سے میری سہاگ  
رات چار پانچ دن آگے ہوئی۔ اب یہ میری اتنی پیاری صبح  
خراب کرنا چاہتی ہے گل مخانے) وہ پشتو میں بولتے کمبل  
میں دہکی اپنی شرمائی لہجھائی بیوی کو خود کے ساتھ لپٹائے  
کمبل میں غروب ہو گیا تھا۔

عائش نے ایک دو بار بہت زور سے دروازہ کھٹکٹایا تھا۔

داور کے دروازہ نہ کھولنے پر وہ بھاگتے ہوئے مصطفیٰ ملک  
کے کمرے میں داخل ہوئی۔ ان کے کمرے کے ڈرار سے  
ان کی گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے وہ بھاگتے ہوئے  
کارپورج کی طرف بڑھی تھی۔ کارپورج میں مصطفیٰ ملک  
کی گاڑی میں بیٹھتے اس وہ گاڑی بھاگتے کھلے گیٹ سے  
نکال کر لے گئی تھی۔

---

ار نضی خان کی گاڑی کالام کی سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی  
تھی۔ وہ اپنی طرف کے شیشے سے ایک ہاتھ میں پکڑی  
پسٹل باہر نکالے فائرنگ کرتے ڈرائیو کر رہا تھا

تو جے اکھیاں دے سامنے نہیں رہنا  
تے پیسا ساڈا دل موڑ دے  
کر بیٹھا بھروسہ سجتا تیرے پیار دے

رول بیٹھا دل وے تیرے اعتبار تے

اساں نت داو چھوڑا نہیں سہنا

کہ پیسا ڈا دل موڑ دے

you have lost your mind!!

irtaza khan

Even after death, I should not  
say love for you. In this life, I

am one and only my Shavir  
!!malik

عائش ملک کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو اس کے  
آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے عارض پر بہے تھے۔ اس  
کی پسٹل سے نکلی گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں اضافہ ہوا تھا۔

و کھ رہنا پیار دا نہیں چنا دستوروے

سجنا جدائی نئیوں ساہنوں منظور دے  
جے اکھیاں دے سامنے نہیں رہنا  
تے پیا ساڈا دل موڑ دے  
میں جان کہ چیز بیگانی نوں  
تو اپنی چیز بنا بیٹھا  
دل دے کہ تینوں بے دردا  
میں عمر دی چٹالا بیٹھا

ار نضی خان گہرے سانس لیتے نم زخمی سرخ آنکھیں ونڈ  
سکرین سے نظر آتے پہاڑوں کو دیکھتے ڈرائیو کر رہا تھا۔  
!! اپنے بھائی زاویہ خان زادہ جیسے ہو ظالم جابر سفاک !! مگر  
تم ابھی میجر شاہویر ملک کو نہیں جانتے۔ وہ تم خانزادوں  
سے کہیں زیادہ سفاک ہے۔۔ بہت پاور ہے میرے  
شاہویر ملک میں۔۔ تم لوگوں سے کہیں زیادہ وہ زمین و  
جائیداد کا مالک ہے۔ وہ بہت بڑے بزنس مین اشیر ملک کا



اکلوتا بیٹا ہے۔ ایک بار اشیر ملک کے بارے میں سرچ کر  
کے دیکھنا!!

عائش ملک کے بے رحم لفظ اس کی جان جیسے نکال رہے  
تھے۔ وہ بازو سے اپنی بھیگی آنکھیں بار بار بے دردی سے  
مسلتے اپنے آنسو صاف کر رہا تھا۔

اسے کسی اور کے ساتھ سوچ کر ار ترضی خان کو اندازہ ہو رہا  
تھا وہ اس کا وقتی جنون نہیں اس کی روح میں سما چکی ہے۔

اس کا فگار دل جیسے پہلو سے نکل رہا تھا۔

وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے نچلا بے دردی سے

لب دانتوں تلے ڈرائیو کر رہا تھا۔ یکدم اس کی گاڑی کے

ساتھ کسی کی گاڑی زور سے ہٹ ہوئی تھی۔ ارتضیٰ خان

نے سٹیرنگ کو سنبھالتے ہوئے بیک ویو مرر سے دیکھا۔

اذان ملک کی گاڑی اس کی گاڑی کے پیچھے تھی۔

وہ اپنی گاڑی کو اس کی گاڑی کے بمپر سے مار رہا تھا۔

ار تفضی خان اپنی گاڑی کا کنٹرول سنبھالتے ہوئے اپنی پسٹل  
کا میگزین نکالتے اس میں گولیاں ڈالنے لگا۔ یکدم اس کی  
گاڑی پر فائر ہوا تھا۔ ار تفضی خان نے جبرے بھینچتے بیک  
ویو مرر سے دیکھا اذان ملک اس کی گاڑی پر فائر کر رہا تھا۔  
ار تفضی خان نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے اپنی پسٹل کا  
میگزین فل کیا ہی تھا کہ اس کے سینے پر آکر بے دردی سے  
فائر آکر لگا تھا۔ اس کے سینے سے بھل بھل خون بہا تھا۔

ار نضی خان نے چیختے ہوئے دل پر ہاتھ رکھتے بے یقینی سے  
اپنے خون آلود ہاتھ کو دیکھا۔ اب اس نے زخمی بے یقین  
نگاہوں سے بیک ویو مرر سے اذان ملک کو دیکھا جو اپنی  
گاڑی سے اس کی گاڑی پر ابھی فائر کر رہا تھا۔ وہ اسے سچ  
میں مارنے آیا تھا ار نضی خان کو مرتے ہوئے بھی یقین  
نہیں آ رہا تھا۔ اس کی سرخ نم زدہ آنکھوں میں درد کی  
گہری رمک چھائی تھی۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھتے سیٹ سے

ٹیک لگاتے چیخا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے  
سیٹ سے ٹیک لگائے اپنے دل میں اٹھتے شدید درد کو  
برداشت کر رہا تھا۔ پس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر  
گاڑی میں گر گئی تھی۔ اس کی سرخ گہری آنکھوں سے  
آنسو اس کے عارض پر بہہ رہے تھے  
گاڑی کی سپیڈ تیز ہونے کی وجہ سے گاڑی کھائی کی طرف  
پھسلتی چلی گئی تھی۔ ارتضیٰ خان نے اپنا کانپتا پاؤں بریک

پر رکھے گاڑی کو کنٹرول کرنے کی کی کوشش کی۔ مگر وہ  
رکھ نہ سکا تھا۔ اس کی بند ہوتی آنکھوں نے گاڑی کو کھائی  
میں گرتا دیکھا تھا۔

گاڑی ایک زوردار دھماکے سے کھائی میں جا گری تھی۔  
اذان ملک نے ارتضیٰ خان کی گاڑی کو کھائی میں گرتے  
دیکھتے اپنی گاڑی جلدی سے روکی۔

وہ گاڑی سے نکلتے بھاگتے ہوئے کھائی کی طرف بڑھا کھائی

سے آگ کی لپٹے اٹھ رہی تھیں۔ ار ترضی خان کی گاڑی میں  
آگ لگ چکی تھی۔

وہ پسٹل ہاتھ میں پکڑے بے یقین تھا۔ وہ ار ترضی خان کو  
گولی مار چکا تھا۔ اس کی وجہ سے ار ترضی خان کی گاڑی کھائی  
میں جا گری تھی۔ وہ پتھریلی زمین پر گھٹنوں کے بل  
بیٹھتے اپنی پسٹل پکڑے ہوئے شا کڈ تھا۔ وہ اسے مارنا چاہتا  
تھا مگر وہ اسے سچ میں مار دے گا وہ بے یقین تھا۔

انیس سال کا اذان ملک کا اب اپنے جیسے حواس کھو رہا تھا۔  
دھمکیاں دینے اور مارنے میں کتنا فرق ہوتا ہے؟؟ اسے  
آج پتہ چلا تھا۔ وہ جیسے تب اپنے آپے میں نہ رہا تھا۔ کھائی  
میں آگ کی لپیٹیں شعلے دیکھتے غصہ اباں سب دیے کی مانند  
بجھ چکا تھا۔ اب تو بدن پر خوف و ہشت چھاتے اسے  
کپکپانے پر مجبور کر رہا تھا۔  
اذان ملک پسل ہاتھ میں پکڑے اونچا اونچا رونے لگا۔ وہ



کیسے ار نضی خان کو مار سکتا تھا؟؟ جس نے اس کی جان  
بچائی اس نے اسے ہی موت دے دی وہ بھی اتنی بے  
رحم !!! وہ آگ میں جل رہا تھا وہ کچھ نہ کر پارہا تھا۔  
عائش ملک کی گاڑی اذان ملک کی گاڑی کے پاس آکر رکی  
تھی۔

اذان !!! گاڑی سے نکلتے چیختے ہوئے بھاگتے ہوئے اذان  
ملک کے پاس آئی تھی۔

عائش میں نے ارٹھی کو جان سے مار دیا۔ میرے نگاہوں  
کے سامنے اس کی گاڑی کھائی میں جا گری۔ وہ دیکھو وہ  
اگ میں جل رہا ہے۔ اذان ملک روتے ہوئے عائش کے  
گلے لگا۔

کیا کہہ رہے ہو؟ عائش ملک کی آواز گلے میں کھٹی تھی۔  
میں نے مار دیا اس پستل سے اس کی جان لے لی۔ وہ روتے  
ہوئے عائش ملک کو گلے سے لگائے ہوئے تھا۔

عائش ملک گہرے سانس لیتے اذان ملک کو خود کے ساتھ  
لیٹائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ اذان ملک اونچا اونچا اب  
رورہا تھا۔ عائش چاروں طرف سے گہرے پہاڑوں اور  
گہری کھائیوں کو دیکھتے اپنے چکراتے وجود پر بمشکل قابو  
پائے ہوئے تھی۔

تم نے کچھ نہیں کیا اذان؟؟ عائش ملک نے اسے خود سے  
الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے۔

میں نے مارا ہے اسے اس پسل سے۔ وہ عایش ملک کو اپنے  
ہاتھ میں پکڑی پسل اسے دکھاتے اپنے حواس کھوتے چیخا  
تھا۔

نہیں مارا تم نے۔ وہ پسل اس کے ہاتھ سے چھینتے اسے  
زمین پر پھینکتے حلق کے بل دھاڑی تھی۔ اس کی دھاڑ

پہاڑوں سے گو بجتی ان تک واپس پلٹی تھی۔

میری بات سنو اذان!! ار تضي کو تم نے مارا یہ کسی کو نہیں

پتہ۔ یہاں کیا ہوا کسی کو کچھ نہیں پتہ۔۔ ار تضي خان کا

وجود جل کر راکھ ہو چکا ہے۔۔ جب تک سب کو پتہ چلے گا

ہم یہاں سے چلیں جائیں گے اور گاڑی کھائی میں گر سکتی

ہے۔ کتنی گاڑیاں ان کھائیوں کی نظر ہوئیں۔ کسی کو کیا پتہ

چلے گا یہ حادثہ تھا یا قتل؟؟ وہ اذان ملک کا چہرہ ہاتھوں میں

تھامے کپکپاتے لبوں سے مضبوطی سے بول رہی تھی۔  
قتل!! اذان ملک عایش کا لفظ دہراتے شدت سے رونے  
لگا تھا۔

قتل کیا میں نے!! وہ پاگلوں کی طرح لفظ دہراتے رو رہا  
تھا۔

عایش ملک بھی اب شدت سے رونے لگی تھی۔ دونوں  
کی روتے ہوئے چیخیں پہاڑوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

چلو یہاں سے!! وہ اذان ملک کو بازو سے جکڑے اس کی  
گاڑی کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولتے اسے ڈرائیونگ  
سیٹ پر بٹھایا۔ اذان تمہیں یہ گاڑی چلانی ہوگی۔ ہمیں  
جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔ خود کو بچانے کے لیے  
تمہیں یہ کرنا ہی ہوگا۔ عائش نے اس کا چہرہ تھامتے اس  
سے کہا۔

اذان ملک نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گاڑی کی

انسپشن میں چابی گھمائی۔ عایش ملک اس کی گاڑی کا دروازہ  
بند کرتے اپنی گاڑی کی طرف تیزی سے بڑھی تاہم گاڑی  
کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے  
گاڑی سٹارٹ کرتے گاڑی رضا خان کی حویلی کی طرف  
موڑی تھی۔ اذان ملک اور عایش ملک کی گاڑیاں اب رضا  
خان کی حویلی کی طرف تیزی سے گامزن تھیں۔

---



ار نضی خان کی گاڑی کھائی میں گرنے کی خبر پورے کالام  
میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔

زاویار خانزادہ اور اس کے گارڈز کی گاڑیاں جائے وقوعہ کی  
جگہ پہر آکر زن سے رکی تھیں۔ زاویار خانزادہ سرخ سرد  
چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ گاڑی سے اتر اٹھا۔  
اس کے ساتھ التمش اور گارڈز بھی گاڑی سے تیزی سے  
اترے تھے۔ وہ سب تیزی بھاگتے ہوئے کھائی کی طرف

بڑھے تھے۔ زاویار خانزادہ سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال  
کندھوں پر ڈالے تھے ہوئے نقوش اور ابھری ہوئی نیلی  
رگوں کے ساتھ تیزی سے کھائی کی طرف بھاگ رہا تھا۔  
وہ جتنی تیزی سے بھاگ رہا تھا اس سے کہیں زیادہ تیزی  
سے الٹمش خانزادہ بھاگ رہا تھا۔ اس نے گارڈز کو اشارہ  
کرتے تیزی سے پوری قوت سے زاویار خانزادہ کی طرف  
بڑھتے دوڑ لگائی تھی۔ الٹمش خانزادہ اور اس کے گارڈز

برق رفتاری سے زاویار خانزادہ کے پیچھے بھاگ رہے  
تھے۔ اس سے پہلے زاویار خانزادہ کھائی سے کودتا۔ التمش  
اور گارڈز زاویار خانزادہ کو سینے کندھوں سے پیچھے سے جکڑ  
چکے تھے۔ زاویار خانزادہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔  
ارتضیٰ!! زاویار خانزادہ حلق کے بل پوری قوت سے خود  
کو چھڑوانے کی سعی کرتے چیخا تھا۔ التمش اور گارڈز زاویار  
خانزادہ کو اپنی پوری طاقت لگائے اپنی طرف کھینچ رہے

تھے۔ ار تھی!! وہ پاگلوں کی طرح کھائی کی طرف اپنے  
قدم بڑھاتے چیخ رہا تھا۔ دور مضبوطی سے جمے کھڑے  
پھاڑ یہ دلخراش چخیں خود میں سمار ہے تھے۔ کچھ دیر پہلے  
بھی انہوں نے یہ کرب ناک چخیں سنی تھیں۔  
چھوڑو مجھے!! مجھے اپنے ار تھی خان کے پاس جانا ہے۔  
زاویار خانزادہ اتنی شدت سے دھاڑا تھا کہ پھاڑ جیسے لرز  
اٹھے تھے۔

خان نیچے گہری کھائی ہے۔۔ آپ کی جان چلی جائے گی۔  
التمش چیختے ہوئے زاویار خانزادہ کو اس کے سینے سے  
جکڑے ہوئے تھا۔

زندہ رہنا بھی کون چاہتا ہے ار تھی خان نہیں تو زاویار  
خانزادہ نہیں۔ وہ حلق کے بل چیختے ہوئے خود کو چھڑوانے  
لگا۔ التمش خانزادہ اور تین چار گارڈز زاویار خانزادہ کو  
جکڑے ہوئے تھے۔ مگر وہ زاویار خانزادہ کو قابو نہ کر پا

رہے تھے۔ ارنلڈی خان!! وہ چیختے ہوئے خود کو چھڑاوا رہا  
تھا۔ زاویار خانزادہ کے پورے وجود کی رگیں ظاہر ہو رہی  
تھیں۔ چہرہ اور آنکھیں خون چھلکانے لگی تھیں۔  
زاویار خانزادہ کو وہ سب اپنی پوری طاقت لگائے بھی قابو  
نہ کر پارہے تھے۔

آہہ!! زاویار خانزادہ اپنی قمیض کی پاکٹ سے پستل  
نکالے ہوئی فائر کرتے ہوئے چیخا تھا۔ گارڈز گولیوں کی

گوئج سے زاویار خانزادہ کو چھوڑتے پیچھے ہوئے تھے۔ مگر  
التمش خانزادہ اسے بو نہیں جکڑے ہوئے تھا۔  
زاویار خانزادہ نے التمش کو دھکا دیتے اس پر پسٹل تانی۔  
خان!!! آپ کی گولی لگنے سے پہلے التمش خانزادہ خود کو  
گولی مار دے گا۔ یہ جان آپ سے بڑھ کر نہیں ہے مگر  
آپ کو کسی قیمت پر اس کھائی سے کودنے نہیں دوں گا خود  
کشی کرنے نہیں دوں گا۔ التمش نے زاویار خانزادہ کی

طرف بڑھتے اس کے ہاتھ میں پکڑی پسل کی نوک اپنی  
پیشانی پر رکھی۔ زاویار خانزادہ خون اتری آنکھوں سے  
التمش کو دیکھتے پسل التمش خانزادہ کی پیشانی پر رکھے  
ہوئے تھا۔

خان!!! ار تفضی چلا گیا مگر اس کی گاڑی کیسے کھائی میں گری  
یہ آپ کو اور مجھے جاننا ہے۔

آہہ۔۔۔ زاویار خانزادہ نے چیختے ہوئے پسل التمش خانزادہ



کی پیشانی سے ہٹاتے اسمانی کتنے ہی فائر کر دیے تھے۔ ایک بار سے پہاڑ گولیوں کی خطرناک آواز سے گونج اٹھے تھے ار ترضی خان!! وہ پسٹل زمین پر پھینکتے گھٹنوں کے بل بیٹھے آسمان کی طرف دیکھتے چیخ رہا تھا۔ اس کی خطرناک خوفناک چیخیں پہاڑوں کو تھرا تھرا نے پر مجبور کر رہی تھیں۔

---

اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا۔ مصطفیٰ ملک آدھا گھٹنے پہلے

واپس آچکے تھے۔۔ اذان ملک عائش کے کمرے میں ایک  
ہی پوزیشن میں صوفے پر بیٹھتا تب سے اپنی کپکپاہٹ پر  
قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ عائش نے اذان اپنے اور  
مصطفیٰ ملک کے سامان کی پیکنگ کر لی تھی۔ وہ مصطفیٰ ملک  
کی وجہ اسے اتنی دیر سے ر کے ہوئے تھے۔ اگر وہ لوگ  
مصطفیٰ ملک کے بغیر چلے جاتے ار ترضی خان کی موت کا  
شک شاید اذان پر جاسکتا تھا۔ مصطفیٰ ملک ان کی وجہ سے

پریشانی میں آسکتے تھے۔ وہ مصطفیٰ ملک کو کیسے چھوڑ کر جا  
سکتے تھے۔

ار ترضی خان کی گاڑی جل کر راکھ ہو چکی تھی۔ یہ کبھی پتہ  
چل ہی نہیں سکتا تھا کہ گاڑی کھائی میں گرنے سے پہلے  
ار ترضی خان کو گولی لگی تھی۔ عایش کو یقین تھا ار ترضی خان  
کی موت کا شک اذان ملک پر نہیں جاسکتا تھا۔ وہ کیا کرے  
اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ

ماؤف ہو چکا تھا۔ اچکر لگاتے لگاتے اس کی ٹانگیں شل ہو  
چکی تھیں۔ شاہویر ملک کا فون آف تھا۔ لیڈ لائن پر کوئی  
فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ سبرینہ ملک سے بھی رابطہ نہیں ہو پا  
رہا تھا۔ اذان ملک جیسے اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔  
عائش ملک نے اپنے موبائل میں ٹائم دیکھا۔ آدھے گھنٹے  
تک نکلنے والے تھے۔ ایک بار وہ سب اس کالام سے نکل  
جاتے وہ کبھی ان پہاڑوں اور یہاں کے رہنے والے

لوگوں کی شکل نہ دیکھتی۔

اذان! عالیش اذان کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں  
گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ گئی۔

تمہیں خود پر قابو پانا ہوگا۔ کسی کو بھی تم پر شک نہیں ہونا

چاہیے۔۔ ہم یہاں سے کچھ دیر تک سوات کے لیے

نکلین گے۔ وہاں سے ڈائریکٹ ہماری لاہور کی فلائیٹ

ہے۔ آج رات ہی تم پہلی فلائیٹ ڈے سچین ماما کے پاس

چلے جانا۔ پہلے تو یہ ثابت کسی صورت نہیں ہو سکتا کہ  
ار تفضی خان کو تم نے مارا ہے۔ کل کو کچھ بھی ہوتا ہے یہ  
لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔۔۔ صرف ان پہاڑوں سے  
ہمیں ایک بار نکلنا ہوگا۔ صرف اس کالام سے نکلنا ہوگا۔  
عائش کی آواز اب شدت سے بھیگ اٹھی تھی۔ اذان ملک  
نے عائش کی طرف دیکھتے کانپتے ہوئے اثبات میں سر  
ہلایا۔ وہ اس وقت انیس سال کا مرد نہیں بلکہ ایک چھوٹا سا

بچہ لگ رہا تھا۔ جوان پہاڑ والوں سے خوف کھائے ہوئے  
تھا۔

چلو پھر اٹھو پاپا باہر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ عایش زمین  
سے اٹھتے اپنا اور اذان ملک کا ٹرائی بیگ کھسیٹتے ہوئے باہر  
کی طرف بڑھی۔ اس وقت وہ آف ویٹ کلر کی فراک  
میں ملبوس تھی۔ حسب معمول اس کے سنہری کرنوں  
والے بال کھلے تھے۔ اس نے کبھی اپنے بال باندھے نہیں

تھے نہ اسے عادت تھی۔۔ اذان ملک بھی عائش کی تقلید  
میں اس کے پیچھے تیزی سے بڑھاتا تھا۔

---

وہ لوگ سب سے ملتے اپنی بڑی سی گاڑی میں بیٹھ چکے  
تھے۔ جسے ان کا ڈرائیور ڈرائیو کر رہا تھا۔ ان کی بڑی سی  
لینڈ کروزر کالام کی سڑکوں پر اب تیزی سے دوڑ رہی  
تھی۔ مصطفیٰ ملک ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے



تھے۔

عائش اور اذان ملک پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ان کے دو  
گارڈز بھی سب سے پیچھے اوپن سیٹس پر بندوقیں پکڑے  
بیٹھے تھے۔ ان کی گاڑی تیزی سے سوات کی طرف بڑھ  
رہی تھی۔

عائش ملک اظطرابی انداز میں اپنے سیل پر لوکیشن آن کیے  
لوکیشن دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک پل کے لیے اپنی

نظریں نہیں جھپکائی تھیں۔ وہ تو جیسے سائسیں روکے بیٹھی  
تھی۔ جب تک کالام کے پہاڑ وہ لوگ عبور نہ کر لیتے اس  
کی جان میں جان نہیں آنی تھی۔

سوات میں داخل ہونے میں اب صرف دس منٹ کا  
فاصلہ رہ گیا تھا۔

سامنے سوات کا بورڈ نظر آتے عائش ملک کی آنکھیں نم  
ہوئی تھیں۔ وہ لوگ کالام کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان کی

گاڑی اب سوات کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر  
میں سید و شریف ایئر پورٹ آ جانا تھا۔ عایش ملک نے  
اذان ملک کے خوفزدہ چہرے کو دیکھتے اپنی طرف کا شیشہ  
نیچے کیا۔ ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے اس کے چہرے کا آحاطہ  
کیا تھا۔ اس کے سنہری کرنوں جیسے بال ہوا میں لہرا رہے  
تھے۔ وہ اپنا بازو وونڈو میں رکھتے اپنی بھیگی نیلی آنکھوں سے  
سر سبز پہاڑوں کو دیکھتے ٹھنڈی ہوائیں اپنے اندر اتار رہی

تھی۔ یہ بریلی ہوائیں اسے سوئیوں کی طرح چبھ رہی  
تھیں۔ مگر وہ آخری بار ان ہواؤں کو خود میں سماتے ان کی  
چبھن اپنے اندر اتارنا چاہتی تھی۔ اسے اب ان پہاڑوں اور  
یہاں کے سرد سخت لوگوں کے بیچ کبھی مر کر بھی نہیں آنا  
تھا۔

وہ لوگ سید وائیر پورٹ شریف کی طرف بڑھ رہے تھے  
کہ یکدم ان کی گاڑی کو چاروں طرف سے گاڑیوں نے

اپنے حصار میں لیا تھا۔ ان کے ڈرائیور نے بریک پر پاؤں رکھتے جلدی سے گاڑی روکی۔ گاڑی بری طرح اچھلی تھی۔ وہ لوگ اگلی سیٹوں سے بری طرح ٹکرائے تھے۔ عایش نے چیختے ہوئے خوفزدہ نگاہوں سے اپنے گرد کھڑی گاڑیوں کو دیکھا تھا۔ اذان ملک کے چہرے پر دہشت کی پر چھائی لہرائی تھی۔ عایش اپنی نیلی پھٹی ہوئی آنکھوں سے چاروں اور کھڑی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ ملک پریشانی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ ان  
گاڑیوں میں سے درجنوں کی تعداد میں گارڈز اور التمش  
خانزادہ کو نکلنے دیکھتے عایش ملک کا چہرہ فق ہوتے زرد ہوا تھا  
۔ اذان ملک بری طرح کانپنا شروع ہو چکا تھا۔  
التمش خانزادہ پسٹل ہاتھ میں پکڑے اپنی سفید شال  
کندھوں پر جھٹکتے ان کی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس  
کے گارڈز چاروں اور سے ان پر اپنی بندوقیں تان چکے

تھے۔

پاپالاک مت کھولے گا۔ عایش خوفرده ہوتے اذان ملک  
کا ہاتھ تھامتے چیخنی تھی۔ مگر ان کا ڈرائیور خود پر بندوق تنی  
دیکھتے لاک کھول چکا تھا۔

التمش خانزادہ نے اذان ملک والی سائیڈ کی طرف بڑھتے  
اس کا دروازہ کھولتے اسے کالر سے جکڑتے کھینچتے ہوئے  
باہر نکالا۔ عایش ملک اور اذان ملک کی فلگ شگاف چیخیں

گو جی تھیں۔ مصطفیٰ ملک یہ دیکھتے پریشانی سے جلدی سے  
گاڑی سے اترے۔ التمش خانزادہ اذان ملک کو کالر سے  
بے دردی کھینچتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔  
اذان ملک بری طرح رو رہا تھا۔ عائشہ ملک گاڑی سے نکلتے  
بھاگتے ہوئے التمش خانزادہ کی طرف بڑھی۔  
مصطفیٰ ملک بھی بھاگتے ہوئے التمش کی طرف بڑھے  
تھے۔



چھوڑو میرے بھائی کو!! عایش ملک نے انہماش کی طرف  
بڑھتے اسے گریبان سے جکڑے تھا۔ وہ اپنا گریبان  
چھڑوائے عایش ملک کو پوری قوت سے دھکا دے گیا۔  
عایش ملک ساتھ کھڑی گاڑی کے دروازے پر آکر گری  
تھی۔ اس کی پیشانی شیشے سے بری طرح ٹکرائی تھی۔  
جہاں سے خون بہنا شروع ہو چکا تھا۔ وہ اپنی پیشانی سے  
بہتے خون کو انگلیوں کی پوروں سے چنتے اپنے درد کی پرواہ

کیے بغیر التمش خانزادہ کی طرف بھاگتے ہوئے بڑھی۔۔۔  
چھوڑو میرے بیٹے کو؟ کہاں لے جا کر رہے ہو۔ مصطفیٰ  
ملک چنچے تھے۔ زاویار خانزادہ کے گارڈز مصطفیٰ ملک پر  
بنوقین تانے انھیں زد و کوب کر گئے تھے۔

چھوڑو التمش میرے بھائی کو تم ہمیں جانتے نہیں ابھی۔ وہ  
اذان ملک کی چیخوں پر شدت گریہ سے چنچی تھی۔ التمش  
خانزادہ نے اذان ملک کو گھسیٹتے ہوئے بہت بے دردی

سے اس کے چہرے پر کتنے ہی تھپڑ جڑ دیے تھے۔  
میرے بیٹے کو کچھ بھی ہوا چھوڑوں گا نہیں۔ مصطفیٰ ملک  
دل پر ہاتھ رکھے کھانستے چلے گئے۔ پاپا!! عایش نے انھیں  
دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے روتے ہوئے پکارا تھا۔  
دوسرے لمحے وہ تیزی سے التمش خانزادہ کی طرف بھاگی  
۔ جو اذان ملک کو بری طرح مارتے ہوئے اسے اپنی گاڑی  
کی پچھلی سیٹ پر دھکیل چکا تھا۔

عائش بھاگتے ہوئے التمش خانزادہ کے مقابل آتے اس کا  
گریبان دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی۔

چھوڑو میرے بھائی کو میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی  
زاویار خانزادہ کے کتے!! وہ التمش خانزادہ کا گریبان  
جکڑے غرائی تھی۔

گالی نکالی تو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس پھتریلی  
زمین میں دفن کردوں گا سبھی۔ التمش خانزادہ اس کی

مٹھیوں سے اپنا گریبان چھڑواتے اسے گاڑی کے  
دروازے سے لگاتے اپنی پسل عایش ملک کی پیشانی پر  
رکتے گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ غرایا تھا۔  
عایش گہرے سانس لیتے نیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی  
تھی۔ تمہارے بھائی کی لاش اب تم لوگوں کے حوالے کی  
جائے گی۔ وہ بھی اس صورت میں جب ہمیں ار ترضی خان  
کی لاش ملی۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اپنی گاڑی سے دور

کرتے بے دردی سے دھکا دے گیا تھا۔ عائش ملک  
اوند دھے منہ زمین پر گری تھی۔ التمش خانزادہ اور اس  
کے گارڈز اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھتے گاڑیاں زن سے بھگا  
کر لے گئے تھے۔

عائش ملک گھٹنوں کے بل بیٹھی اپنے بال مٹھیوں میں  
جکڑے اونچا اونچا چیختے ہوئے رو رہی تھی۔  
مصطفیٰ ملک گاڑی کے ساتھ لگے اپنے دل پر ہاتھ رکھے

ہوے تھے۔ انہوں نے اپنا موبائل نکالتے رضا خان کا نمبر  
ڈائل کیا تھا۔

---

حیدر خان کمرے میں کارپٹ پر بیٹھے دراب زراب کے  
ساتھ کھیل رہا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے آتے حیدر خان کے  
سینے میں سما جاتے۔ حیدر خان اپنی بائیں بھلاتا وہ بھاگتے  
ہوئے حیدر خان کے سینے میں سماتے کلکاریاں بھرنے

لگتے۔ حیدر خان مسکراتے ہوئے انھیں سینے میں  
بھینچتا۔ وہ پھر سے دونوں بھاگتے ہوئے حیدر خان سے  
دور جا کر اسے ہنستے ہوئے دیکھتے۔ حیدر خان مسکراتے  
ہوئے بائیں پھیلاتا وہ کھلکھلاتے ہوئے بھاگ کر پھر  
سے اس کے سینے میں سما جاتے۔ وہ لوگ کب سے یہ  
کھیل کھیل رہے تھے۔ نہ دراب زراب تھک رہا تھا۔ نہ  
حیدر خان تھک رہا تھا۔



حیدر خان نے فرشتے کی طرف نگاہیں دوڑائیں جو بیڈ پر  
سائیڈ کروٹ لیے لیٹی تھی۔

چلو آپ دونوں کو آپ کی پھوپھو کے پاس چھوڑ کر آؤں۔  
وہ دراب زراب کو گود میں اٹھائے کھڑا ہوا تھا۔ ان کی  
پیشانی چومتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا۔

حیدر خان دراب زراب کو زرمش کے حوالے کرتے  
اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ دروازے کا لاک کرتے وہ

لائس آف کرتے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔ کمرے میں اب  
صرف ہلکی نیلگوں روشنی آن تھی۔

وہ فرشتے کے پاس آہنگی سے لیٹتے اس کے بالوں میں نرمی  
سے انگلیاں پھیرنے لگا۔ فرشتے حیدر خان کا لمس اس کی  
خوشبو محسوس کرتے آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔ وہ  
پچھلے ایک مہینے سے اس کے قریب نہیں آیا تھا۔ مگر وہ  
رات بھر اس کے قریب ایسے ہی رہتا تھا۔ اسے اپنی

بانہوں سے لپٹائے اپنے سینے میں نرمی سے بھینچے رکھتا  
تھا۔ مگر اس کے جسم کے کسی بھی حساس حصے کو وہ غلطی  
سے بھی نہ چھوتاتا تھا۔ نہ فرشتے کو احساس ہوتا تھا وہ اسے  
محسوس کرتا ہے۔ حیدر خان کا یہ رویہ اسے بری طرح  
محسوس ہونے لگا تھا۔ مرد جس عورت سے محبت کرے وہ  
اس کی بانہوں میں ہو وہ اسے محسوس نہ کرے یہ کیسے  
ممکن تھا۔ حیدر خان کا یہ رویہ اسے بے حد تکلیف دینے لگا

تھا۔ وہ حیدر خان جو اس کی قربت کے لیے پاگل تھا۔ وہ  
آج ایک مہینے سے اس کے قریب ہی نہیں آیا تھا۔ حیدر  
خان جیسے اب اسے کسی اور طریقے سے افیت دے رہا تھا  
اور وہ افیت کی انتہا پر تھی۔

حیدر خان بے حد نرمی سے اس کے <sup>سلکی</sup> بالوں میں انگلیاں  
پھیرتے اس کی کان کی لو پر نرمی سے لب رکھے۔ فرشتے  
کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

کیا ہوا ہے خانم؟؟ طبعیت ٹھیک ہے۔ میں نے کہا تھا آج  
تمہیں تمہارے لالا کے پاس چھوڑ دوں گا۔ تم تیار نہیں  
ہوئی۔ کیا بات ہے اپنے خان کو چھوڑ کر جانے کو دل نہیں  
کر رہا؟؟ حیدر خان نے اسے سیدھا کیے اس پر جھکتے ہوئے  
پوچھا۔

میری طبعیت ٹھیک نہیں خان!! مگر آپ کہتے ہیں تو کل  
چلی جاؤں گی۔ وہ حیدر خان کو خود سے دور دھکیلتے اٹھ کر

بیٹھی تھی۔

جیسے تم چاہو خانم!! جو تم چاہو گی اب وہی ہو گا۔ حیدر  
خان فرشتے سے دور ہوتے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے  
فرشتے کی پشت کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے بولا۔ وہ  
سفید کلر کی سمپل سی فراک پہنے ہوئے تھی۔ لیکن وہ کافی  
فٹنگ میں تھا۔ پچھلا گلا بھی ڈیپ تھا۔ وہ گہرا سانس  
بھرتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے سائیڈ ٹیبل

سے موبائل اٹھائے اپنی توجہ اس کی طرف کر گیا۔  
سب کچھ میری مرضی پر ہے تو خان پھر میں اپنے لالا کے  
پاس ہمیشہ کے لیے رہنا چاہتی ہوں۔ فرشتے بیڈ سے اٹھتے  
ہوئے دبی آواز میں چیخی تھی۔

کیا مطلب ہے خانم اس بات کا؟؟ کھل کر وضاحت کرو  
میں وعدہ کرتا ہوں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا۔  
حیدر خان نے موبائل بیڈ پر پٹختے ہوئے فرشتے کی طرف

دیکھتے لفظ چباتے آئی برواچکائے تھے۔

مجھے اپنے لالا کے پاس ہمیشہ کے لیے جانا ہے اور آپ مجھ سے ہر تعلق ختم کریں گے۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے اندر اٹھتے غصے پر بمشکل قابو پایا تھا۔

ٹھیک ہے جیسے تم چاہو۔ مگر دراب زراب کو ادھر ہی چھوڑ جانا۔ وہ میرے بیٹے ہیں میں انھیں کسی کے درپر



پرورش پاتے نہیں دیکھ سکتا۔ نہ میری غیرت یہ گوارا  
کرتی ہے میرے بیٹے کہیں اور پلے بڑھے۔ تم جہاں چاہو  
رہ سکتی ہو۔ حیدر خان فرشتے کے سرخ چہرے کو بغور  
دیکھتے سنجیدگی سے کہتے بیڈ سے اٹھتے دروازے کی جانب  
بڑھا۔

صرف بیٹوں پر غیرت آرہی ہے۔ بیوی پر غیرت نہیں آ  
رہی جو جہاں مرضی رہے۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان

کے موچھوں تلے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

وہ اپنی مسکراہٹ چھپائے فرشتے کی طرف مڑا جو اسے  
شرر بارنگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ضبط سے اس کا چہرہ  
سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں چمکتے موتیوں کو وہ چھپانے  
کے لیے وہ اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے روکنے کی  
ناکام سعی کر رہی تھی۔

اب میری غیرت سے بڑھ کر خانم میرے لیے تمہارا ہر

فیصلہ تمہارے جذبات ہیں۔ میں اب ابھی تم اپنا حق  
نہیں جتاؤں گا۔ مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئیں اب میں  
مزید غلطیاں نہیں کر سکتا۔ تم جیسا چاہو گی ویسے ہی ہو  
گا۔ تم چاہو گی تمہارے قریب نہ آؤں تو میں تمہارے  
قریب نہیں آؤں گا۔ حیدر خان گمبیر آواز میں کہتے  
ہوئے اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔  
فرشتے حیدر خان کے قدموں کو دیکھتے پیچھے کی جانب اپنے

قدم بڑھانے لگی۔

اگر تم چاہتی ہو میں تمہارے آنکھوں کو نہ چوموں تو نہیں

چوموں گا۔ وہ اس کی آنکھوں پر نرمی سے باری باری لب

رکھ گیا تھا۔ اگر تم چاہتی ہو میں تمہارے ان خوبصورت

عارض کو اپنی شدتوں سے قندھاری نہ کروں تو نہیں

کروں گا۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے عارض پر

جھکے دانت گاڑھ گیا تھا۔ فرشتے کے لبوں سے سسکاری

بلند ہوئی تھی۔ اگر تم چاہتی ہو میں تمہارے گلابی لبوں کا  
جام نہ پیوؤں تو آئندہ میں تمہاری سانسوں کو قطرہ قطرہ  
نہیں پیوں گا۔ وہ اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو  
قفل لگا گیا تھا۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس  
کی جنون خیزی اپنے لبوں پر سہہ رہی تھی۔ وہ لمحوں میں  
اس کی جان لبوں پر سجا چکا تھا۔

اگر تم چاہتی ہو تمہارے اس تل کی رنگت نہ بدلے تو میں

بھی اس تل کو نہیں چھوئوں گا۔ جس میں میری جان بستی  
ہے۔ وہ اس کے تل پر جھکے اپنے تشنہ لب رکھ گیا تھا۔  
فرشتے کے تل پر لب رکھنے کی دیر تھی حیدر خان کے بدن  
میں سپارک سا اٹھا تھا۔ اس کے پور پور میں فرشتے کی پیاس  
طلب بن کر دوڑی تھی۔ حیدر خان کے جواں جذبوں  
میں آگ لگی تھی۔ اس کی ضرورت اس کے اندر آگ لگا  
چکی تھی۔ وہ مزید اپنے جذبوں اپنے محرم کی طلب پر

بندش نہیں لگا سکتا تھا جو رات رات بھر اس کی جان نکال  
کر رکھ دیتی تھی۔ وہ فرشتے کے تل پر اپنی جنون خیزیاں  
بکھیرتے اس کی فراک کی زپ نیچے کی طرف کھسکاتے  
اسے بیڈ پر نرمی سے دھکیلتے اپنی شرٹ ریموو کرتے فرشتے  
پر گھٹا بن کر چھایا تھا۔ وہ فرشتے کی گردن پر جھکے شدت  
سے اپنے سلگتے لب رکھتے اسے داغدار کرنے لگا۔ فرشتے  
کی مزاحمت بڑھی تھی۔ اس نے سسکتے ہوئے حیدر خان

کے سینے پر ہاتھ رکھتے اسے دور کرنا چاہا۔ حیدر خان اس کی  
کمر پر ہاتھ ڈالتے اس کی فراک گلے سے چاک کرتے اس  
کے تن سے ایک ہی جست سے جدا کر گیا تھا۔ اس نے  
اس کی کلائیوں کو تکیے سے سختی سے پن کرتے اس کی  
گہرائیوں پر جھکتے اپنی جنون خیزی اس انداز سے ڈھائی تھی  
کہ فرشتے کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی۔ وہ فرشتے کی چیخ پر  
جلدی سے اس سے دور ہوا۔ فرشتے پھولتی سانسیں سے



اسے نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

آئی ایم سوری خانم! میں بہک گیا تھا۔ وہ فرشتے کو سرخ  
مدہوشی بھری آنکھوں سے دیکھتے آہستگی سے بولتے اس  
کی پیشانی پر لب رکھتے اس سے دور ہوا۔

کک کیا؟ فرشتے کے لبوں سے ٹوٹے لفظ ادا ہوئے۔ م  
حیدر خان بیڈ سے اٹھتے زمین پر پر پڑی اپنی شرٹ اٹھاتے  
پہنتے ہوئے دروازہ کھولتے نکل گیا تھا۔ فرشتے گہرے

سانس لیتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی پھٹی شرٹ بیڈ سے اٹھائے پہنی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑاواز اٹھا کر پوری قوت سے بند دروازے پر دے مارا تھا۔ دروازے کے باہر کھڑا حیدر خان ہنستے ہوئے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا سٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا اس کی معصوم سی خانم جلد اس کے قدموں تلے سے زمین ہلانے

والی تھی۔۔



urdunovelscollection.com